

عالماتِ اہل

دینہ مرزا بیت

سابقہ علی رضا احمد

3898

P
67

کتابت

آورد

زینب مراد علی

تحقیق و ترتیب

صادق علی زاہد

گنبد خضریٰ پبلی کیشنز



جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب - علمائے حق اور ردِ فتنہ مرزاہیت
ترتیب و تحقیق - صادق علی زاہد
پروف ریڈنگ - محمد عاشق
کمپوزنگ - شبیر احمد شریقیوری
اشاعت اول - جنوری ۲۰۰۱
پبلشر - شبیر انصاری پبلی کیشنز لاہور
قیمت - ۲۰ روپے

ملنے کا پتہ

- (۱) ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور
- (۲) فاتح پبلشرز ۸- اے یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون 7231118
- (۳) علم و عرفان پبلشرز ۹- لوئر مال عقب میاں مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ فون ۷۳۵۲۳۳۲-۰۴۲
- (۴) ختم نبوت ریسرچ سینٹر مصری والا تحصیل ننکانہ فون ۶۹۱۰۳۸-۰۴۹۴۱
- (۵) مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور

3898

الحمد لله
الذي هدانا لهذا
الذي كنا لنهتدي لولا
أن هدانا الله

الحمد لله
الذي هدانا لهذا
الذي كنا لنهتدي لولا
أن هدانا الله

3878

کتب کو قلم

بلاغ اللہ
کلمہ اللہ
تہجد
عزائم
عزائم

عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

کتب کو قلم

کلام شیخ سعدی

انتساب

- ایک سیما صفت مجاہد-----جو تنہا ایک لشکر کا کام کر رہا ہے۔
 ایک پیکر عشق-----جو قوت عشق سے قادیانیت کو تہہ و بالا کر رہا ہے۔
 ایک نسیم سحر کا ٹھنڈا جھونکا-----جو خواب غفلت میں سوتے ہوئے افراد امت کو بیدار کرنے کے لئے کوشاں ہے۔
 ایک میر کارواں-----جسکی نگاہ بلند سخن و لنوا ز اور جاں پر سوز ہے۔
 ایک قلم کا جرنیل-----جسکی حکمت عملی کے سامنے قادیانیت تگنی کا ناچ ناچتی ہے۔
 ایک علم کا دریا-----جسکی علمی ہیبت سے مرزا طاہر اور دیگر قادیانی تھر تھر کانپتے ہیں۔
 ایک عمل کا بحر متلاطم-----جسکی عملی کاوشوں کی بدولت قادیانیت کو منہ چھپانے کی جگہ نہیں مل رہی۔

- ایک بے مثال خطیب-----جو کبھی باد صبا کا جھونکا ہے تو کبھی رعد کی کڑک ہے۔
 ایک شاہ دماغ-----جس نے ننگانہ میں بیٹھ کر ربوہ و قادیان کا انجر پنجر ہلا کر رکھ دیا۔

تحفظ ناموس رسالت کے لئے ایک بلند آواز اور قادیانیت کے لئے ایک لپکتا شعلہ

جناب محمد متین خالد کے نام

وہی جواں ہے قبیلہ کی آنکھ کا تارا

شباب ہو جسکا بے داغ ضرب ہو کاری

فہرست

5	مولانا عبدالستار خان نیازی	کلماتِ تحسین
7	علامہ سید شبیر احمد ہاشمی	ردِ قادیا نیت کا نیا پہلو
11	محمد طاہر عبدالرزاق	طوفانی پہاڑی دریا
14		آغازِ سخن
17		اجمالی تعارف
26		احمد رضا خان بریلوی
39		احمد سعید کاظمی
49		احمد نورانی شاہ
62		راصغر علی روحی
72		الیاس برنی
95		افتخار الحسن زیدی
99		اقبال علامہ ڈاکٹر محمد
127		انوار اللہ خان
131		جماعت علی شاہ پیر
148		شبیر احمد ہاشمی
151		شیر محمد شرقی پوری، میاں
154		ظہور احمد بگوی
164		عبدالحامد بدایونی
169		عبدالستار انصاری چشتی
171		عبدالحمید رحمانی
177		عبدالستار خان نیازی

204	عبدالعلیم صدیقی
206	غلام دستگیر قصوری
211	غلام فرید چاچڑانی
223	غلام قادر امرتسری ملتان
224	غلام محمد گھوٹوی
278	غلام مرتضیٰ میانوی
251	غلام حسین علوی
252	فضل احمد لدھیانوی
255	فیض الحسن شاہ آلو مہاروی
264	صاحبزادہ فیض الحسن تنویر۔
267	کرم دین دبیر
275	کرم شاہ الازہری پیر محمد
288	لعل شاہ دوامیالوی
292	محمد احمد قادری ابوالحسنات
303	محمد بوٹا، اشتر انصاری، فیض پوری
305	محمد حسن فیضی
321	محمد حسین کولونٹا رڑوی ابوالقاسم
335	مرتضیٰ احمد خاں میکش
342	مہر دین انصاری
345	مہر علی شاہ گولڑوی پیر
373	نواب دین، رامداسی۔
380	سید شبیر حسین شاہ زاہد
382	ماخذ و مراجع

فرمایا تا جدار ختم نبوت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

■ میں آخر الانبیاء ہوں اور سب کے لئے آخری امت ہو۔
 ■ میں پیدا ہوں سب سے پہلے ہوں اور بعثت میں سب کے
 آخری ہوں۔

(کنز العمال - جلد ۶ ص ۱۱۲ ابن کثیر جلد ۸ ص ۸۹)

■ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ۳۱ وقت آخری نبی لکھا ہوا تھا
 جبکہ آدم علیہ السلام گندھی ہوئی مٹی کی حالت میں تھا
 میں اس شخص کا بھی رسول ہوں جس کو میں زندگی میں پاؤں
 اور اس شخص کا بھی جو میرے بعد پیدا ہوگا۔

(کنز العمال ، خصائص کبریٰ)

■ قریب میری امت میں تیسے حضورؑ جالے پیدا ہونگے جن میں سے
 ہر ایک ہی کے گانے میں نبی ہوں حالانکہ پہلے خاتم النبیین
 ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

(صحیح مسلم)

کلمات تحسین

از مجاہد تحریک ختم نبوت سابق وفاقی وزیر و سنیئر مولانا عبدالستار خان نیازی مدظلہ العالی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق اللہ کے احکام پہنچانے کے لئے اس کے آخری بلا واسطہ نائب خاتم النبیین ﷺ ہیں۔ اسلام ان کے احکام اعمال اور روایات حدیث و سنت سے متعلقہ علوم کے مطابق ان کی فرضیت کا درجہ مقرر کرنے کے بعد حکومت کے ہر شعبے کے لئے قطعیت فرامین کتاب (قرآن) کے بعد دوسرا واجب التعمیل مآخذ اور واسطہ اقتدار ہے۔ جو شخص ختمیت احکام رسالت کے مقام و مرتبہ کو نہیں سمجھتا اس کے ایمان میں خلل ہے، ملت اسلامیہ کا وجود حضور ﷺ کی ختمیت پر خلوص دل کے ساتھ ایمان و اعتقاد کا درجہ رکھتا ہے۔ بقول اقبال۔

پس خدا برما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد
لا نبی بعدی ز احسان خدا است
پردہ ناموس دین مصطفیٰ ﷺ است

بناء بریں تحریک پاکستان میں ہماری قومیت کی بنیاد عشق و اطاعت رسول کی پابندی ہے منکرین ختم نبوت کی گمراہی اور ضلالت اس بات کی متقاضی ہے کہ ہر مسلمان مقام مصطفیٰ کے تحفظ اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دے۔

جن لوگوں نے اس موضوع پر تحریر و تقریر کا جو کام کیا ہے وہ ان کے لئے دنیا میں عزت و عظمت اور وقار کا باعث اور آخرت میں نجات کا ضامن ہوگا۔ حکیم الامت نے اسی جذبے کے پیش نظر ارشاد فرمایا ہے۔

بمصطفیٰ برسوں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نرسیدی تمام یوہی است

اگر توحید تلوار ہے تو اس کی کاٹ رسالت ہے

لا الہ تیغ و دم او عبده

فاش تر خواہی بگو صوا عبده

ہزار ہا لوگوں نے عقیدہ خاتمیت پر بہت کچھ لکھا ہے چونکہ تا قیام قیامت حضور ﷺ تمام اُمم و انبیاء کے شاہد ہیں اس لئے یہ سلسلہ عالیہ ختم نہیں ہو سکتا۔

عزیز می صادق علی زاہد نے ”علماء حق اور ردِ فتنہ مرزائیت“ کے عنوان سے جو تحریر کیا ہے قابل قدر ہے اور وقت کی ضرورت ہے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے بقول اقبال

رونق از ما محفل ایام را

اُورسل را خاتم ما اقوام را

اسے ملت کے لئے باعث رونق بنائے۔ (آمین)

عظمت اللہ علیہ
والتعالیٰ
نہایتی
۱۴۱۵ھ

محاسبہ قادیانیت کا نیا پہلو

تحریر: علامہ سید شبیر احمد ہاشمی

برصغیر کو بہت سے فتنوں نے گھیرا جن کی لمبی اور تکلیف دہ تاریخ ہے۔ سکھا شہابی اور میر جعفر و میر صادق جیسے غداروں کا وجود بھی اس سرزمین کا ایک المیہ ہے۔ اور جلال الدین اکبر کا دین الہی بھی اسی سرزمین کی پیداوار ہے۔ مگر ان تمام فتنوں میں انتہائی مہلک، تباہ کن، شرمناک اور سب سے زیادہ قابلِ لعنت و ملامت فتنہ قادیانیت ہے۔ اس فتنہ نے عقیدہ اور نظریہ کو تاخت و تاراج کیا اور اسلامی وقار و عظمت کا جو پرچم یہاں کے مسلمانوں نے صدیوں سے بلند کر رکھا تھا اسکو نیچا کرنے میں قادیانیت نے اڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اس وقت برصغیر میں اسلام کے دو بڑے دشمن انگریز اور ہندو تھے۔ انگریزوں کے پاس سیاسی اور ہندو کے ہاتھ میں معاشی اقتدار تھا۔ انگریز نے سنی حنفی حکومت ختم کر کے انگریزی استبداد مسلط کیا۔ علمائے حق نے اپنے خون سے حریت کی تاریخ رقم فرمائی۔ تاریخ کی جہیں پر کندہ ہے کہ قائد تحریک آزادی حضرت علامہ امام فضل حق خیر آبادی کالاشہ جیل سے باہر آیا۔ عاشق رسول مولانا کفایت علی کافی کا یہ نعرہ پھانسی کے تختے پر بھی گونجے کہ

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا

پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا

الغرض مسلمانانِ برصغیر اور علمائے ربانی حنفی سنی علماء مجتہدین اور مفتیان اسلام نے اپنی قوت ایمانی سے انگریز کی استعماری قوت اور ہندو کے معاشی دجل کا فیصلہ کن مقابلہ کیا۔ اور جفا و جور کی آندھیوں میں چراغِ عشق رسول کو فروزاں رکھا۔ مصائب و آلام کے پنجے مروڑے اور ہر حال میں پرچمِ محبت رسول ﷺ کو بالا رکھا۔ مگر ۱۸۴۰ء کو ہندوستان کی بد قسمتی کا سال کہنا چاہئے کہ اسمیں پنجاب کے ضلع گورداسپور کے گاؤں قادیان میں مغل برلاس قوم کے ایک شخص مرزا غلام مرتضیٰ کے گھر ایک شقی ازلی بچہ پیدا ہوا جس کا نام غلام احمد رکھا گیا۔ اس شخص نے اپنے شعوری دور میں پہنچتے ہی شمع اسلام کو بجھانے کے لئے فرعون، نمرود اور ابوجہل سے کئی ہزار گنا زیادہ ناپاک سازش کی۔ اسے انگریزی استعمار نے اپنے پودے کے طور پر کاشت کیا۔ ہندو اور انگریز نے اپنے سرمائے کے پانی سے اسکی مسلسل آبیاری کی۔ اس بد بخت نے ختمی مرتبت، مالک کونین، سیددارین، آقائے ثقلین، سرکار دو جہاں ﷺ فداہ ابی و امی کے قصر

ختم نبوت میں نقب لگانے کی ناپاک سازش کی۔ اصل میں اسکا یہ عمل مسلمانوں کا تشخص مٹانے اور اسلامی امتیاز کو ریزہ ریزہ کرنے کے لئے تھا۔

اس بنا پر آنجہانی ملعون قادیانی نے دعوے مسیحیت اور بعد ازاں دعوے نبوت سے اسی ایجنڈے پر کام کرنے کا اعلان کیا۔ چنانچہ اس نے بر ملا کہا کہ قادیان (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) مکہ اور مدینہ سے افضل ہے۔ اور میں (معاذ اللہ) حضور پر نور ﷺ کا بروزِ کامل ہوں۔ اس نے تنبیخ جہاد کا فتویٰ بھی دیا اور دو قومی نظریہ کی بجائے متحدہ قومیت کا ڈھونگ رچایا۔ قادیانی کی اس غدارانہ سوچ نے ابو جہل، ابولہب اور دیگر دشمنانِ اسلام کی روحوں کو بھی شرمادیا۔ 1840ء میں یہ رسوائے زمانہ شخص پیدا ہوا اور 26 مئی 1908ء کو فی النار ہوا۔ اس عرصہ کو ہندوستان کی بہت بڑی بد قسمتی ہی کہا جائے گا۔ لیکن اس پر یہ بھی رب ذالجلال کی قدرت کا انوکھا اظہار ہے کہ سرمائے سے لیس قلم و قرطاس سے آراستہ پروپیگنڈہ کی تمام راہوں سے آشنا ہندو اور انگریز کی تمام تر قوتوں سے پروان چڑھنے والے فتنے کا بندگانِ مصطفیٰ ﷺ درویشانِ خدا مست و درہم و دینار کے سرمائے سے تہی دست مگر قوتِ ایمانی کے کوہِ ہائے البرز، عظیم و استقلال، ہمت و جرأت، حق گوئی اور بے باکی اور استقامت و استدلال سے آراستہ وارثانِ عشقِ رسولِ فدایانِ جمالِ حسنِ ازلی علمائے حق اہل سنت نے اس کا قلندرانہ جرأتوں متانہ ولولوں اور تاریخ ساز جذبوں سے بھرپور مقابلہ کیا۔ جہاں وہ انگریز کا منہ زور فتنہ تھا وہاں حضور سرکارِ مدینہ کے مستانوں کا منہ توڑ مکالمہ مسلسل اس کے جبروں پر برستا رہا۔ زیر نظر کتاب اور ”علمائے حق اور ردِ فتنہ مرزاہیت“ اسی زہرہ گداز جاں سوز اور تاریخ ساز داستانِ استقامت کا ایمان افروز تذکرہ ہے۔ جس شدت سے قادیانی فتنہ اٹھا اسی شدت سے علمائے اہل سنت نے اس کا مقابلہ کیا زیر نظر کتاب کے مصنف جناب صادق علی زاہد صاحب میرے نزدیک سنی تاریخ کا عظیم ولولہ ہیں کہ انہوں نے تاریخ کی کرچیاں سنیوں کی غفلتوں کے صحراؤں سے جمع کر کے قابلِ فخر محنت کی ہے عزیز محترم صادق علی زاہد سلمہ اللہ کو سلام عقیدت پیش کرتا ہوں کہ جو کام مجھ جیسے نام نہاد ریکس التحریر کو کرنا چاہئے تھا وہ ایک دھان پان گوشہ نشین شہرت، صحافت اور نام و نمود سے دور ایک ایسے نوجوان نے کیا جسے نہ تو دعویٰ فتویٰ و تقویٰ ہے نہ ہی پندارِ قلم و قرطاس ہے بلکہ وہ ضلع شیخوپورہ کے ایک دور دراز گاؤں میں رہ کر اس ذوق کی خوشبو سینہ قرطاس پر پھیلا رہا ہے۔ اس کتاب میں تقریباً ۴۰ ایسے علمائے ربانی کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی تحریر و تقریر اور جہد و عمل سے عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت فرمائی اور اپنی فکر علمی اور سماجی و سیاسی صلاحیتوں کو بے دریغ صرف کرتے ہوئے قادیانی دجل و فریب کے ہر گوشے کو نمایاں کیا۔ ان پاکانِ امت میں مبلغِ اعظم

حضرت مولنا عبدالعلیم صدیقی غازی کشمیری علامہ سید ابوالحسنات قادری تاجدار قلم و قرطاس حضرت مولنا کرم الدین دبیر جہلمی مبلغ ختم نبوت حضرت مولنا نواب الدین رمداسی، شکوہی فاتح ریفرنڈم سرحد مولنا عبدالحامد بدایونی، واقف اسرار قادیانیت حضرت مولنا ظہور احمد بگوی قائد اہلسنت علامہ امام شاہ احمد نورانی صدیقی، مجاہد ملت مولنا عبدالستار خان نیازی، مفسر قرآن ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری جیسے اکابرین علم و دانش کی استیصال قادیانیت کے بارے میں زریں خدمات کو بڑی جدوجہد اور کاوش سے جمع کرنے کا شرف ایک زاہد ہی کو ہو سکتا ہے اور وہ جناب صادق علی زاہد نے کر لیا ہے۔

میں نے کتاب کے کمپوز شدہ مسودہ کو مختلف مقامات سے کھنگالا ہے۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ سنی ادب میں یہ کتاب باقاعدہ کتاب کی صورت میں بارش کا پہلا قطرہ ہے۔ خدا کرے اس کتاب کی اتباع میں محققین اہلسنت باقاعدہ کام کریں تو ہماری تاریخ کی گمشدہ جھلکیاں اکٹھی کی جاسکتی ہیں۔ عزیز موصوف نے جن علمائے اہلسنت کو دورِ حاضر میں بریلوی کہا جاتا ہے انکی پاکیزہ سوانحات میں سے ردِ قادیانیت سے متعلق انمول برنے جمع کئے ہیں۔ میں ان کی محنت پر اکثر حیران ہوا ہوں مثلاً اہلسنت کے بزرگ عالم دین مناظر اور صاحب قلم حضرت مولنا کرم الدین دبیر جن کے صاحبزادے مشہور دیوبندی قائد قاضی مظہر حسین چکوالی ہیں کی خدمات کو بڑی عرق ریزی سے جمع کیا گیا ہے۔ مولنا کرم الدین کے بیٹے نے تاریخ اور حقائق کو بیچ چوراہے کے بڑی سنگ دلی سے ذبح کیا ہے انکی قادیانیوں کے بارے میں مثبت خدمات کو تو سلیقے سے جمع نہیں البتہ مرحوم کے اعتقادی انحراف کے لئے کارخانہ کذب و زور چکوال کے ہجرے میں قائم کر دیا ہے اور انکو معاذ اللہ دیوبندی ثابت کرنے کے لئے کذب و افتراء کا طومار باندھا ہے۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ صادق علی زاہد صاحب نے انکو ڈھونڈ نکالا ہے اور سینہ قرطاس پر پھیلا دیا ہے۔ حضرت مولنا عبدالحامد بدایونی بھی انہی بزرگوں میں سے ہیں جو قادیانیت کے بارے میں گہری اور حقیقی معلومات رکھتے تھے۔ انہوں نے علمائے بدایوں، علمائے بریلی، کچھوچھا، علمائے مارہرہ، علمائے رامپور کو ساتھ لے کر قادیانی تابوت میں تحقیق کی میخ گاڑ دی انکے اس سمندر سے کچھ موتی میرے اس باہمت عزیز نے جمع کئے ہیں اور اس کتاب کا سرمایہ بنا دیا ہے۔ قادیانی فتنہ کے تعاقب میں جن بزرگوں نے مجھ پر بہت گہرے اثرات مرتب کئے ہیں ان میں غوث الاسلام و المسلمین حضرت علامہ بحر العلوم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اور مجاہد امت محمدیہ شارح عقیدہ اسلاف، ناشر سنیات، حضرت مولنا نواب الدین شکوہی ہیں موخر الذکر بزرگ چشتی نظامی سلسلہ کے عظیم المرتبت بزرگ حضرت شاہ سراج الحق کرنا لوی کے خلیفہ مجاز تھے۔ یوں حضرت محدث اعظم پاکستان حضرت مولنا سردار احمد قادری رضوی

کے پیر بھائی تھے مولانا نواب الدین سٹکوی کو یہ شرف حاصل ہے کہ جس دن مرزا قادیانی نے دعویٰ نبوت کی ہفوات بکیں اس سے تیسرے دن بعد اس کی مسجد میں جسے مرزا قادیانی نے مسجد اقصیٰ کا نام دے رکھا تھا اس سے مناظرہ کیا۔ قادیان میں تین طبقے آباد تھے۔ مسلمان، قادیانی اور ہندو سکھ۔ مسلمان جتنے بھی تھے انکی اکثریت مولانا سٹکوی ہی کی مرید تھی۔ اس طرح مولانا نواب الدین سٹکوی نے عقیدہ ختم نبوت کے اولین محافظ کا مقام حاصل کیا مجھے حیرت انگیز خوشی ہوئی ہے کہ محترم صادق علی زاہد نے انکے بارے میں بکھری معلومات کو یکجا کیا ہے۔ صادق علی زاہد صاحب نے قائد اہل سنت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے بارے میں پر مغز اور معلوماتی تعارف قلمبند کیا ہے مثلاً ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد جب مولانا شاہ احمد نورانی نے مجیب الرحمن اور یحییٰ خان سے مذاکرات کئے تو ان میں پہلا بنیادی نکتہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا تھا۔ حالانکہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مشرقی پاکستان کے لئے شیخ مجیب الرحمن کو دو تہائی اکثریت ملی تھی۔ اس سے آئندہ ممکنہ حکومت بنانے کے لئے مفتی محمود اور جناب پروفیسر غفور نے بھی مذاکرات کئے تھے لیکن قادیانی مسئلہ اٹھانے کا شرف صرف امام شاہ احمد نورانی کو حاصل ہوا۔ محترم مصنف نے جسٹس منیر کی ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت سے متعلق تحقیقاتی رپورٹ کو بھی اپنے مآخذ میں شامل کیا ہے خواجہ ناظم الدین سے دینی جماعتوں کی آل پارٹیز میٹنگ میں مولانا شاہ احمد نورانی کا ذکر واضح الفاظ میں موجود ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس وقت مشرقی پاکستان الگ ہو گیا تو اس کی تحقیقات کے لئے جسٹس جمود الرحمن کی سربراہی میں ایک مشن مقرر ہوا تھا۔ اس میں مولانا شاہ احمد نورانی نے بھی بیان دیا تھا اس وقت تک انجانی مصلحتوں کے تحت جمود الرحمن کمیشن رپورٹ کو شائع نہیں کیا گیا جس دن یہ رپورٹ شائع ہوگی امام نورانی کے وہ نورانی حقائق منظر عام پر آئیں گے جس میں آپ کے کمیشن کو مطمئن کیا ہے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے ذمہ دار صرف قادیانی ہیں۔ کیونکہ قادیانی یہودی اور ہندو سے بھی بدتر اسلام دشمنی کا کردار ادا کرتے ہیں چونکہ ایم ایم احمد اور دیگر قادیانی بجٹ سازی اور منصوبہ بندی کے اہم عہدوں پر فائز تھے۔ انہوں نے مشرقی پاکستان میں معاشی افراتفری پیدا کر کے قائد اعظم کے پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرادیا۔ غرضیکہ مولانا نورانی سمیت تمام علمائے اہلسنت کی قادیانیت سے متعلق آئینی سیاسی و علمی خدمات کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب قادیانیوں کے خلاف اہلسنت کی نورانی تاریخ کا انمول ہیرا ہے آئیے مل کر نعرہ لگائیں ختم نبوت زندہ باد۔ صادق علی زاہد زندہ باد۔

طوفانی پہاڑی دریا

جب میں اس کے آہنی اور مستحکم ارادوں کو دیکھتا ہوں.....

جب میں اس کے طوفانی جذبوں اور آتش فشاں ولولوں کو ملاحظہ کرتا ہوں.....

جب میں اس کے ستاروں پہ کندیں ڈالتے عزم پر غور کرتا ہوں.....

تو مجھے وہ طوفانی جفاکش اور جنونی پہاڑی دریا یاد آ جاتا ہے۔

وہ دریا جب اپنے آغاز سے روانہ ہوتا ہے تو وہ دشوار گزار رستوں سے لڑتا جھگڑتا..... پتھروں سے سرپنچتا..... چٹانوں سے سر ٹکراتا..... جھاگ اڑاتا اور لہریں اچھالتا اپنی منزل کی جانب بھاگا چلا جاتا ہے۔ اس کا بھاؤ اتنا خوف ناک اور اس کی آواز اتنی ہولناک ہوتی ہے کہ کوئی اس کے دامن میں ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کرتا..... جہاں اس کا راستہ تنگ ہوتا ہے وہاں وہ اپنی طوفانی رفتار کو مزید تیز کر دیتا ہے..... جہاں اس کے راستے میں جتنا بڑا پتھر آتا ہے وہ اسے اتنی ہی قوت سے پھلانگتا ہوا عبور کر جاتا ہے.....!!!

اس کی منزل میدانی علاقہ ہوتی ہے..... وہ پھرے ہوئے چھتے کی طرح اس شان سے سفر طے کرتے ہوئے اپنی منزل تک پہنچتا ہے کہ منزل بھی مرحبا مرحبا پکارا اٹھتی ہے۔ میدانی علاقوں میں پہنچ کر وہ فاتح دریا سکون سے بہنا شروع کر دیتا ہے..... پھر اس سے نہریں نکالی جاتی ہیں جن سے کھیت سیراب ہوتے ہیں..... باغات کو سامان زندگانی ملتا ہے..... گلستان مہکتے ہیں..... کلیاں مسکراتی ہیں..... غنچے چٹکتے ہیں..... پھول کھلتے ہیں..... فصلیں لہلہاتی ہیں..... پھلوں سے لدی ڈالیاں جھولتی ہیں..... اس دریا پر ڈیم بنائے جاتے ہیں..... بجلی گھر تعمیر ہوتے ہیں..... بجلی سے کارخانے چلتے ہیں سڑکیں روشن ہوتی ہیں گلیاں منور ہوتی ہیں گھر جگمگا اٹھتے ہیں.....!!!

ایک بہادر جفاکش پر عزم دریا کیا کیا انقلاب برپا کر دیتا ہے کہ حیات انسانی میں ایک بہار آجاتی ہے

صادق علی زاہد ایک پر عزم طوفانی اور جنونی دریا ہے جس نے اپنے عشق کے سفر کا آغاز ضلع شیخوپورہ تحصیل ننکانہ کے ایک دور افتادہ اور پسماندہ گاؤں ”مصری والا“ سے کیا اس کے راستے میں غربت کے کانٹے تھے..... اس کے پاؤں میں غم روزگار کی زنجیر تھی..... شیطان کے دوسوں کی جھاڑیاں

تھیں..... اپنوں کے عدم تعاون کے پہاڑ تھے..... قادیانی دھمکیوں کی چٹانیں تھیں..... اسے لمبی مسافتیں طے کرنا تھیں..... اسے کتب خانوں کی تلاش تھی..... اسے لائبریریوں تک پہنچانا تھا..... اسے علماء سے ملنا تھا..... اسے مجاہدین ختم نبوت سے ملاقاتیں کرنا تھیں..... اس کے پاس وسائل نہیں تھے لیکن اس کے پاس قوت عشق تھی..... وہ قوت عشق سے اس دھج سے جھوم کر اپنی منزل کی جانب لپکا کہ ہر رکاوٹ کو بہاتا، لڑھکتا، بچھاتا اپنے ساتھ لے گیا منزل پر پہنچ کر عشق کا پرچم گاڑ کر یہ اعلان کر دیا

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

صادق علی زاہد نے منزل پر پہنچ کر ملت اسلامیہ کی خدمت میں ”علمائے حق اور ردِ فتنہ مرزائیت“ ایسی عظیم الشان اور تاریخ ساز کتاب کا تحفہ پیش کیا جو چار سو صفحات پر مشتمل ہے یہ کتاب عشق رسول اور عشق ختم نبوت کا ایک متلاطم دریا ہے..... جس سے ہزاروں نہریں نکلیں گی پھر کتنے دلوں کی وادیاں سیراب ہوں گی..... کتنے قلوب کی زمینیں شاداب ہوں گی..... محبت رسول کے کتنے باغ مہکیں گے..... عشق رسول کی کلیاں مسکرائیں گی..... غیرت رسول کے غنچے چٹکیں گے..... عظمت رسول کے پھول کھلیں گے..... ختم نبوت کی باد نسیم گلوں سے کھیلے گی..... ایمان کی خوشبو پھیلے گی اور عندلیبان چمن تحفظ ناموس رسالت کے گیت گائیں گے..... جب اس طغیانی پہاڑ کے دریا پر ڈیم بنیں گے بجلی گھر تعمیر ہوں گے..... تو ایمان کی بجلی پیدا ہوگی..... جس سے شہر قصبے اور گاؤں روشن ہوں گے..... بازار منور ہوں گے..... کلیاں چمکیں گی..... گھر جگمگائیں گے..... ہر طرف ختم نبوت کی روشنی سے چمک دمک ہوگی..... جس سے کفر کے اندھیرے سرپٹ بھاگیں گے..... ارتداد کے بھوت نودو گیارہ ہوں گے..... ایمان کے شکاری دم دبا کر فرار ہوں گے..... قادیانی دجل و تلبیس کی بساط لپیٹ دی جائے گی..... جھوٹی نبوت کا کالا منہ اور مکروہ خدو خال دیکھ کر ہر کوئی اس کے منہ پر تھوک دے گا۔ اس کتاب میں صادق علی زاہد قاری کی انگلی تھام کر اس کی ملاقات مجاہدین ختم نبوت، شہیدان ختم نبوت اور علمائے تحفظ ختم نبوت سے کراتا ہے۔ وہ انہیں عشق کی داستانیں سناتا ہے..... وہ انہیں جنوں کی حکایات سناتا ہے..... وہ انہیں گلیوں اور بازاروں میں مجاہدین ختم نبوت کے جلوس دیکھاتا ہے..... خطیبوں کی شعلہ نوائیاں سناتا ہے..... وہ انہیں سڑکیں دکھاتا ہے جو شہیدان ختم نبوت کے خون سے لالہ زار ہیں..... وہ انہیں زندان دیکھاتا ہے جہاں غازیان تحریک ختم نبوت جرم عشق رسول میں مقید ہیں اور سنت یوسفی ادا کر رہے ہیں..... وہ انہیں عدالت کے ایوانوں میں مجاہدین ختم نبوت کا نعرہ حق سناتا ہے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے صادق علی زاہد اس وقت کے علماء کی بہادری، مشائخ کی دلیری، پیران عظام کی جانثاری، ادیبوں کی غیرت، خطیبوں کی حمیت، صحافیوں کا عشق، طلباء کی فنائیت اور عوام الناس کی قربانیاں دکھانے کے بعد آج کے ان طبقات سے پوچھتا ہے کہ تم نے تحفظ ختم نبوت کے لئے کیا کیا؟ تم نے تحفظ ناموس رسالت کے لئے کیا کیا؟ شاہراہ عشق کے مسافروں کے نقوش پاتھمیں صدا دے رہے ہیں کہ چلے آؤ یہی صراط مستقیم ہے..... یہی صراط جنت ہے..... اسی رستے پہ اللہ ملتا ہے..... اسی رستے پہ اللہ کا حبیب ملتا ہے۔ صادق علی زاہد نے بھی یہ عظیم کتاب لکھ کر پوری ملت اسلامیہ پر احسان عظیم کیا ہے آئیے اس عظیم موقع پر میں بھی اسے سلام عقیدت پیش کرتا ہوں آپ بھی کریں میں بھی اسے سلوٹ کرتا ہوں آپ بھی کریں۔

دوستوں میں اپنی چشم تصور سے دیکھ رہا ہوں کہ اس عظیم موقع پر صادق علی زاہد کسی بلند سٹیج پہ کھڑا اپنے دائیں ہاتھ میں یہ کتاب لہراتا ہوا ہم سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہ رہا ہے!

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی

ہم نے تو دل جلا کے سر عام رکھ دیا

آؤ دوستو! یہ روشنی سمیٹ لیں اپنے دامن میں سمیٹ لیں..... اپنے قلوب میں سمیٹ

لیں..... اپنے دماغ میں سمیٹ لیں..... اپنی روح میں سمیٹ لیں..... کیونکہ اسی روشنی سے ہماری قبر

ضوفشاں ہوگی اور یہی روشنی حشر کے میدان میں چراغ راہ ہوگی۔

خاکپائے مجاہدین ختم نبوت

محمد طاہر عبدالرزاق لاہور

۲۰ فروری ۲۰۰۱ء

۲ بجے شب

آغازِ سخن

اگست ۱۹۹۶ء میں جب میری پہلی کتاب ”عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت“ طبع ہو کر منظر عام پر آئی تو اس کے موافق و مخالف آراء و تبصرے آنے لگے۔ میرے استادِ محترم جناب پروفیسر قاری محمد نصر اللہ معینی صاحب (اللہ آپ کا سایہ تادیر سلامت رکھے) نے کتاب کا مطالعہ فرمانے کے بعد ایک مجلس میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ ”کتاب ہر لحاظ سے اہم اور قابلِ مطالعہ ہے۔ لیکن ایک بات کی میں نے کمی محسوس کی ہے کہ علمائے اہل سنت کی ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں خدمات کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ سنی اکابرین کے ساتھ زیادتی ہے“ مجھے آپ کی بات بہت مناسب بلکہ انتہائی اہم معلوم ہوئی اور میں نے وہیں بیٹھے آپ سے وعدہ کر لیا کہ علمائے اہل سنت کو نظر انداز کرنے کے کفار کے طور پر انشاء اللہ ایک علیحدہ اور جامع کتاب لکھ دوں گا۔ آپ حسب سابق دعا فرماتے رہا کریں۔ اگلے ہی دن اللہ تعالیٰ نے جناب پروفیسر شبیر حسین شاہ زاہد صاحب سے ملاقات کا سبب پیدا فرما دیا۔ ان سے نئے موضوع پر کتاب لکھنے کے بارے میں مشورہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ اس دور میں انتہائی اہم کام ہے آپ اللہ کا نام لے کر آغاز فرمادیں انشاء اللہ کامیابی نصیب ہوگی۔

ستمبر ۹۶ء میں کام کا آغاز کر دیا۔ جوں جوں میں تحقیق کرتا گیا حیران و ششدر بھی ہوتا گیا اور شرمندگی بھی چھائی رہی ہے۔ حیرانگی اس بات پر کہ علمائے اہل سنت نے قادیانیت کا ہر محاذ پر اس طرح مقابلہ کیا کہ اسے بھاگنے اور منہ چھپانے کی جگہ بھی نہ مل سکی اور شرمندگی کی وجہ اپنے محسن اکابرین کی ذات و خدمات کا عام نہ ہونا تھا۔ اپنی کم مائیگی اور بے ہمتی کے باوجود میں نے حسب توفیق کام جاری رکھا۔ دو سال کی محنت شاقہ کے بعد یہ پہلی جلد تیار کر سکا ہوں اکابرین اہل سنت کے احوال و خدمات اکٹھی کرنے کے سلسلہ میں دیگر مشکلات کے علاوہ کم و بیش دس ہزار کلومیٹر کا فاصلہ مجھے اندرونِ پنجاب ہی طے کرنا پڑا ہے۔ اکثر تو دور دراز کا سفر طے کرنے کے بعد کچھ نہ کچھ معلومات میسر آ گئیں مگر چند دفعہ ایسے واقعات بھی ہوئے کہ میں سینکڑوں میل فاصلہ طے کر کے مطلوبہ منزل پر پہنچا تو جس شخصیت کے

بارے میں معلومات درکار تھیں اس کسے ورثا و جاننے والوں نے تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر ناکام واپس آنا پڑا۔

علماء و مشائخ کا مقدس گروہ نہایت نامساعد اور حوصلہ شکن مراحل میں بھی پرچم اسلام بلند کرنے میں کوشاں رہا ہے۔ یہ علماء و مشائخ ہی کا نورانی گروہ تھا جنہوں نے دین اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا قلع قمع کیا۔ گاندھی کی شاطرانہ چالوں کو ناکام بنایا۔ شدھی کی تحریک کو موت کے گھاٹ اتارا۔ تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ جہاد کشمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نظریہ پاکستان کے لئے پیش پیش رہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تحریک ختم نبوت کے لئے متاعِ زیست کو وقف کر دیا اور حقیقتاً اسلام میں یہی وہ مرکزی مسئلہ ہے جس کے گرد جملہ مسائل (دینی و دنیوی) طواف کرتے نظر آتے ہیں۔

مرزا قادیانی نے مسئلہ ختم نبوت کے تار و پود بکھیرنے کی مکر وہ سازش کی تو علماء اہل سنت نے فوراً آگے بڑھ کر اس کا تعاقب کیا۔ ہر چند فتنہ مرزائیت کے استیصال کے لئے علماء اہلسنت و جماعت کی خدمات جلیلہ کا احاطہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ تاہم اپنی بساط کے مطابق اکابر اہلسنت و جماعت نے ردِ مرزائیت میں جو کردار انجام دیا اس کی ہلکی سی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

کتاب کی جمع تدوین میں میرے سب جاننے والے صاحب علم افراد نے مقدور بھر میری حوصلہ افزائی کی ہے مگر حکیم اہل سنت محمد موسیٰ امرتسری، جناب مفتی محمد شفیع (مکتبہ ہجویریہ لاہور) جناب محمد متین خالد، جناب محمد طاہر رزاق، جناب سید شبیر احمد ہاشمی (چٹوکی) جناب شبیر احمد شرقی پوری، جناب محمد بوٹا اثر انصاری، جناب مولانا محمد خاں صاحب حافظ آبادی، جناب محمد عاشق صاحب شبیر حسین زاہد اور جناب نور الزمان اویسی صاحب نے جو احسانات اس ناچیز پر کئے ہیں وہ تو میں ساری زندگی بھلا نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دلی دعا ہے کہ وہ میرے سب احباب خصوصاً مذکورہ بالا محسنوں کو دین و دنیا میں اپنی رحمت و برکت اور شافعِ محشر کی شفاعت سے لطف اندوز کرے۔

مستقل کتاب کے آغاز سے پہلے میں نے چند صفحات عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اور فتنہ قادیانیت کے تعارف و تعلیمات وغیرہ کے بارے میں تحریر کئے ہیں۔ اکابرین اہل سنت کی خدمات

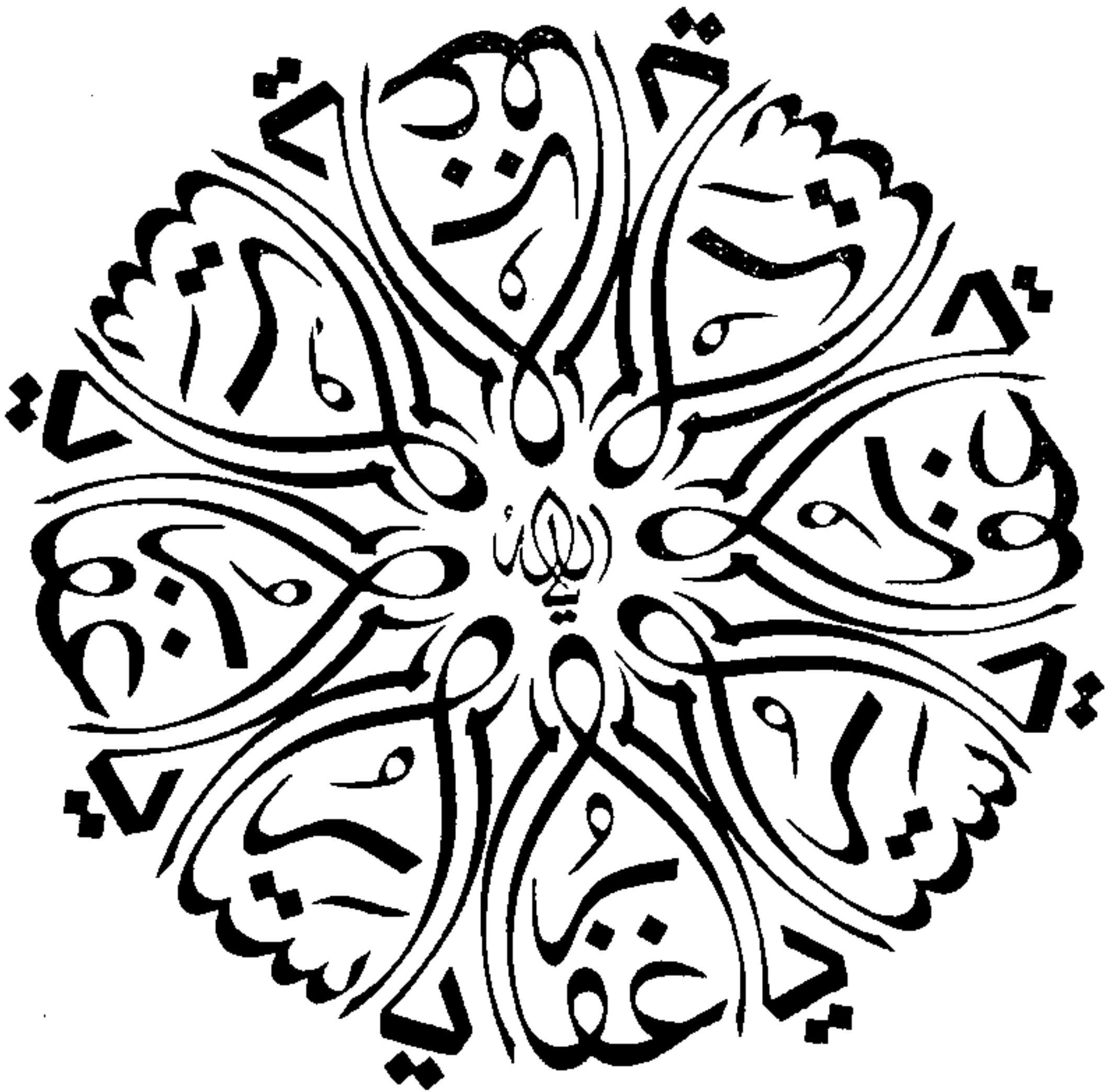
مطالعہ سے پہلے ان صفحات کو ضرور پڑھ لینا چاہیے۔ اس طرح اکابرین اہل سنت کی خدمات جلیکہ کی اہمیت آپ پر بخوبی واضح ہو جائے گی۔

مطالعہ کتاب کے بعد اپنے تاثرات سے ضرور آگاہ فرمائیے گا۔ نیز دیگر اکابرین اہل سنت جن کا تذکرہ ہنوز میں نہیں کر سکا اگر آپ کے علم میں ہوں تو مجھے آگاہ کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہے تاکہ ان کا ذکر خیر بھی آئندہ جلد دوم یا جلد سوم میں کر دیا جائے۔

صادق علی زاہد

مصری والا تحصیل نکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ

Ph:04941-691038



رد قادیانیت کے سلسلہ میں مجاہدین اہلسنت کی خدمات کا اجمالی تعارف

علمائے اہلسنت نے قادیانیت کے آغاز کے ساتھ ہی اس کا بھرپور اور دندان شکن رد فرمایا۔ یہ محض فضل ربانی اور علمائے حق کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے کہ قادیانیت اتنے مالی و سیاسی وسائل ہونے کے باوجود صرف محدود علاقوں میں محصور ہو کر رہ گئی ہے۔ ذیل میں ردیف وار علمائے حق کے نام اور رد قادیانیت کے سلسلہ میں انکی تحریری خدمات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

1۔ ابرہیم چوہدری، مولانا محمد

رد مرزا قادیانی

2۔ احمد رضا خان، مولانا

1۔ القالیقہ المسفرہ عن احکام البدعة والمکفر ۲۰۔ السؤ والعقاب علی التمسیح الکذاب ۳۔ جزا اللہ عدوہ بابا باہ ختم نبوة ۴۔ حسام الحرین علی منحر الکفر المین ۵۔ رسالہ باب العقاب والکلام ۶۔ المسبین ختم النبیین ۷۔ البحرز الدیانی، علی مرتد قادیانی ۸۔ المستند بنا نجا الابد (مولانا فضل رسول بدایونی کی کتاب پر حاشیہ جس میں گمراہ فرقوں کی تردید کی گئی ہے) ۹۔ آپ کے بے شمار نادر و نایاب فتاویٰ جات جو مختلف تصانیف میں موجود ہیں۔

3۔ احمد الدین درگاہی، مولانا

سیف درگاہی برگردن مرزائی

4۔ احمد نورانی، مولانا الشاہ۔

1۔ ختم نبوت (انگریزی) ۲۔ حیات مسیح

5۔ اصغر علی روحی، مولانا۔

اتمام الحجہ عن عرض عن الحجہ (غیر مطبوعہ)

6۔ اقبال، علامہ ڈاکٹر محمد

۱۔ اسلام اور قادیانیت (انگریزی) ۲۔ قادیانیت اسلام کے لیے خطرہ ۳۔ احمدی اسلام اور ہندوستان کے غدار ہیں۔

۷۔ اقبال اظہری، محمد

۱۔ قادیانی مسئلہ ۲۔ مرزا قادیانی کی کہانی ۳۔ قادیانی کذبات

۸۔ اکبر خان، محمد (جسٹس)

فیصلہ مقدمہ مرزا سیہ بہاولپور

۹۔ اکبر ساقی، محمد

ختم نبوت

۱۰۔ اکبر شیخ، محمد (جسٹس)

فیصلہ مقدمہ راولپنڈی

۱۱۔ اللہ دتہ جالندھری، مولانا

الرد الغیبی فی ظہور امام المہدی

۱۲۔ الیاس برنی، پروفیسر مولانا محمد

۱۔ قادیانی قول و فعل ۲۔ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ ۳۔ قادیانی موومنٹ ۴۔ قادیانی حساب ۵۔ قادیانی

چکر چن بس ویش وور ۶۔ مقدمہ قادیانی مذہب ۷۔ تتمہ قادیانی مذہب

۱۳۔ امین نقوی سید محمد

لابی بعدی

۱۴۔ انوار اللہ خان، مولانا

۱۔ افادۃ الافہام ۲۔ انوار الحق ۳۔ مفاہیح الاعلام ۴۔ مقاصد الاسلام ۵۔ ہدیہ عثمانیہ و صحیفہ انوار یہ

۱۵۔ ایوب، مولانا محمد

ختم نبوت

۱۶۔ بشیر؛ کوٹلی لوہاراں، محمد

ختم نبوت

17۔ پیر بخش، مولانا بابو

- ۱۔ تردید قبریح در کشمیر ۲۔ لامہدی الایسی ۳۔ اسلام کی فتح اور مرزائیت کی تازہ ترین شکست ۴۔ الاستدلال
الصیح فی حیات المسیح ۵۔ ماہنامہ تائید الاسلام ۶۔ تفریق در میان اولیائے امت و نبوت قادیانی
۸۔ ایک جھوٹی پیش گوئی پر مرزائیوں کا شور و غل ۹۔ تردید نبوت قادیانی فی جواب نبوة فی خیر الامم
۱۰۔ بشارت محمدی فی ابطال رسالت غلام احمدی ۱۱۔ مباحثہ حقانی فی ابطال رسالت قادیانی ۱۲۔ معیار
عقائد قادیانی ۱۳۔ کرشن قادیانی ۱۴۔ حافظ ایمان از فتنہ قادیان ۱۵۔ کھلی چٹھی

18۔ تاجدین، قاری محمد

قادیانی دعوے پر ہمارے استفسارات

19۔ حامد رضا خان، مولانا

الصارم الربانی علی اسراف القادیانی

20۔ حبیب اللہ قادری، مولانا

ہدایت الرشید للغوی المرید

21۔ حسن رضا خان، مولانا

قہر الدیان علی مرتد بقادیان

22۔ حشمت علی لکھنوی، مولانا

الصوارم الہندیہ

23۔ رفاقت حسین، بریلوی، مفتی

قادیانی کذاب

24۔ رفیق گوریجہ، محمد

فیصلہ مقدمہ جیمس آباد

25۔ سردار احمد چشتی قادری مولانا

مرزا مرد ہے یا عورت

26 شبیر حسین زاہد، پروفیسر سید

۱۔ عقیدہ ختم نبوت اور حضرت مجدد الف ثانی ۲۔ عقیدہ ختم نبوت اور ہمارا نعتہ ادب (غیر مطبوعہ)

27۔ شجاعت علی قادری، مفتی

ماہنامہ ترجمان اہلسنت (ختم نبوت نمبر)

28 شفیع جوش، مولانا محمد

۱۔ قادیانی امت ۲۔ تحریف قرآنی

29۔ شیر محمد اویسی مولانا

ختم نبوت (غیر مطبوعہ)

30۔ شوکت علی دلداری، مفتی محمد

ایک حقیقت جس سے انحراف ناممکن ہے۔

31۔ صاحبزادہ خان مفتی محمد

الصارم الربانی علی کرشن قادیانی

32۔ صادق بہاولپوری، مولانا محمد

۱۔ روئید ادمقدمہ بہاولپور ۲۔ مرزا اور یسوع ۳۔ مرزا اور محمدی بیگم ۴۔ مرزا اور مہدی ۵۔ فرنگی نبی کے

چھینٹے ۶۔ تحریف قرآنی بزبان قادیانی

33۔ صادق علی زاہد

عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت ۲۔ علماء حق اور رد فتنہ مرزائیت ۳۔ اربعین ختم نبوت (غیر مطبوعہ)

۴۔ عقیدہ ختم نبوت اور بزرگان امت (غیر مطبوعہ)

34۔ ضیاء الدین سیالوی، مولانا

معیار المسیح

35۔ ولی اللہ، سید محمد

تکذیب مرزا بزبان مرزا

36۔ ضیاء اللہ قادری، مولنا

۱۔ مرزا قادیانی کی حقیقت ۲۔ وہابیت اور مرزائیت ۳۔ نجد سے قادیان براستہ دیوبند

37۔ طاہر القادری پروفیسر، محمد

۱۔ عقیدہ ختم نبوت اور مرزا قادیانی ۲۔ مرزا قادیانی اپنی تحریروں کی روشنی میں ۳۔ عقیدہ ختم نبوت

پر مرزا قادیانی کا متضاد موقف ۴۔ مرزا قادیانی کی دماغی کیفیت ۵۔ مرزا طاہر کے نام کھلا خط ۶۔ احکام

اسلام اور تحفظ ختم نبوت

38۔ ظہور احمد بگوی، مولنا

برق آ۔ انی برخرمن قادیانی ۲۔ فتاویٰ اجتناب الحفیہ

39۔ ظہور شاہ جلاپوری، مولنا پیر

۱۔ ظہور صداقت دررد میرزائیت ۲۔ قہر یزدانی برسر دجال قادیانی

40۔ عبد الحفیظ حقانی، مولنا مفتی

۱۔ السیوف الکلامیہ لقطع دعاوی الغلامیہ ۲۔ میرزائیت پر تبصرہ

41۔ عبد الحمید رحمانی

۱۔ ضیاء الحق کو قتل کس نے کیا ۲۔ قادیانیت کیا ہے ۳۔ قادیانی جماعت کے بھگوڑے سربراہ مرزا طاہر

کے مقابلہ کا چیلنج قبول ہے۔

42۔ عبدالستار نیازی، مولنا

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء ختم نبوت (ایک مطبوعہ تقریر)

43۔ عبد الحکیم اختر شاہ جہانپوری

مشعل راہ (رد قادیانیت کے سلسلہ میں اہم باب موجود)

44۔ عبد العظیم صدیقی، مولنا

۱۔ مرزائی حقیقت کا اظہار ۲۔ مرآة ۳۔ The Mirrior (انگریزی)

45۔ عبدالغنی ناظم مولانا

الحق المبین

46۔ عبدالقدیر بدایونی

مرزائیوں کے عقائد

47۔ عزیز احمد بدایونی، مفتی

اکرام الہی بجواب انعام الہی

48۔ عمر اچھروی، مولانا محمد

مقیاس النبوة

49۔ عالم آسی حکیم، مولانا محمد

۱۔ الکاویہ علی الغاویہ (۲ جلد) ۲۔ البججات علی الاسلام عن ذب حریم الاسلام ۳۔ الکاویہ علی الغاویہ

(عربی) ۴۔ استنکاف المسلمین ۵۔ اضافہ الکاویہ (جلد اول دوم) غیر مطبوعہ

50۔ غلام جان ہزاروی، مولانا

سیف الرحمانی علی راس القادیانی (غیر مطبوعہ)

51۔ غلام جہانیاں، مولانا

ارشاد فرید الزمان متعلقہ مرزا قادیان

52۔ غلام دستگیر قصوری، مولانا

تحقیقات دستگیر یہ فی رد ہفوات براہیدیہ ۲۔ فتح الرحمانی یہ دفع کید قادیانی ۳۔ رجم الشیاطین براغلوطات

البراہین

53۔ غلام فرید چاچڑوی، مولانا

اشارات فریدی

54۔ غلام مرتضیٰ میانوی، مولانا

الظفر الرحمانی فی کشف القادیانی

87053



55۔ غلام مہر علی خان، مولنا

خاتم النبیین

56۔ فرید الحق شاہ، پروفیسر

قادیانیت پر آخری ضرب کاری

57۔ فضل احمد لدھیانوی، مولنا قاضی

۱۔ اتفاق و نفاق بین المسلمین کا موجب کون ۲۔ تردید فتویٰ ابوالکلام آزاد مولوی محمد مرزائی ۳۔ کلمہ فضل
رحمانی ۴۔ جمعیت خاطر ۵۔ کیا قادیانی مسلمان تھا ۶۔ مخزن رحمت پر قادیانی دعوت ۷۔ نیام
ذولفقار برگردن خاظمی مرزائی فرزند علی

58۔ فیض احمد اویسی بہاولپوری، مولنا

۱۔ القول الفصیح فی قبر المسیح ۲۔ پنجابی دجال ۳۔ قہر سبحانی بردجال قادیانی ۴۔ الامر النجیح فی حیات المسیح (غیر
مطبوعہ) ۵۔ آئینہ میرزائیت (غیر مطبوعہ) ۶۔ لابی بعدی (غیر مطبوعہ)

59۔ قاری احمد چلی بھیتسی، مولنا

قادیانی فتنے کا ارتداد (غیر مطبوعہ)

60۔ کرم الدین دبیر، مولنا

تازیانہ عبرت

61۔ کرم حسین شاہ دوالمیالوی، سید

حنفیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک

62۔ کرم شاہ الازہری، پیر

۱۔ فتنہ انکار ختم نبوت ۲۔ ماہنامہ ضیائے حرم کا ختم نبوت نمبر

63۔ لعل شاہ دوالمیالوی، سید

حقیقت میرزائیت

64۔ محمد احمد قادری، سید ابوالحسنات

۱۔ میرزائیت پر تبصرہ ۲۔ قادیانی مذہب کا فوٹو ۳۔ قادیانی مرزا جی کی کہانی ۴۔ قادیانی کے احکام ۵۔ کرشن

قادیانی کے بیانات ہدیائی

65۔ محمد القادری، سید

جماعت احمدیہ کا صریح مغالطہ

66۔ محمد امین، مولانا مفتی

بایکٹ کی شرعی حیثیت

67۔ محمد حسن فیضی، مولانا

ماہنامہ سراج الاخبار (جہلم) ۲ قصیدہ مہملہ

68۔ محمد متین خالد

۱۔ عقاید یانیت میری نظر میں ۲۔ اعداد پاکستان ۳۔ قادیانیت سے اسلام تک ۴۔ کیا امریکہ جیت گیا

۵۔ مرزا قادیانی اپنے شرمناک کردار کے آئینے میں ۶۔ ثبوت حاضر ہیں۔

69۔ محمد مہر الدین جماعتی

حیات عیسیٰ

70۔ محمد نسیم چوہدری (سولنج)

فیصلہ مقدمہ رحیم یار خان

71۔ محمود احمد رضوی، سید

۱۔ فتنہ قادیان ۲۔ ختم نبوت ۳۔ ہفت روزہ رضوان کا ختم نبوت نمبر

72۔ مرتضیٰ احمد خان میکش، مولانا

۱۔ مرزائی عقائد ۲۔ قادیانی سیاست ۳۔ پاکستان میں مرزائیت ۴۔ محاسبہ

73۔ مشتاق احمد چشتی، مولانا

کذاب قادیان

74۔ مصباح الدین

خاتم النبیین

75۔ مظہر الدین رمداسی، حافظ مولانا

ختم المرسلین

76۔ منظور احمد ہاشمی، مولانا

فتویٰ جواز سوشل بائیکاٹ

77۔ مہر علی شاہ گولڑوی، پیرسید

۱۔ سیف چشتیائی ۲۔ شمس الہدایۃ

78۔ نظام الدین ملتانی، مولانا

قہر یزدانی بر قلعہ قادیانی

79۔ نواب الدین گولڑوی، مولانا

۱۔ توہین رسالت کی سزا ۲۱۔ آفتاب گولڑہ اور فتنہ قادیانیت

80۔ نور الحسن سیالکوٹی، مولانا

عقب آسمانی بر مرزائے قادیانی

8۱۔ ہمایوں عباس شمس

قادیانیوں کے باطل نظریات

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ

(۱۸۵۶-۱۹۲۱ء)

عبدالمصطفیٰ مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کا تعارف خالد شبیر احمد (مؤلف تاریخ محاسبہ قادیاہیت) نے ان الفاظ میں کرایا ہے۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی ہندوستان کے علماء میں ایک ممتاز و منفرد حیثیت رکھتے ہیں آپ نہا پٹھان مسلک حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ اپنی علمی تصانیف اور نعت گوئی کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمانوں میں بالعموم اور بریلوی مکتبہ فکر میں خصوصاً انتہائی مقبول و معروف ہیں۔ آپ کا خاندان ایک علمی خاندان ہے جس میں آپ کے والد محترم تقی علی خان اور جد امجد رضا علی خان بڑے عالم اور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ آپ کی ولادت ۱۰ اشوال المکرم ۱۲۷۲ھ بمطابق جون ۱۸۵۶ کو بریلی (اتر پردیش بھارت) میں ہوئی۔ جد امجد نے آپ کا نام احمد رضا رکھا۔ مولوی احمد رضا عبدالمصطفیٰ کا اضافہ مولانا صاحب نے خود کیا۔ بڑے اچھے شاعر تھے۔ رضا تخلص کرتے تھے۔ معتقدین آپ کو اعلیٰ حضرت اور فاضل بریلوی کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔

جہاں تک مولانا صاحب کی تعلیمی حیثیت کا تعلق ہے آپ کا شمار ہندوستان کے بڑے اجل اور مستند علماء میں ہوتا ہے۔ آپ نے علوم و فنون معاصرین علماء سے حاصل کئے لیکن بعض علوم میں آپ نے ذاتی مطالعہ اور غور و فکر سے بھی کمال حاصل کیا۔ اکثر علوم جن میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، جدل، ہندسہ، معانی، بیان وغیرہ شامل ہیں اپنے والد محترم تقی علی خان سے حاصل کیے۔ آپ کے اساتذہ میں بعض دوسرے علماء فقہاء کے نام نامی بھی آتے ہیں مثلاً شاہ آل رسول، شیخ احمد بن زینی، مکی، شیخ عبدالرحمن مکی، شیخ حسین بن صالح مکی اور شیخ احمد الحسین نورمی۔ علوم جبر و مقابلہ، ریاضی، مناظر، مثلث کروی، مثلث مسطح، ہیاء العدیدہ، مربعات، جغرو غیرہ ذاتی مطالعہ سے حاصل کیے۔

علوم و فنون سے فراغت کے بعد آپ نے ساری عمر تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں

بسرکردی۔ مولانا صاحب نے تقریباً پچاس علوم و فنون میں کتب و رسائل تحریر کئے ہیں جو ان کی علمی استعداد کی منہ بولتی تصویر ہے۔ درس و تدریس کے میدان میں بھی بے شمار تلامذہ ان سے مستفید ہوئے جن میں بعض بڑے تبحر عالم تھے مثلاً مولانا حامد رضا خان، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا سید احمد اشرف گیلانی، مبلغ اسلام مولوی عبدالعلیم میرٹھی، مولوی برہان الحق جبل پوری، مولوی حسنین رضا اللہ خان، مفتی ابو یوسف محمد شریف سیالکوٹی، شیخ محمد سعید شافعی مکہ مکرمہ، مولوی امجد علی مؤلف ”بہار شریعت“۔
مولوی امام الدین سیالکوٹی اور سید غلام جان جام جو دھ پوری وغیرہ۔

مولانا احمد رضا خان نے ۱۸۷۷ء بمطابق ۱۲۹۳ھ میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ شاہ آل رسول مارہروی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ قادریہ میں بیعت کی۔ اس بیعت کے بعد آپ نے بہت جلد مختلف سلاسل طریقت میں خلافت و اجازت حاصل کر لی۔ حضرت شاہ آل رسول کے علاوہ آپ کو دوسرے مشائخ سے بھی اجازت حاصل تھی۔ جن سلسلوں میں آپ کو بیعت کی اجازت تھی ان میں قادریہ چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ بدیعہ، علویہ کا شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کوچ بیت اللہ کا شرف دوبار حاصل ہوا۔ پہلی مرتبہ اپنے والد ماجد کے ہمراہ ۱۲۹۶ھ بمطابق ۱۸۷۸ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ قیام مکہ معظمہ کے دوران مشہور شافعی عالم شیخ حسین بن صالح جمیل الیل مولانا احمد رضا کی قابلیت سے بے حد متاثر ہوئے اور اپنی تالیف کی عربی شرح لکھنے کی استدعا کی۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے صرف دو دن میں اس کی عربی شرح تحریر فرمادی۔ دوسری مرتبہ آپ ۱۳۲۲ھ بمطابق ۱۹۰۵ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں بھی حرم پاک کے علماء نے آپ کی بڑی قدر تعظیم کی۔ علماء مکہ نے ”کرنسی نوٹ“ کے متعلق ایک استفتاء پیش کیا جو ان کے لئے ایک اہم مسئلہ بنا ہوا تھا۔ مولانا احمد رضا خان نے محض حافظہ کی بنا پر قلم برداشتہ عربی میں اس کا جواب تحریر فرمادیا۔

فن شعر گوئی پر بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ خصوصاً نعت گوئی میں آپ کا شمار صف اول کے نعت گو شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کا اپنا ایک مصرعہ ہے۔ ”قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی“۔ یوں تو آپ نے ہر صنف شاعری میں طبع آزمائی کی لیکن جو رنگ اور جو لطف نعت گوئی میں ہے وہ کسی دوسری صنف میں نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی عام شاعری میں بھی ہر جگہ نعت کی جھلک نظر آتی ہے۔

آپ کا دیوان ”حدائق بخشش“ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صرف اردو میں ہی نہیں بلکہ عربی، فارسی اور ہندی میں بھی شعر کہے ہیں۔ سلام کا مشہور شعر

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزمِ رسالت پہ لاکھوں سلام

جو پورے پاک و ہند میں دور و نزدیک پڑھا جاتا ہے آپ ہی کا شعر ہے۔ افتخارِ عظمیٰ صاحب نے آپ کی نعتیہ شاعری کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ ”ان کا نعتیہ کلام اس پائے کا ہے کہ اسے طبقہ اولیٰ کے نعت گو شعراء میں جگہ دی جانی چاہیے“۔ جو لوگ آپ کے ہم مسلک نہیں وہ بھی آپ کی عظمتِ شاعری کے معترف ہیں۔

ملکی سیاست میں بھی آپ اور آپ کے ہم عقیدہ علمائے کرام کا اچھا خاصہ حصہ ہے۔ ۱۹۲۰ء میں تحریکِ خلافت کے بعد جب تحریکِ ترکِ موالات کا آغاز ہوا۔ تو مولانا احمد رضا خان نے اس کی مخالفت کی۔ کیونکہ آپ کے نزدیک کفار و مشرکین کے ساتھ اختلاط اور ان کے ساتھ سیاسی اتحاد خطرناک نتائج پیدا کر سکتا تھا۔ مولانا صاحب کے معتقدین حضرات نے ”رضائے مصطفیٰ“ کے نام سے ایک الگ تنظیم قائم کی جس کے کچھ عرصہ بعد ”آل انڈیا سنی کانفرنس“ کے نام سے دوسری تنظیم قائم ہوئی جس کا دوسرا نام ”جمہوریہ اسلامیہ مرکزیہ“ بھی تھا۔ جماعتِ رضائے مصطفیٰ نے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف اچھا خاصا کام کیا۔ اس جماعت کے ایک بانی اور مولانا احمد رضا خان صاحب کے خلیفہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے مطالبہ پاکستان کے ساتھ ہی تحریکِ پاکستان کے لئے اپنی جماعت کی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ ۱۹۳۶ء میں ۱۲ اپریل تا ۳۰ اپریل بمقام بنارس آل انڈیا سنی کانفرنس کا اجلاس ہوا جس میں متفقہ طور پر مطالبہ پاکستان کی پر زور حمایت کی۔

یہ بات بھی بہت حد تک درست ہے کہ آج پاک و ہند میں علماء کی ایک جماعت کو مولانا رضا خان بریلوی سے عقیدت کی بناء پر ”بریلوی“ کہا جاتا ہے۔ جنہیں اہل سنت والجماعت میں اپنی اکثریت کی بناء پر بڑی اہمیت حاصل ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں آج بھی کئی ایسی دینی درسگاہیں موجود ہیں جن کا نام یا تو آپ کے نام سے یا پھر آپ کے خلفاء کے ناموں سے منسوب ہے۔ مثلاً جامعہ رضویہ

منظر الاسلام بریلی (بھارت) 'جامعہ رضویہ فیصل آباد (پاکستان) 'جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور' جامعہ نعیمیہ رضویہ مراد آباد (بھارت) 'جامعہ نعیمیہ لاہور (پاکستان) دارالعلوم امجدیہ کراچی۔ اس کے علاوہ انجمن حزب الاحناف لاہور "انجمن نعمانیہ" جیسے قدیم ادارے بھی مولنا احمد رضا خان بریلوی کے خلفاء اور ان کے ہم خیال احباب کے قائم کردہ ہیں۔

مولنا احمد رضا بریلوی نے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ بمطابق ۱۹۲۱ء بوقت نماز جمعہ ۲ بجکر ۳۸ منٹ پروقات پائی۔ آپ کے دو بیٹے مولانا حامد رضا اور مولانا مصطفیٰ رضا ہیں۔ لیکن برصغیر پاک و ہند میں آپ کے خلفاء کی تعداد اچھی خاصی ہے بلکہ پاک و ہند کے علاوہ حرمین شریف میں بھی آپ کے خلفاء موجود ہیں جن کی تعداد ۳۲ تک پہنچتی ہے۔ پاک و ہند میں آپ کے بیسیوں خلفاء ہیں جن میں سے چند مشہور کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ حامد رضا خان
- ۲۔ سید محمد عبدالسلام
- ۳۔ مولانا محمد ظفر الدین بہاری
- ۴۔ محمد امجد علی اعظمی
- ۵۔ سید نعیم الدین مراد آبادی
- ۶۔ سید محمد اشرف گیلانی
- ۷۔ محمد دیدار علی الوری

مولنا احمد رضا خان صاحب کی تصانیف کا سلسلہ کافی وسیع ہے۔ آپ کی تصانیف ایک ہزار سے متجاوز ہیں۔ صرف ۳۱ برس کی عمر تک آپ کی تصانیف پچھتر (۷۵) تک پہنچ چکی تھیں۔ فتویٰ کی کتاب بڑی تقطیع کی بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ فتاویٰ نویسی میں آپ کو خصوصی دسترس اور کمال حاصل تھا۔ علامہ اقبال جیسی شخصیت آپ کی فقیہانہ قابلیت کی معترف ہے۔ بقول ڈاکٹر احمد علی احمد رضا کے بارے میں علامہ اقبال نے ایک مجلس میں کہا کہ "ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرور تھے۔ اور پاک و ہند کے نابغہ روزگار فقیہ تھے۔" (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۸)

رومیرزاہیت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی چودہویں صدی کے ایسے عظیم عالم اور دنیائے

اسلام کے نامور مفتی ہیں جنکی تمام زندگی عقائدِ اسلامیہ کی حفاظت کرتے گزری۔ آپ کا علم اس دور کے تمام اعتقادی فتنوں کا محاسبہ کرتا نظر آتا ہے۔ آپ کو اسلام کی عزت و ناموس دنیا جہاں کی ہر چیز سے عزیز تھی اگرچہ آپ کے بے لاگ فتووں اور ایمانی غیرت میں غرق تحریروں پر بعض افراد کی طرف سے ”شدت“ کا اعتراض کیا جاتا ہے لیکن صاحبِ عقل و انصاف جب معاملہ کی گہرائی تک پہنچتے ہیں تو وہ اعلیٰ حضرت کی فقیہانہ قابلیت کی داد دینے بغیر نہیں رہ سکتے۔ خصوصاً مرزائیت اور مرزائیت کے ہم نواؤں کے لئے آپ بڑے سخت موقف پر قائم رہے اور دونوں (مرزائی اور مرزائی نواز) کے لئے آپ نے یکساں احکام بیان کئے ہیں۔ مرزائیوں کے بارے میں آپ کا سخت موقف آپ کے عشقِ رسالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مرزائی چونکہ گستاخِ رسول ہیں اور گستاخِ رسول کے لئے نرم پہلو رکھنا ایمان کی کمزوری کی علامت ہے اسی وجہ سے جب بھی مرزائیت کا نام آیا تو غرقابِ عشقِ رسول اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا قلم تلوار بن کر لہرایا۔ آپ فرماتے ہیں ”قادیانی مرتد منافق ہیں“ مرتد منافق وہ ہوتا ہے کہ کلمہء اسلام اب بھی پڑھتا ہے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ یا کسی نبی کی توہین کرتا ہے یا ضروریاتِ دین میں سے کسی شے کا منکر ہے، قادیانی کے پیچھے نماز باطل محض ہے، قادیانی کو زکوٰۃ دینا حرام ہے اور اگر ان کو دے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، قادیانی مرتد ہیں انکا ذبیحہ محض نجس و مردار اور حرامِ قطعی ہے۔ مزید یہ کہ مسلمانوں کے بائیکاٹ کے سبب قادیانیوں کو مظلوم سمجھنے والا اور اس سے میل جول چھوڑنے کو ظلم و ناحق سمجھنے والا اسلام سے خارج ہے“ (احکام شریعت صفحہ ۱۲۸ از امام احمد رضا خاں بریلوی)

۱۳۳۶ھ ایک سوال آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح مرزائی سے کر دیا ہے جبکہ اسے علم ہے کہ تمام علمائے اسلام فتویٰ دے چکے ہیں کہ مرزائی کافر و ملحد ہیں۔ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

”اگر ثابت ہو جائے کہ وہ (لڑکی کا باپ) مرزائیوں کو مسلمان جانتا ہے اور یہ تقریب ان کو مسلمان سمجھ کر ادا کی تو خود کافر و مرتد ہے۔ علمائے کرام حرمین شریفین نے مرزا قادیانی کی نسبت با لافاق فرمایا کہ ”مَنْ شَكَّ فِي عَذَابِهِ وَ كَفَرَهُ فَقَدْ كَفَرَ“ جو اس کے کافر ہونے یا اس پر عذاب ہونے

پر شک کرے وہ بھی کافر ہے“ اس صورت میں فرضِ قطعی ہے کہ تمام مسلمان موت و حیات کے سب علاقے اس (لڑکی کا باپ) سے قطع کر دیں، بیمار پڑے پوچھنے کو جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازہ پر جانا حرام، اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا حرام اور اس کی قبر پر جانا حرام“ (فتاویٰ رضویہ جلد ۶- صفحہ ۵۱)

۱۳۳۹ھ میں ڈیرہ غازی خاں سے عبدالغفور صاحب نامی ایک شخص نے ایک سوال کا جواب طلب فرمایا کہ ایک قادیانی کا سوال ہے کہ ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ”ہر صدی کے بعد مجدد ضرور آئے گا“ چنانچہ مرزا قادیانی مجددِ وقت ہے (یہی لاہوری پارٹی کا موقف ہے) اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

”مجدد کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم مسلمان تو ہو۔ مرزا قادیانی کافر و مرتد تھا جیسا کہ تمام علمائے حریم شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ ”من شک فی کفرہ عذابہ فقد کفر جس نے اس (مرزا قادیانی) کے کافر ہونے میں شک کہہ لیا۔ وہ بھی کافر ہے۔ لیڈر بننے والوں کی ایک ناپاک پارٹی قائم ہو گئی ہے جو مشرک گاندھی کو رہبر اور دین کا امام و پیشوا مانتے ہیں، جس طرح گاندھی پیشوا ہو سکتا ہے نہ مجدد اسی طرح مرزا قادیانی بھی مجدد نہیں ہو سکتا۔“ (فتاویٰ رضویہ جلد ۶ صفحہ ۸۱)

۱۳۲۳ھ میں اعلیٰ حضرت بریلوی نے ایک استفتاء مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ کے علمائے اہلسنت کی خدمت میں بھیجا جس میں چند عبارات کے بارے میں سوال تھا کہ یہ کفریہ ہیں یا نہیں اور انکا قائل بحکم شریعت کافر ہے یا نہیں۔ ان میں بھی سرفہرست مرزائیوں کا ذکر تھا۔ اس استفتاء کے جواب میں حریم شریفین کے علماء نے بالاتفاق مرزائیوں اور مرزائی نواز کی تکفیر کی۔ (حسام الحرمین ص ۷ تا ۱۵ از بریلوی)

ان فتاویٰ کے علاوہ اعلیٰ حضرت نے تحفظ عقیدہ ختم نبوة اور رد قادیانیت کے سلسلہ میں مستقل رسائل بھی قلمبند فرمائے ہیں۔ یہاں پر آپ کے ان رسائل کا مختصر تعارف تحریر کیا جاتا ہے۔

(۱) جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم نبوة:

اس تصنیف لطیف کا تعارف حضرت مصنف قدس سرہ نے خود ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

”اللہ اور رسول ﷺ نے نئی نبوت کے مطلقاً نئی فرمائی ہے۔ شریعت جدیدہ وغیرہ کی کوئی قید

نہیں لگائی اور صراحتاً خاتم بسعنی آخر فرمایا ہے۔ متواتر حدیثوں میں اس کا بیان آیا ہے اور صحابہ کرامؓ

اجمعین سے لے کر آج تک تمام امت مرحومہ نے ان معانی پر اجماع فرمایا ہے۔ اسی بنا پر آئمہ مذاہب

نے ہر مدعی نبوت کو کافر کہا۔ کتب احادیث و تفسیر اور عقائد و فقہ ان کے بیانوں سے گونج رہی ہیں۔ فقیر

نے اپنی کتاب ’جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم نبوة‘ کے ۱۳۱ھ (دشمن خدا کے ختم نبوت کا انکار کرنے پر

خدائی جزاء) میں اس مطلب ایمانی پر صحاح و سنن اور مسانید و معاجم و جوامع سے ایک سو بیس حدیثیں اور

تکفیر منکر پر ارشادات آئمہ و علمائے قدیم کتب حدیث و عقائد اور اصول و فقہ سے تیس نصوص ذکر کئے

ہیں۔ واللہ الحمد (فتاویٰ رضویہ جلد ۶ صفحہ ۵۹)

(۲) الْمُبِينُ خَتَمُ النَّبِيِّينَ

۱۳۲۶ھ ی میں بہار شریف سے مولنا ابوطاہر نبی بخش نے ایک سوال بھیجا کہ بعض لوگ

لفظ ”خاتم النبیین“ میں الف لام عہد خارجی قرار دیتے ہیں (یعنی حضور نبی اکرم ﷺ بعض انبیاء کے خاتم

ہیں) اور بعض لوگ اسے استغراقی قرار دیتے ہیں (اب مطلب ہوگا کہ آپ ﷺ خاتم انبیاء کے خاتم

ہیں) ان دونوں اقوال میں سے صحیح قول کس کا ہے؟

اعلیٰ حضرت بریلوی نے اس سوال کے جواب میں ایک مختصر رسالہ تحریر فرمادیا جس میں آپ

ارشاد فرماتے ہیں ”جو شخص لفظ خاتم النبیین میں ”النبیین“ کو اپنے عموم و استغراق پر نہ مانے بلکہ

اسے کسی تخصیص کی طرف پھیرے اس کی بات مجنون کی بگ یا سرسامی کی بہک ہے۔ اسے کافر کہنے سے

کچھ ممانعت نہیں کہ اس نے نص قرآنی کو جھٹلایا ہے جس کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ

کوئی تاویل ہے نہ تخصیص“ (المبین ختم النبیین صفحہ ۷ از مولنا بریلوی)

پھر خاتم النبیین میں تاویل کی راہ کھولنے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد

فرماتے ہیں

”آج کل قادیانی (مرزائی قادیانی) بگ رہا ہے کہ ”خاتم النبیین سے ختم شریعت جدیدہ مراد ہے۔ حضورؐ کے بعد اگر کوئی شخص (نبی) اسی شریعت مطہرہ کا مروج اور تابع ہو کر آئے کچھ حرج نہیں۔ اس طرح وہ خبیث اپنی نبوت جمانا چاہتا ہے“ (المہین ختم النبیین صفحہ ۹ از مولانا بریلوی)

(۳) اَلْسُوءُ وَالْعِقَابُ عَلٰی الْمَسِيحِ الْكَذٰبِ:-

۱۳۲۰ھ میں امرتسر سے مولانا عبدالغنی نے ایک سوال بھیجا کہ ایک مسلمان مرد و عورت کی شادی ہوئی عرصہ تک باہمی معاشرت رہی ازاں بعد خاندان مرزائی ہو گیا، کیا اس طرح نکاح باطل ہو گیا یا نہیں؟ ساتھ ہی مولانا عبدالغنی صاحب نے امرتسر کے متعدد علماء کرام کے فتاویٰ و جوابات منسلک کئے تھے۔ اس کے جواب میں امام احمد رضا خاں بریلوی نے ایک رسالہ ”السوء العقاب علی المسیح الکذاب“ (جھوٹے مسیح پر عذاب و عقاب) تحریر فرمایا جس میں دس وجہ سے مرزا قادیانی کا کفر بیان کرنے کے بعد فتاویٰ ظہریہ، طریقتہ محمدیہ، حدیقہ ندیہ اور فتاویٰ ہندی (عالمگیری) کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں۔

”یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہیں اور ان کے احکام بعینہ مرتدین کے احکام ہیں پھر سوال مؤلہ کا جواب ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”شوہر کے کفر کرتے ہی عورت نکاح سے فوراً نکل جاتی ہے۔ اب اگر بغیر اسلام لائے یا اپنے اس قول و مذہب سے توبہ کئے بغیر یا بعد توبہ و اسلام نکاح جدید کئے بغیر اپنی بیوی سے قربت کرے تو زنائے محض کا مرتکب ہو اور جو اولاد پیدا ہوگی یقیناً ولد الزنا ہوگی۔ یہ تمام احکام ظاہر اور تمام کتب میں دائر و سائر ہیں“ (السوء والعقاب صفحہ ۲۴۔ از مولانا بریلوی)

۴۔ قہر الدیان علی مرتد بقادیان:-

اعلیٰ حضرت کے علاقہ کے چند بے عقل و جاہل افراد مرزا قادیانی کے مرید ہو کر آئے۔ جب مسلمانوں کو علم ہوا تو انہوں نے ان قادیانی ہونے والے افراد کا سخت سماجی و معاشرتی بائیکاٹ کر دیا جس سے ان کے ناک میں دم آ گیا جب اور کوئی بس نہ چلا تو حکومت کو درخواستیں دینا شروع کر دیں کہ مقامی

لوگوں نے ہمارا جینا دو بھر کر دیا ہے ہمارا پانی بند ہے ہمارے ساتھ کوئی تعاون نہیں کرتا۔ حکومت کی طرف سے جواب ملا کہ مذہبی امور میں دست اندازی نہ ہوگی۔ پھر مرزائیوں نے حیلہ جوئی کرتے ہوئے مسلمانوں کو دعوتِ مناظرہ دے ڈالی جس کے جواب میں اعلیٰ حضرتؒ نے ”قہر الدیان علی مرتد بقادیان“ (قادیانی مرتد پر قہر خداوندی) نامی رسالہ تحریر کیا۔ اس مناظرہ وغیرہ کا تذکرہ خود اعلیٰ حضرت نے ان الفاظ میں فرمایا ہے: ”روہیل کھنڈ گزٹ“ مطبوعہ یکم جولائی (۱۹۰۵ء) میں تصور حسین نیچہ بندہ کے نام سے ایک مضمون ”اطلاع ضروری“ نظر سے گزار جس میں اولاً علمائے اہلسنت نصرہم اللہ تعالیٰ پر سخت زبان درازای و افتراء پردازی کی ہے اور کوئی دقیقہ توہین کا باقی نہیں رکھا۔ آخر میں عمائدین شہر کو ترغیب دی ہے کہ علمائے طرفین کے مابین مناظرہ کرادیں تاکہ حق واضح ہو جائے“ (قہر الدیان علی مرتد بقادیان صفحہ ۶ از مولانا بریلوی)

چنانچہ اعلیٰ حضرت بریلویؒ نے اس ”اطلاع ضروری“ کے جواب میں ”ہدایت نوری“ کے نام سے ایک سلسلہ تحریر شروع کیا اور زیر نظر تالیف اس سلسلہ کی پہلی تحریر ہے۔ اس تحریر میں آپ نے مرزا قادیانی اور اسکے حواریوں کی طرف سے انبیاء کرام خصوصاً حضرت عیسیٰؑ پر دشنام طرازی پر گرفت کرتے ہوئے ان کے دعویٰ مسیحیت و مجددیت کو طشت از بام کیا ہے۔ آپ نے قادیانی تحریروں کا حوالہ دیکر ثابت کیا ہے کہ مرزا قادیانی کذاب اور گالی گلوچ کارسیا اور توہین انبیاء کرنے والا تھا۔ آپ فرماتے ہیں مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ وہ مثیل مسیح ہے۔ وہ مسیح علیہ السلام کی شان گھٹا کر اپنے درجہ پر لانا چاہتا ہے اسی وجہ سے وہ ایسی تمام برائیاں جو خود اکمیس موجود ہیں ان کو ناحق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی منسوب کرنے کے کی ناپاک کوشش کرتا ہے۔ آپ مرزا قادیانی کی کئی گستاخیوں کا حوالہ دینے کے بعد صفحہ ۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں ”یہ خدائے قہار کا حلم ہے کہ رسول اللہ کو حیلہ و بے حیلہ یہ ناپاک گالیاں دی جاتی ہیں اور آسمان نہیں پھٹتا“ دورانِ تحریر ہی آپ کی نظر سے مرزا قادیانی کی ”ازالہ اوہام“ گزری جو کہ برہنہ گوئی کا ایک بھیانک نمونہ ہے۔ چنانچہ اس رسالہ کے آخر میں آپ نے ”ازالہ اوہام“ پر بھی سخت گرفت کی ہے۔

(۵) الجرز الدیانی علی المرتد القادیانی:-

۳ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ کو پہلی بھیت ”سے شاہ میر خان قادری نے ایک استفتا بھیجا جس میں ایک آیت قرآنی اور ایک حدیث کے حوالے سے جواب طلب کیا گیا تھا کہ قادیانی حضرات اس آیت اور حدیث نبوی کو وفات عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بطور سند پیش کرتے ہیں۔ آپ وضاحت فرمادیں آیت اور حدیث مندرجہ ذیل ہے

۱۔ آیت قرآنی:-

”والذین یدعون من دون اللہ لایخلقون شیاء وہم یخلقون اموات غیر احياء وما یشعرون ایتان یبعثون“۔ (النحل۔ ۲۱)

قادیانی عقیدہ: اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے اللہ کے سوا جس کسی کو بھی خدا کہا جاتا ہے وہ بوجہ خالق نہ ہونے کے اور مخلوق ہونے کے مردہ ہے زندہ نہیں..... اسی وجہ سے جب عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خالق (خدا) کہتے ہیں تو کیوں ان کو بوجہ آیت قرآنی مردہ سمجھا جائے؟“

ب۔ حدیث نبوی:-

”لعن اللہ الیہود و النصارى اتحدو قبورا انبیاء ہم مسجدہ“

قادیانی عقیدہ: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبروں کی پوجا کرتے تھے۔ ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بعد از وفات قبر موجود تھی جس کی پوجا کی جاتی تھی۔

اس استفتاء کے جواب میں اعلیٰ حضرت بریلوی نے ایک رسالہ بعنوان ”البحر الدیانی علی المرتد القادیانی“ (قادیانی مرتد پر خدائی تلوار برہنہ) تصنیف فرمایا۔ یہ رسالہ قبلہ حضرت کی آخری تصنیف لطیف ہے۔

امام احمد رضا خاں بریلوی نے پہلے اعتراض کا جواب دینے سے قبل سات فائدے بیان کئے ہیں جن میں واضح کیا کہ مرزائی حیات عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ اٹھاتے کیوں ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ

مرزا قادیانی کے ظاہر و باہر کفریات پر پردہ ڈالنے کے لئے قادیانی ایک ایسے مسئلے میں الجھنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں اختلاف قدرے آسان ہے۔ پھر بھی یہ مسئلہ ان کیلئے مفید نہیں۔ پھر سات وجوہ سے ثابت کیا کہ یہ آیت قادیانیوں کے لئے دلیل نہیں بن سکتی۔ اسی طرح حدیث کو دلیل بنانے کے رد میں بھی دو مسکت جواب دیئے ہیں۔

امام احمد رضا خاں بریلویؒ کے ان فتاویٰ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ مسئلہ ختم نبوت کو کس قدر اہمیت دیتے تھے اور امر واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ اجماعی اور قطعی عقیدہ اس قدر اہم اور نازک ہے کہ اس سلسلہ میں کسی بھی رعایت کی ہرگز گنجائش باقی نہیں۔

ان فتاویٰ کے علاوہ آپؒ کے فاضل صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلویؒ نے بھی ۱۳۱۵ھ میں ایک سوال کے جواب میں ایک کتاب ”الصارم الربانی علی اسراف القادیانی“ تصنیف فرمائی جس میں مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام کو بڑی تفصیل سے بیان کرنے کے بعد مرزا غلام قادیانی کے مثل مسیح ہونے کا زبردست رد فرمایا۔ امام احمد رضا خاں بریلویؒ نے اپنے فتویٰ مسکئی بہ ”السوال العقاب علی المسیح الکذاب“ میں اس فتویٰ کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

”اس ادعائے کاذب (مرزا قادیانی کے مثل مسیح ہونے) کے متعلق سہارن پور سے ایک سوال آیا تھا جس کا ایک مبسوط جواب ولد اعز فاضل نوجوان مولوی حامد رضا خاں محمد حفظہ اللہ نے لکھا اور بنام تاریخی ”الصارم الربانی علی اسراف القادیانی“ مسکئی کیا۔ یہ رسالہ حامی سنن قاضی عبدالوحید حنفی فردوس نے اپنے رسالہ مبارکہ ماہوار ”تحفہ حنفیہ“ میں عظیم آباد (پٹنہ) سے شائع فرمادیا۔

بحمد اللہ اس شہر میں مرزا قادیانی کا فتنہ نہ آیا اور اللہ اعز و اجل قادر کہ کبھی نہ لائے“ (السوا

والعقاب صفحہ ۸۳۵)

۱۳۳۵ھ میں بمبئی سے کسی نے سوال کیا کہ قادیانیوں کا رد کس طرح کیا جائے؟ اس کے

جواب میں آپؒ نے صرف ایک صفحہ میں قادیانیت کا ایسا پوسٹ مارٹم فرمایا کہ کسی مزید لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں رہی۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ:- مرسلہ محمد عبدالواحد خاں صاحب، مسلم بمبئی اسلام پورہ۔ معرفت عبداللطیف ہیڈ ماسٹر میونسپل اردو سکول ۴ رنج الاول قادیانیوں سے کس طرح کس پیرایہ میں بحث کی جائے، یعنی ان کی تردید کے بھاری ذرائع کیا ہیں؟

الجواب:- ”سب میں بھاری ذریعہ اس کے رد کا اول اول کلمات کفر پر گرفت ہے جو اس کی تصانیف میں برساتی حشرات کی طرح اگلے گہلے پھر رہے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہینیں، عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں ان کی ماں طیبہ طاہرہ پر طعن، اور یہ کہنا کہ یہودی کے جو اعتراض عیسیٰ اور ان کی ماں پر ہیں، ان کا جواب نہیں اور یہ کہ نبوت عیسیٰ پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ بلکہ عدم نبوت پر دلیل قائم ہے۔ یہ ماننا کہ قرآن نے ان کو انبیاء میں گنا ہے اور پھر صاف کہہ دینا کہ وہ نبی نہیں ہو سکتے، معجزات عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صراحتاً انکار اور یہ کہنا کہ وہ مسمریزم سے یہ کچھ کیا کرتے تھے۔ اور یہ کہ میں ان باتوں کو مکروہ نہ جانتا تو آج عیسیٰ سے کم نہ ہوتا، تو روشن معجزے جن کو قرآن مجید آیات بینات فرما رہا ہے۔ یہ ان کو مسمریزم و مکروہ ماننا ہے، اپنے آپ کو اگلے انبیاء سے افضل بتانا اور یہ کہنا کہ ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو۔ اس سے بہتر غلام احمد ہے اور یہ کہنا کہ اگلے چار سو انبیا کی پیشینگوئی غلط ہوئی اور وہ جھوٹے اور یہ کہنا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار دایاں، تانیاں معاذ اللہ زانیہ تھیں۔ اور یہ کہ اسی خون سے عیسیٰ کی پیدائش ہے۔ اور اپنے آپ کو نبی کہنا اپنی طرف وحی الہی آنے کا ادعا کرنا۔ اپنی بنائی ہوئی کتاب کو کلام الہی کہنا اور یہ کہ آئیہ کریمہ مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمع احمد سے ہیں مراد میں ہوں۔ اور یہ مجھ پر اترا ہے کہ انا انزلنہ قریباً لقادیان وبالحق نزل اور دوسرا بھاری ذریعہ اس خبیث کی پیشینگوئیوں کا جھوٹا پڑنا جن میں بہت چمکتے روشن حروفوں سے لکھنے کے قابل دو واقعے ہیں۔ (۱) ایک اس کے بیٹے کا جس کی نسبت کہا تھا کہ انبیا کا چاند پیدا ہوگا اور بادشاہ اس کے کپڑوں سے برکت لیں گے مگر شان الہی کہ چوں دم بر داشتتم مادہ بر آمدی بیٹی پیدا ہوئی اس کے اوپر کہا کہ وحی کے سمجھنے میں غلطی ہوئی اب کی جو ہوگا تو انبیاء کا چاند ہوگا۔ بیٹی بیٹے ہمیشہ پیدا ہوتے ہیں۔ اب کے ہوا بیٹا مگر چند روز جی کر مر گیا۔ بادشاہ کیا کسی محتاج نے بھی اس کے کپڑوں سے برکت نہ لی (۲) دوسری بہت بڑی بھاری

پیشینگوئی آسمانی جو روکی اپنی چچا زاد بہن احمدی کو لکھ کر بھیجا کہ اپنی بیٹی محمدی میرے نکاح میں دیدئے اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر پہلے طمع دلائی پھر دھمکیاں دیں پھر کہا کہ وحی آگئی کہ زوجنا کہلام نے تیرا نکاح اس سے کر دیا اور یہ کہ اس کا نکاح اگر تو دوسری جگہ کرے گی تو ڈھائی یا تین برس کے اندر اس کا شوہر مر جائے گا۔ مگر اس خدا کی بندی نے ایک نہیں سنی۔ سلطان محمد خاں سے نکاح کر دیا وہ آسمانی نکاح دھرا ہی رہا نہ شوہر مرا کتنے بچے اس سے ہو چکے اور یہ چل دیئے غرض اس کے کفر و کذب حد شمار سے باہر ہیں کہاں تک گئے جائیں اور اس کے ہوا خواہ ان باتوں کو ٹالتے ہیں اور بحث کریں گے تو کاہے کی۔ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتقال فرمایا مع جسم اٹھائے گئے یا صرف روح مہدی و عیسیٰ ایک ہیں یا متعدد یہ ان کی عیاری ہوتی ہے۔

آیت قرآنی:-

”والذین یدعون من دون اللہ لایخلقون شیاء وہم یخلقون اموات غیر

احیاء وما یشعرون ایان یبعثون“۔ (النحل۔ ۲۱)

ان کفروں کے سامنے ان مباحث کا کیا ذکر فرض کیجئے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ نہیں۔ فرض کیجئے کہ وہ مع جسم نہیں اٹھائے گئے۔ فرض کیجئے کہ مہدی و عیسیٰ ایک ہیں پھر اس سے وہ تیرے کفر کیونکر مٹ گئے کلام تو اس میں ہے کہ تو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں ہم کہتے ہیں تو کافر اس کا فیصلہ ہونا چاہئے انبیاء کی توہینیں انبیاء کی تکذیبیں معجزات سے استہزا نبوت کا ادعا اور پھر دوسرے درجہ میں انبیاء کے چاند والا بیٹا آسمانی جو رو یہ تیری تکفیر تکذیب کو کافی ہیں۔“ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم صفحہ ۳۱-۳۲) (مطبوعہ کراچی)

حضرت مولانا احمد سعید کاظمیؒ

(۱۹۱۳ء-۱۹۸۶ء)

غزالی دوراں ابوالنجم سید احمد سعید کاظمی کا سلسلہ نسب سیدنا امام موسیٰ کاظمؑ سے منسلک ہے ۱۹۱۳ء میں آپ مراد آباد کے مضافاتی شہر امر وہہ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی سید محمد مختار کاظمی تھا۔ ایام طفولیت میں ہی والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے برادر معظم سید محمد خلیل کاظمیؒ کی زیر نگرانی ہوئی۔ سید محمد خلیل کاظمی انتہائی فاضل، عظیم محدث اور صاحب نظر درویش تھے۔ شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی اور ہمیشہ حضور ﷺ کی محبت میں ڈوبی ہوئی نعتیں کہا کرتے تھے۔ شاہ جہان پور کے مدرسہ بحر العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیتے تھے اور سفر و حضر میں ہمیشہ حضرت علامہ کاظمی کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

حضرت نے ابتداء سے انتہا تک تمام تعلیم اپنے برادر معظم سے ہی حاصل کی اور آپ ہی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ سولہ سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کی۔ دستار بندی کے موقع پر حضرت شاہ علی حسین صاحب اشرفی کچھوچھوی تشریف لائے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی۔ اس تقریب میں حضرت مولانا معوان صاحب رامپوری، حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مولانا نثار احمد صاحب کانپوری و دیگر اکابر علماء اور مشائخ اہل سنت موجود تھے جنہوں نے آپ کو خصوصی دعاؤں سے نوازا۔

ایام تحصیل ہی میں آپ نے امتناع کذب کے موضوع پر ایک انتہائی علمی اور پر مغز رسالہ تسبیح الرحمن عن الکذب والنقصان کے نام سے زیب رقم فرمایا۔ مختلف بد مذہبوں سے مباحثوں اور مناظروں میں حصہ لیا اور ہر بار خدا کے فضل و کرم سے غالب اور کامیاب رہے۔

حضرت کی پوری زندگی دین و ملت کی خدمت سے عبارت تھی۔ آپ کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ شریعت پر استقامت اور متابعت سنت کا ذوق ابھرتا تھا آپ کے پاس بیٹھنے سے سینہ میں

عشق رسول کی بجلیاں کوند نے لگتی تھیں اور آپ کی گفتگو سن کر دل خوفِ خدا سے پکھل جاتا تھا۔ آپ نے عمر بھر عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور روِ قادیانیت کے سلسلہ میں نہایت اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔

مسلم لیگ کی صوبائی کونسل کے اجلاس منعقدہ ۱۹۵۲ء میں قادیانیت کے خلاف قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد میں مسلم لیگ کے اکابرین سے کہا گیا تھا کہ وہ قادیانیت کے مضمرات اور ان کی اسلام دشمن کاوشوں سے باخبر رہیں اور انگریزوں کے پیدا کئے ہوئے اس فتنے کے استیصال کے لئے جملہ صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔ اس قرارداد کا مقصد یہ تھا کہ اگر ہم پاکستان میں اسلامی آئین نافذ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں عظمت و شانِ مصطفویٰ کو ہر پہلو سے مقدم رکھنا ہوگا۔ اسلام حضور ﷺ سے عبارت ہے اور حضور کی خاتم المرسلین کا مسئلہ حل کئے بغیر ملک میں اسلام کے نفاذ کا تصور ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ

مصطفیٰ برسوں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

پاکستان کی سیاسی و تہذیبی زندگی کے مبصرین کا کہنا ہے کہ اگر یہ قرارداد اس وقت منظور کر لی جاتی تو قادیانیت کا مسئلہ اسی وقت حل ہو جاتا اور قادیانی عناصر نے بعد کے ادوار میں جس طرح قوت پکڑ کر اس مملکت کو جن عظیم نقصانات سے دوچار کیا وہ پیش نہ آتے مگر افسوس کہ آپ کی پیش کردہ اس قرارداد کو مسلم لیگی زعماء نے خاطر خواہ پذیرائی نہ بخشی۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ مسلم لیگ وہ نہیں رہی جو حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں اسلامی نظام کے نفاذ کا پروگرام لے کر چلی تھی۔ چنانچہ یہی دل برداشتگی آپ کی مسلم لیگ سے علیحدگی کا باعث بنی۔ عظمت و شانِ رسول کے تحفظ کے لئے آپ نے قادیانیوں کا تعاقب جاری رکھا۔ جمیعت علمائے پاکستان، جماعت اہلسنت پاکستان، تنظیم المدارس اور دوسری متحدہ تنظیموں کی وساطت سے آپ نے ختم نبوت کے مسئلے کی عظمت و اہمیت کو واضح کیا۔ تا آنکہ حکومت نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

(پندرہ روزہ ندائے اہلسنت لاہور یکم تا ۱۵ اپریل ۱۹۹۲ء)

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران آپ نے قیود و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

قادیانیوں کی طرف سے مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت پر دجل کے پردے چڑھا کر اس کی نبوت کو تشریحی

اور غیر تشریحی کے جھنجھلوں میں ڈالنے کی کوشش کی گئی تو آپ نے اس کے رد میں بھرپور مقالہ قلمبند فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں مرزائیوں نے مرزا قادیانی کی نبوت غیر تشریحی ثابت کرنے کے لئے بعض اکابر صوفیائے کرام مثلاً شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور امام شعرانی کی عبارات سے استدلال کیا ہے۔ تحقیق مقام کے لئے ہمیں سب سے پہلے مرزا قادیانی کے دعاوی نبوت پر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں مرزا کے عجیب متضاد بیانات ہیں۔ کہیں تو مرزا قادیانی نے اپنے آپ کو غیر تشریحی نبی قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ جس جس جگہ میں نے نبوت و رسالت سے انکار کیا ہے۔ صرف ان معنوں سے کیا ہے۔ کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں۔ اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اسی کا نام پا کر اسی کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اس دور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ ان ہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کہہ کر پکارا ہے۔ سواب بھی میں انہی معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا الخ (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ ص ۴) اس عبارت میں مرزا قادیانی نے صاف لفظوں میں غیر تشریحی نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اب اس کے خلاف نبوت تشریحی کا دعویٰ ملاحظہ فرمائیے۔

اگر کہو کہ صاحب شریعت افترا کر کے ہلاک ہوتا ہے۔ نہ ہر ایک مفتری تو اول تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ خدا نے افترا کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے۔ جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے جو امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعة ہو گیا۔

پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی (ص ۷۰۶ اربعین ۳)

اس عبارت میں مرزا قادیانی نے کھلے لفظوں میں اپنے آپ کو صاحب الشریعة کہا ہے۔ کہیں سرے سے مکر جاتا۔ اور اپنے ہاتھ سے اپنی نبوت کا صفایا کرتے ہوئے کہتا ہے ”نبوت کا دعویٰ نہیں۔ بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے۔ جو کہ بحکم خدا کیا گیا۔ (ازالہ اوہام طبع دوم ص ۱۷۴) لاہوری مرزائی

عام مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے مرزا قادیانی کی وہ عبارتیں پیش کر دیتے ہیں۔ جن میں نبوت کا انکار معلوم ہوتا ہے۔

اور قادیانی مرزائی! عوام کو بہکانے کے لئے غیر تشریحی نبوت والی عبارتیں دکھا دیتے ہیں۔ مرزائی اگر مرزا قادیانی کو سچا سمجھتے ہیں تو قطعی طور پر انہیں صاحب شریعہ نبی مانتے ہوں گے۔ کیونکہ اربعین کی عبارت منقولہ بالا میں مرزا قادیانی نے غیر مبہم طور پر اپنے آپ کو صاحب شریعہ قرار دیا ہے۔ لیکن ختم نبوت کے دلائل سے تنگ آ کر قادیانی مرزائی اسی بات پر زور دیتے ہیں کہ مرزا قادیانی غیر تشریحی نبی ہے۔ صرف تشریحی نبوت ختم ہوئی ہے غیر تشریحی جاری ہے۔

نبوت کی دو قسمیں: تشریحی و غیر تشریحی جن معنی میں مرزائیوں نے بیان کی ہیں۔ وہ قرآن و حدیث اور دلائل شرعیہ کے بالکل خلاف ہیں۔ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا۔ جو صاحب الشریعہ نہ ہو۔ مرزائیوں کو نبوت کی اس تقسیم کے دعویٰ کی دلیل میں نہ کوئی قرآن کی آیت ہاتھ آئی نہ کوئی حدیث البتہ حضرات صوفیائے کرام مثلاً شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور امام شعرانیؒ کی بعض عبارات سے انہوں نے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی اول تو مرزائیوں کو شرم و حیا سے کام لینا چاہیے۔ کہ جن صوفیاء کرام کو مرزا قادیانی نے ملحد اور زندیق قرار دیا ہے ان ہی کے اقوال و عبارات کو وہ مرزا قادیانی کی نبوت کی دلیل میں پیش کر رہے ہیں۔ مرزا قادیانی نے عربی کو وحدت الوجود کا حامی بتایا اور وحدت الوجود کے قائلین کو ملحد اور زندیق کہا۔

قبل اس کے کہ ہم ان حضرات صوفیاء کی عبارات پیش کر کے اس مسئلہ کو واضح کریں اور مرزائیوں کی افترا پردازی کا جواب لکھیں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس مقام پر صوفیاء کے مسلک اور ان کے مقصد کو باوضاحت بیان کر دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ صوفیائے کرام کی مقدس جماعت کا کام صرف یہ ہے کہ وہ تزکیہ باطن اور صفائی قلب کے بعد اپنے دل و دماغ اور روح کو انوار معرفت سے منور کریں۔ اور فیوض و برکات سے مستفیض ہو کر خدائے تعالیٰ کی معرفت اور اس کا قرب حاصل کریں ظاہر ہے کہ یہ فیوض و برکات اور

انوار و کمالات آفتاب نبوت ہی کی شعاعیں ہیں اور حضور سید عالم ﷺ کی نبوت اور رسالت کا ہی فیض ہے اگر بارگاہ نبوت سے کسی کو فیض نہ پہنچے۔ اور آفتاب نبوت کی شعاعیں کسی کے دل کو نہ چکائیں تو اس کو ہرگز کوئی فضل و کمال حاصل نہیں ہو سکتا نہ اس کے دل میں کوئی نور پیدا ہو سکتا ہے۔ ہر فضل و کمال کا سرچشمہ صرف نبوت اور رسالت ہے۔

اس مقام پر یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا۔ کہ جب نبوت حضور ﷺ پر ختم ہو گئی۔ اور آپ نے باب نبوت کو مسدود فرمایا تو شاید وہ تمام فیوض و برکات بھی بند ہو گئے جو بارگاہ نبوت سے وابستہ تھے اور نبوت کا دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے کسی کو مقام نبوت سے کسی قسم کا کوئی فیض نہیں پہنچ سکتا۔ اگر یہ صحیح اور ختم نبوت کا یہی مفہوم لیا جائے کہ نبوت کا دروازہ بند ہو جانے سے مقام نبوت کے تمام فیوض و برکات بند ہو گئے۔ تو صوفیائے کرام کا ریاضت و مجاہدہ کرنا اور صفائی باطن اور تزکیہ نفس کر کے مقام نبوت کے فیوض و برکات اور آفتاب رسالت کے انوار سے مستفیض ہونے کی امید رکھنا بھی لغو و بے معنی ہو گا اور اس طرح صوفیائے کرام کا تمام سلسلہ تصوف اور جدوجہد سب بیکار اور لغو ہو جائیگی اس شبہ کو دور کرنے اور مقصد تصوف کو کامیاب بنانے کے لئے صوفیائے کرام کا فرض تھا کہ وہ یہ بتائیں کہ ختم نبوت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مقام نبوت اس طرح ختم ہو گیا۔ کہ اب کسی کو کوئی فضل و کمال نبوت کے دروازہ سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ شبہ و سوسہء شیطانی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ فیضان نبوت جاری ہے۔ اور ہر صاحب فضل و کمال کو اس کی استعداد کے موافق جو کمال ملا ہے یا ملے گا۔ اس کا سرچشمہ مقام نبوت ہی ہے۔ اور ختم نبوت کے معنی صرف یہ ہیں کہ کسی کو امر و نہی کے ساتھ مخاطب نہیں کیا جائے گا اور شریعت نہیں دی جائے گی۔ اس کو امر و نہی کے ساتھ مخاطب کرنا ہی تشریحی ہے۔ عام اس سے کہ وہ امر و نہی قدیم ہو یا جدید شریعت و نبوت میں کچھ فرق نہیں۔ نبوت شریعت ہے اور شریعت نبوت۔ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کو اللہ تعالیٰ نے کسی امر و نہی سے مخاطب نہ فرمایا ہو قرآن مجید میں ارشاد فرمایا فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ (البقرہ۔ ۲۱۳) ہر نبی تبشیر اور انذار پر مامور ہوتا ہے۔ اور یہ ہی شریعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد نبی نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں۔ کہ مقام نبوت کے فیوض و برکات بند ہو گئے۔ لیکن فیوض و برکات نبوت جاری ہونے کا یہ مطلب لینا بھی بالکل غلط اور باطل ہے کہ فیضان نبوت سے کوئی نبی بن سکتا ہے۔ دیکھئے

تمام عالم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمتوں سے مستفید ہو رہا ہے۔ اور بارگاہ الوہیت سے ہر قسم کے فیوض و برکات بندوں کو حاصل ہو رہے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندے فیضان الوہیت سے الوہیت کا درجہ بھی پاسکتے ہیں۔ حضرات صوفیائے کرام نے اپنی عبارات میں غیر مبہم طور پر اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ فیضان نبوت جاری ہونے سے ہماری مراد یہ نہیں کہ نبوت اور شریعت جاری ہے بلکہ امر و نہی کا دروازہ قطعاً مسدود ہو چکا ہے۔ اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کے بعد اس بات کا دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی بات کا امر فرمایا ہے یا کسی نہی سے مخاطب کیا ہے۔ تو ایسا شخص مدعی نبوت و شریعت ہے۔ اگر وہ احکام شرع کا مکلف ہے تو ہم ایسے شخص کی گردن مار دیں گے۔ (ایواقیت و الجواہر جلد دوم ص ۳۴)

فان قال ان الله امرني بفعل المباح قلنا لا يخلون يرجع ذلك المباح واجباً
حقك او مندوباً و ذلك عين نسخ الشرع الذي انت عليه حيث ميرت بالوحي الذي زعمته
المباح الذي قرر الشارع مباحاً موراً به يعصى العبد بترکه وان ابقاه صباحاً كما كان في
الشریعة فاي فائدة لهذا الامر الذي جاء به ملك وحي هذا المدعی الخ.....

اگر کوئی شخص دعویٰ کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک مباح کام کا امر فرمایا ہے۔ تو ہم اس سے کہیں گے کہ یہ امر دو حال سے خالی نہیں۔ یا یہ کہ جس مباح کام کا اللہ تعالیٰ نے تجھے امر فرمایا ہے۔ وہ تیرے حق میں واجب ہوگا یا مندوب یہ دونوں صورتیں اس شریعت کے حق میں ناسخ قرار پائیں گی۔ جس پر تو قائم ہے۔ اس لئے کہ جس کام کو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مباح رکھا تھا تو نے اسے اپنی وحی مزعوم کے ساتھ مامور یہ یعنی ضروری اور واجب (یا مستحب) قرار دے لیا جس کے ترک سے بندہ گنہگار یا تارک افضل ہوتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس امر مباح کو تیرے حق میں مباح ہی رکھا جیسا کہ وہ شرعاً پہلے سے مباح تھا تو تیری اس وحی اور امر سے کیا فائدہ ہوا؟

اس کے بعد امام شعرانی فتوحات مکیہ سے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ علیہ کی عبارت نقل فرماتے ہیں۔

وقال الشيخ ايضاً في الباب الحادي والعشرين من الفتوحات من قال ان الله

تعالیٰ امرہ بشی فلیس ذالک بصحیح انما ذالک تلبیس لان الامر من قسم الکلام و صفته
و ذالک باب مسدود دون الناس الخ

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ کی اکیسویں فصل میں فرماتے ہیں۔ جو شخص اس بات
کا دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی امر فرمایا ہے تو ہرگز صحیح نہیں یہ تلبیس ابلیس ہے۔ اس لئے کہ امر
کلام کی قسم سے ہے۔ اور یہ دروازہ لوگوں پر بند ہے اس کے بعد فرماتے ہیں

فقد بان لك ان ابواب الامر الا لهية و النواهي قد صدت و كل من ادعاها بعد
محمد ﷺ فهو مداع شريعة او حى بها اليه لسواء وافق شرعنا او خالف فان كان مكلفا
ضربنا عنقه اولا ضربنا عنه صفحا۔

یہ بات تم پر بخوبی واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ حضرت
محمد رسول ﷺ کے بعد جو شخص بھی اس امر کا مدعی ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے امر و نہی پہنچا ہے وہ
مدعی شریعت ہے۔ عام اس سے کہ جن اوامر و نواہی کا وہ مدعی ہے وہ ہماری شرع کے موافق ہوں یا
مخالف وہ بہر کیف مدعی شریعت ہی قرار پائے گا۔ اگر وہ عاقل و بالغ ہے تو ہم اس کی گردن مار دیں گے۔
ورنہ اس سے پہلو تہی کریں گے (الیواقیت و الجواہر جلد ۲ ص ۳۴ طبع مصر)

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی صاحب فتوحات مکیہ اور امام شعرانی کی ان تصریحات سے یہ
حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی۔ کہ جو شخص اس امر کا مدعی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے امر و نہی کے ساتھ
مخاطب فرمایا ہے۔ وہ مدعی شریعت ہے نیز یہ کہ حضرات صوفیاء کرام کے نزدیک شریعت کے معنی اللہ
تعالیٰ کی طرف سے امر و نہی ہونے کے سوا کچھ نہیں۔ اب مرزا قادیانی کی تصریحات سامنے رکھ کر یہ دیکھ
لیجئے۔ کہ وہ من جانب اللہ امر و نہی پانے کا مدعی ہے یا نہیں۔

اربعین نمبر ۲ ص ۷۰۶ کی یہ عبارت ہم تفصیل سے نقل کر چکے ہیں۔ کہ مرزا قادیانی نے لکھا
”یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے
لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعہ ہو گیا۔

پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی

بھی۔“

مرزا قادیانی کی اس عبارت سے دو باتیں بالکل واضح ہو گئیں ایک یہ کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور امام شعرانی نے شریعت کے جو معنی بیان فرمائے ہیں مرزا قادیانی نے ان پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ دوسری یہ کہ مرزا قادیانی حضرات صوفیاء کرام اور خود اپنی تصریح کے مطابق مدعی شریعت ہے۔

اب میں ان مرزائی دوستوں سے دریافت کرتا ہوں۔ جنہوں نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور امام شعرانی کی تصانیف سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ان حضرات کے نزدیک نبوت تشریحی ختم ہو گئی۔ غیر تشریحی جاری ہے۔ لہذا مرزا قادیانی کا غیر تشریحی نبی ہونا درست ہو گیا۔ کس حد تک ان عبارات سے آپ کو فائدہ پہنچا صوفیاء تو آپ کے لئے اغیار کا حکم رکھتے ہیں!

خود مرزا قادیانی جو تمہارا غم خوار ہے اور جس کی نبوت غیر تشریحی کی خاطر آپ نے اس قدر پاؤں بیلے اس نے بھی تمہارا ساتھ نہ دیا۔ اور بول اٹھا کہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نبی بھی اور اس طرح میں صاحب شریعت ہوں!

مدعی ست گواہ چست والا معاملہ ہوا!

ناظرین کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ نبوت تشریحی کا مفہوم صرف یہ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر و نہی پانا۔“

چونکہ وحی من جانب اللہ تعالیٰ امر و نہی کے ساتھ مخاطب ہونا ہے۔ اس لئے ہر نبی تشریحی ہوتا۔ اب اسکے بالمقابل نبوت غیر تشریحی کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں رہتے کہ من جانب اللہ تعالیٰ امر و نہی کا خطاب پانے کے علاوہ جس قدر فضائل و کمالات میں مثلاً ولایت، قطبیت، غوثیت اور عرفان و قرب الہی مدارج سلوک وغیرہ انوار و برکات نبوت غیر تشریحی ہیں کیونکہ ان سب کا سرچشمہ مقام نبوت ہی ہے۔

اس لئے اگر صوفیاء نے یہ کہہ دیا کہ نبوت غیر تشریحی جاری ہے۔ یعنی نبوت کے فیوض و برکات بند نہیں ہوئے۔ امت مسلمہ انوار و برکات نبوت سے فیضیاب ہو رہی ہے تو یہ قول اپنے مرادی

معنی کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے۔

مرزائیوں کا یہ کہنا کہ ہم مرزا قادیانی کو غیر تشریحی نبی مانتے ہیں مسلمانوں کو دھوکا اور فریب

دینا ہے۔

مرزا قادیانی نے اپنے دعوے کے منکرین کو جہنمی، نامسلمان، اور غیر ناجی کا فر قرار دیا ہے ”ہر

ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا، وہ مسلمان نہیں ہے۔“ (مکتوبات

مرزا بنام ڈاکٹر عبدالحکیم۔ حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳)

جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا رسول کو بھی نہیں مانتا (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳)

(اے مرزا) جو شخص تیری پیروی نہ کریگا۔ اور بیعت میں داخل نہ ہوگا وہ خدا رسول کی نافرمانی کر نیوالا

اور جہنمی ہے۔ (رسالہ معیار الاخیار ص ۸)

خدا تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لئے اس (میری وحی) کو مدار نجات ٹھہرایا۔ (حاشیہ

اربعین ص ۷)

ان عبارات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مرزا قادیانی نے اپنے منکرین کو کافر جہنمی قرار دیا۔

اب مرزا قادیانی کی اس عبارت کو بھی پڑھ لیجئے نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔

”یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان

نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب شریعت

کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث گزرے ہیں۔ کہ وہ کیسی ہی جناب الہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں اور

خلعت مکالمۃ الہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔“ (تریاق القلوب حاشیہ

ص ۳۲۸ طبع دوم)

مرزا قادیانی اپنے منکرین کو کافر بھی کہہ رہا ہے اور یہ بھی کہہ رہا ہے کہ صرف اس نبی کا منکر

کافر ہوتا ہے۔ جو شریعت اور احکام جدیدہ لائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرزا قادیانی احکام جدیدہ اور

شریعت کا مدعی ہے

ناظرین کرام ازراہ انصاف بتائیں کہ مرزا قادیانی کی نبوت تشریحی کے دعوے میں اب بھی

کچھ کلام کی گنجائش ہے۔!

پھر مرزائیوں کا یہ کہنا کہ مرزا قادیانی غیر تشریحی نبوت کے مدعی ہیں سراسر دجل و فریب نہیں تو

کیا ہے!!

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ۔



علامہ شاہ احمد نورانی

(پ: ۱۹۲۶ء)

مبلغ اسلام فاتح قادیانیت الشاہ احمد نورانی ۳۱ مارچ ۱۹۲۶ کو میرٹھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی امام اہلسنت شاہ احمد رضا خان بریلوی کے خلیفہ مجاز تھے۔ آپ نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ تبلیغ اسلام کی خاطر آپ نے متعدد غیر ممالک کے دورے کئے انسائیکلو پیڈیا پاکستان میں آپ کا تعارف لکھتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ ”آپ کی تبلیغ کے اثر سے ہزاروں غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں جن میں تعلیم یافتہ خواتین و حضرات شامل ہیں۔ آپ نے ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔“ (انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا صفحہ ۵۸۶)

رد قادیانیت کے سلسلہ میں امام شاہ احمد نورانی کی خدمات کے لئے تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے لیکن چند اہم واقعات و حالات قلمبند کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو امام احمد شاہ نورانی اپنی تمام مصروفیات چھوڑ کر تحریک میں شامل ہو گئے۔ منیر انکوائری رپورٹ میں آپ کا نام بار بار ^{مختصمین} تحریک کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۸ء تک آپ بیرون ملک تبلیغی دورہ پر رہے اس دوران آپ نے یورپ افریقہ اور امریکہ وغیرہ کے متعدد ممالک کا دورہ کر کے اسلام کی دعوت عام کرنے کی کوشش کی۔ اس دوران بعض مقامات پر آپ کی قادیانیوں سے ڈبھیڑ بھی ہوئی مثلاً نیروبی دارالسلام مارشس اور لاطینی امریکہ میں سرینام برٹش گیانا اور ٹرینی ڈاڈ میں آپ نے کامیاب مناظرے کئے اور قادیانیوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ ان مناظروں کے نتیجے میں تقریباً ۶ سو قادیانیوں نے اسلام قبول کیا۔ (ماہنامہ ضیائے حرم ختم نبوت نمبر صفحہ ۴۱)

1969ء میں جب آپ طویل غیر ملکی دورہ کے بعد واپس وطن تشریف لائے تو آپ نے

اپنے خطاب کے دوران فرمایا۔

”اس وقت عالم اسلام کا سب سے زیادہ سنگین اور عظیم خطرہ قادیانی ہیں۔ جو یہودی صیہونیت کے ساتھ ملکر اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ میں جہاں جہاں گیا، قادیانیوں کو اپنی بھرپور فتنہ سامانیوں اور بے شمار وسائل کے ساتھ موجود پایا۔ میں نے دنیا کے مختلف علاقوں میں مقدر بھر اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔ اور بعض مناظروں میں ان کو عبرت ناک شکستیں دیں۔ لیکن یہ فتنہ اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک کہ پوری پاکستانی قوم اس کا مقابلہ نہ کرے اور اسے پاکستان میں غیر مسلم اقلیت نہ قرار دیا جائے۔ حکومت پاکستان تبلیغ کے سلسلے میں جو بیرونی زرمبادلہ دیتی ہے اس کا ۷۵ فیصد قادیانیوں کو جاتا ہے۔ قادیانیوں نے اسرائیل کے شہروں حیفہ اور تل ابیب میں اپنے مراکز بنا رکھے ہیں۔ اگرچہ پاکستان کے اسرائیل سے سفارتی تعلقات نہیں لیکن پاکستانی قادیانی جب چاہیں اسرائیل جاسکتے ہیں۔ بعد ازاں مولانا نے قادیانیوں کی سرگرمیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور بتایا کہ قادیانی کس طرح اسلام کے نام پر یورپ افریقہ اور امریکہ میں اپنا جال پھیلا رہے ہیں۔ اور ان کا زیادہ تر نشانہ غیر مسلموں کی بجائے بھولے بھالے مسلمان ہیں۔“ (تحریک ختم نبوت اور مولانا شاہ احمد نورانی صفحہ ۵)

مولانا ظہور الحسن بھوپالی سابق مرکزی سیکرٹری اطلاعات جمعیت علمائے پاکستان مولانا نورانی کی رد قادیانیت کے سلسلہ میں خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی ذاتی یادداشتوں کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں۔

”مولانا شاہ احمد نورانی اور پروفیسر شاہ فرید الحق کے ساتھ مجھے بھی ۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو شیخ مجیب الرحمن سے ڈھا کہ میں ملاقات کا موقع ملا ہے اس ملاقات میں جو سیاسی اور دستوری معاملات زیر بحث آئے انہیں کسی اور وقت کے تذکرہ کے لئے چھوڑ کر میں صرف اس گفتگو کا حوالہ دے رہا ہوں جو خالصتاً مرزائیوں کے بارے میں ہوئی۔“

اس موقع پر مولانا شاہ احمد نورانی نے شیخ مجیب سے فرمایا کہ ہماری جانب سے ایک اہم مطالبہ یہ بھی ہوگا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور انہیں کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔ اس پر آپ کا کیا طرز عمل ہے مجیب الرحمن نے جواب دیا۔

دیکھئے قادیانیوں کا فتنہ آپ کے علاقہ ہی کا پروردہ ہے ہمارے یہاں ڈھا کہ میں انہوں نے ایک مشن قائم کیا تھا۔ جسے مسلمانوں کے دباؤ اور مظاہروں کے باعث وہ خود ہی ختم کرنے پر مجبور ہو گئے ہم نے اس فتنہ کو کہیں بھی سر نہیں اٹھانے دیا۔ آپ دیکھئے ایم۔ ایم احمد ڈھا کہ میں مارا مارا پھر رہا ہے یہاں پر اس کا کوئی کام نہیں۔ کوئی مقصد نہیں۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مشرقی پاکستان میں یہ (قادیانی) جانور نہیں ملتا۔

بعد ازاں شیخ مجیب الرحمن سے ملاقات کے بعد جب ہم ہوٹل شاہ باغ پہنچے تو مولانا نورانی ہوٹل میں ہی ٹھہر گئے۔ اور ہم لوگ ڈھا کہ گھومنے نکل گئے رات کے بارہ بجے واپسی ہوئی تو مولانا نورانی کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی ہم نے یہ سوچا کہ مطالعے میں مصروف ہیں اس لئے اپنے اپنے کمرے میں سو گئے صبح جب ناشتے کی میز پر مولانا سے ملاقات ہوئی تو ان کی آنکھیں سو جی ہوئی تھیں جیسے وہ رات بھر سو نہ سکے ہوں۔ ناشتہ کے دوران وہ متفکر اور خاموش ہی رہے جب ہم نے ان سے اس خاموشی اور فکر کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ۔

”مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اب مشرقی پاکستان نہیں بچ سکتا۔ قادیانی صرف اس لئے پاکستان توڑنے کی سازش کر رہے ہیں کہ مشرقی پاکستان میں ان کے قدم نہیں جم سکتے اور صرف مغربی پاکستان اگر پاکستان رہ جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ قادیانی اسٹیٹ کے قیام کے سلسلہ میں ان کے عزائم زیادہ آسانی سے پورے ہو سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حکومت پوری طرح ان کا آلہ کار بن چکی ہے۔“

مولانا بڑی دیر تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ذہن اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ پاکستان ٹوٹ بھی سکتا ہے، مگر اس گفتگو سے یہ ضرور ہوا کہ فضا سو گوار ہو گئی اور دل انجانے خطروں سے دھڑکنے لگا۔

۲۸ فروری ۱۹۷۱ء کو مجھے مولانا شاہ احمد نورانی، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری، پروفیسر شاہ فرید الحق اور مولانا محمد حسین حقانی کے ساتھ کراچی کے ایوان صدر میں صدر یحییٰ خان سے ملاقات کا موقع ملا گفتگو میں قادیانیوں اور مرزائیوں کا ذکر زیادہ ہی تفصیل سے ہوا۔ مولانا نے اس موقع پر انگریزی

میں گفتگو کی انہوں نے کہا۔

جناب صدر! کیا آپ کو معلوم ہوا کہ قادیانی مسلمانوں سے علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا مشن اسرائیل میں کام کر رہا ہے جبکہ پاکستان اور اسرائیل کے درمیان سفارتی تعلقات نہیں ہیں! قادیانی جب چاہیں جینوا کے راستے اسرائیل چلے جاتے ہیں۔ اور پاکستان میں یہودی سرمایہ کے ذریعہ ملکی سالمیت کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ مولانا نورانی نے یہ سوال بھی کیا کہ جناب صدر۔ کیا آپ کو علم ہے کہ ربوہ دراصل پاکستان کے اندر ایک آزاد ریاست کی طرح ہے۔ اس کی اپنی عدالتیں اور نیم فوجی تنظیم الفرقان فورس ہے؟ یحییٰ خاں نے مولانا کے ان دونوں سوالات پر لاعلمی کا اظہار کیا۔ مولانا نے یحییٰ خاں سے یہ بھی کہا کہ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ مشرقی پاکستان کے لوگ ایم۔ ایم احمد سے نفرت کرتے ہیں لیکن آپ پھر بھی ایم۔ ایم احمد کو اپنے ساتھ مشرقی پاکستان لے جا رہے ہیں۔ اس کے اچھے تاثرات مرتب نہیں ہوں گے۔ اس کے جواب میں یحییٰ خاں نے کہا کہ ”مجیب بھی یہی کہتا ہے“۔ مولانا نے جب یہ دیکھا کہ یحییٰ خاں مسئلہ کی سنگینی کو سمجھ ہی نہیں پارہا تو وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ صدر صاحب یہ ملک بڑی قربانیوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ اسے اس آسانی سے ضائع نہ کیجئے۔

۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو اسمبلی کا اجلاس ملتوی ہو گیا۔ اور مشرقی پاکستان میں حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔ اس دوران مولانا شاہ احمد نورانی نے ہمیں اس فیصلے سے آگاہ کیا کہ پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں قادیانیوں کی سازشوں کی تفصیلات کا اعلان کراچی میں جلسہ عام میں کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس طرح کم از کم وہ اپنا فرض پورا کر دیں۔ یہ جلسہ ۱۹ مارچ ۱۹۷۱ء کو آرام باغ میں ہوا۔ عوام کی بڑی تعداد نے اس میں شرکت کی۔ اور دو بار اس جلسہ پر شہر پسندوں کی طرف سے حملے ہوئے۔ اور جب انہیں جلسہ گاہ میں موجود کارکنوں نے مار بھگایا تو ان لوگوں نے ہی جا کر روزنامہ ”جسارت“ پر حملہ کیا۔ وہاں توڑ پھوڑ کی۔ اور باہر کھڑی ہوئی ایک گاڑی کو آگ لگا دی۔ اس جلسہ میں مولانا شاہ احمد نورانی نے جو تقریر کی اسے سن کر بہت سی آنکھوں میں آنسو تھے، بعض لوگ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے، دو بار غنڈوں کے حملے کے باوجود مجمع پورے صبر و سکون سے بیٹھا رہا۔ مولانا نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

”انگریزی استعمار کی پیداوار مرزا قادیانی کے پیروکاروں نے پاکستان کے وجود کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا تہیہ کر لیا ہے اور میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ اعلان کر رہا ہوں کہ قادیانیوں نے پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا پروگرام ترتیب دیا ہے۔ اس کا پہلا مرحلہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی ہے۔ برسرِ اقتدار ٹولہ اور مغربی پاکستان کی اکثریتی جماعت ان کی آلہ کار بن گئی ہے اور اب مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی سازش کا آخری راؤنڈ شروع ہونے والا ہے۔ مشرقی پاکستان میں قوجی کارروائی کی جائیگی اور بھارت مداخلت کرے گا اس ضمن میں ایم ایم احمد اور سورن سنگھ کے درمیان حال ہی میں نیویارک میں ملاقات ہوئی ہے۔ ایم ایم احمد نے گزشتہ ہفتہ کراچی میں ہاتھ آئی لینڈ کے ایک بنگلے میں ملک کی بعض اہم شخصیتوں سے ملاقات کر کے انہیں اس بات پر قائل کیا ہے کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان پر ایک بوجھ ہے اور اس کا آمدنی میں حصہ صرف ۹ فیصد ہے۔ قادیانیوں کا اس ضمن میں بھارت اور اسرائیل سے رابطہ ہے۔“

مولانا نورانی نے اس ضمن میں جو تفصیلات بیان کیں وہ بعض اخبارات میں تھوڑی بہت شائع ہوئی ہیں اور اس کا ایک سائیکلو اسٹائل پمفلٹ بھی شائع کیا گیا تھا۔ جس کی ممکن ہے کہ چند کاپیاں اب بھی بعض لوگوں کے پاس موجود ہوں۔ مولانا کے اندیشے بجا نکلے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان میں جو کارروائی ہوئی وہ بالآخر مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر ختم ہوئی۔

۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کے بعد ملک میں موجود شدید سیاسی گھٹن کے باوجود بھی مولانا شاہ احمد نورانی ارباب حل و عقد کے سامنے قادیانیوں کے بارے میں قوم کا موقف پیش کرتے رہے۔ ۷ اپریل ۱۹۷۱ء کو انہوں نے یحییٰ خان کو کھلا خط لکھا جس میں مشرقی پاکستان میں کی جانے والی نا عاقبت اندیشی کا ذکر کرتے ہوئے قادیانیوں خصوصاً ایم ایم احمد کی وطن دشمن سرگرمیوں کا بھی ذکر کیا گیا تھا۔

اکتوبر ۱۹۷۱ء میں مولانا نے ایک پریس کانفرنس کے ذریعہ ملک کے مسائل حل کرنے کے لئے ایک ۵ نکاتی فارمولا پیش کیا جس کی ملک گیر پیمانے پر تشہیر بھی ہوئی ان نکات میں بھی قادیانی مسئلہ تھا۔ کیونکہ مولانا نے اسے کبھی پاکستان کی سلیمت سے الگ متصور نہ کیا۔ وہ نکات یہ تھے:-

☆ اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کیا جائے۔

☆ مشرقی پاکستان کے مسئلہ کا سیاسی حل تلاش کیا جائے۔

☆ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

☆ قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔

☆ ۵۴ء کے دستوری مسودہ کو دستور کی بنیاد کے طور پر اختیار کیا جائے۔

بعد ازاں جب ذلفقار علی بھٹو برسر اقتدار آگئے اور پاکستان کی قومی اسمبلی کا پہلا باقاعدہ اجلاس مارشل لاء کی تلواری کے زیر سایہ ۱۴ اپریل ۱۹۷۲ء کو بلایا گیا تو وہاں موجود مولانا نورانی نے اپنے سابقہ موقف کا اعادہ کیا اور پارلیمانی تاریخ میں پہلی بار پارلیمنٹ کے اندر مسلمان کی تعریف آئین میں شامل کرنے کا مطالبہ پیش کیا۔ انہوں نے ۱۵ اپریل ۱۹۷۲ء کو قومی اسمبلی سے خطاب کیا۔ آپ کی تقریر روداد قومی اسمبلی کے صفحات ۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰ پر شائع ہوئی ہے مولانا نے فرمایا۔

”عبوری دستور میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کا صدر مسلمان ہوگا۔ مگر مسلمان کون ہے اس کی وضاحت نہیں۔ اس ملک میں اسلام کے بدترین قسم کے دشمن موجود ہیں۔ وہ مسلمان بن کر یہاں حکومت کر سکتے ہیں اور چور دروازے سے حکومت کرنے یہاں آ سکتے ہیں۔ مسلمان صرف وہ ہے جو اللہ کی وحدانیت اور حضور اکرم ﷺ کے آخری نبی ہونے پر یقین رکھتا ہے۔ مرزائی اور قادیانی مسلمان نہیں ہیں۔ پھر یہ کیسے چور دروازہ سے آ کر اسلام کے نام پر حکمران بن سکتے ہیں“ (اقتباس)

اتفاق کہئے یا میری خوش نصیبی کہ اس تاریخی موقع پر میں بھی مہمانوں کی گیلری میں موجود تھا۔ اور میں نے اپنی آنکھوں سے حکمران پارٹی کے اراکین کی جانب سے ہنگامے اور مولانا کی تقریر کے دوران مداخلت کا مظاہرہ دیکھا سابق وزیر اطلاعات و نشریات مولانا کوثر نیازی نے تو تقریر کے بعد یہ تک کہہ دیا۔

”میں چیلنج کرتا ہوں کہ علماء مسلمان کی کوئی متفقہ تعریف ایوان کے سامنے پیش نہیں کر سکتے

یہاں تک کہ جمیعت علماء پاکستان کے تمام اراکین بھی ایک تعریف پر متفق نہیں ہو سکتے“۔ (اقتباس)

جمیعت علماء پاکستان کے رکن قومی اسمبلی اور پارلیمانی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر علامہ عبدالمصطفیٰ

الازہری نے فوراً یہ چیلنج قبول کیا انہوں نے اپنی تقریر میں بھی مولانا نورانی کے موقف کی تائید کی اور کہا!

”ہم چاہتے ہیں کہ اجمالی طور پر اور اختصار کے ساتھ مسلمان کی تعریف اس آئین میں آجائے تاکہ جو لوگ لفظ مسلم سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور وہ لفظ اسلام کی تعریف میں نہیں آتے ان کے لئے اس لفظ سے استفادہ کرنے کا سدباب ہونا چاہئے مسلمان کی تعریف کے سلسلے میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں اور جو چیئرمین مولانا کوثر نیازی نے دیا ہے۔ ہم اس کو قبول کرتے ہیں اور مسلمان کی متفقہ تعریف ہر وقت پیش کرنے کیلئے تیار ہیں“ (اقتباس)

اس کے بعد ستمبر ۱۹۷۲ء میں جب ترجمان اہلسنت کراچی کا ختم نبوت نمبر شائع ہوا تو اس میں مولانا شاہ احمد نورانی کا ایک معرکتہ لآ رائٹریو بھی شامل تھا جسے حضرت مولانا ابوداؤد محمد صادق صاحب نے اپنی کتاب ”شاہ احمد نورانی“ میں بھی شامل کیا ہے۔ اور یہ انٹرویو خود اپنی جگہ ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس انٹرویو میں مولانا نے قادیانیت سے متعلق اپنا موقف بہت واضح طور پر بیان کیا ہے۔

قومی اسمبلی کی آئین ساز کمیٹی نے جب اپنا کام شروع کیا تو اس کے اجلاس میں بھی جمعیت کے قائد مولانا شاہ احمد نورانی نے ہی پہلی مرتبہ ترمیم مسلمان کی تعریف و ریاست کا سرکاری مذہب اسلام قرار دینے سے متعلق پیش کی۔ آئینی مذاکرات کے دوران مولانا کو اپنے اس مطالبہ کو تسلیم کرانے کے لئے واک آؤٹ کی دھمکی دینا پڑی۔ مذاکرات کے دوران مولانا نے سیاسی تدبیر کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایوان اسمبلی میں پیش کردہ مسلمان کی تعریف کے انگریزی ترجمے پر انٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار سے اتفاق رائے کرایا۔ واضح رہے کہ یہ ترجمہ جمعیت کے قابل فخر رہنما پروفیسر شاہ فرید الحق نے کیا تھا۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مستقل دستور پر مولانا شاہ احمد نورانی اور ان کے ساتھیوں نے رائے شماری میں یہ کہہ کر حصہ نہیں لیا کہ ہمارے بہت سے مطالبات مان لئے گئے ہیں لیکن ابھی دستور مکمل طور پر اسلامی نہیں ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ کلیدی عہدوں کے لئے بھی مسلمان کی پابندی ہونی چاہیے۔ (مولانا شاہ احمد نورانی اور تحریک ختم نبوت صفحہ ۱۱۸ از مولانا ظہور الحسن بھوپالی)

مولانا ابوداؤد محمد صادق صاحب رقمطراز ہیں کہ۔

امام انقلاب حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی صاحب نے مقام مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ اور حضور خاتم النبیین ﷺ کی عظمت و رفعت اور شان و شوکت کو بلند رکھنے کے لئے ۳۰ جون ۱۹۷۴ کو قومی

اسمبلی میں ایک تاریخی قرارداد پیش فرمائی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے قرارداد کا مسودہ تیار کرنے کے بعد خان عبدالولی خان سے آپ نے فرمایا خان صاحب آج شام میں آ رہا ہوں قرارداد کے مسودے پر آپ کے دستخط کروانے ہیں شام کو آپ خان صاحب کے پاس تشریف کے گئے خان صاحب نے پوچھا ”مولانا فرمائیے کیا حکم ہے علامہ نورانی صاحب نے فرمایا کہ یہ مسودہ ہے بولے کیا اس پر میرے دستخط چاہیں میں نے کہا آپ کے دستخط سب سے پہلے ہوں گے علامہ نورانی صاحب نے کہا کہ آپ مسودہ ایک نظر دیکھ لیں بولے کوئی ضرورت نہیں اور بلا تردد انہوں نے قرارداد کے مسودے پر دستخط کر دیئے اس وقت غوث بخش بزنجو صاحب ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے بھی بلا لیت و لعل دستخط کر دیئے۔

اس قرارداد پر حزب اختلاف کے ۲۲ افراد (جن کی تعداد بعد میں ۳۷ ہو گئی) نے دستخط کئے۔ البتہ جمعیت العلماء اسلام کے (دیوبندی مکاتب فکر) مولوی غلام غوث ہزاروی اور مولوی عبدالحکیم نے اس قرارداد پر دستخط نہیں کئے۔ اس تحریک میں امام نورانی کو قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی اور رہبر کمیٹی کا ممبر منتخب کر لیا گیا۔ آپ نے پوری ذمہ داری کے ساتھ دونوں کمیٹیوں کے اجلاس میں شرکت کی۔ آپ نے قادیانیت سے متعلقہ ہر قسم کا لٹریچر اسمبلی کے ممبروں میں تقسیم کرنے کے علاوہ ممبروں سے ذاتی رابطہ بھی قائم کیا۔ اور ختم نبوت کے مسئلہ سے انہیں آگاہ کیا۔ اس تحریک میں تین ماہ کے دوران آپ نے صرف پنجاب کے علاقے میں تقریباً چالیس ہزار میل کا دورہ کیا۔ ڈیڑھ سو شہروں قصبوں اور دیہاتوں میں عام جلسوں سے خطاب کرنے کے علاوہ سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیا۔ (مولانا شاہ احمد نورانی۔ صفحہ ۱۶۰ از مولانا ابوداؤد محمد صادق صاحب)

قرارداد جب اسمبلی میں پیش کرنے کے لئے آپ سپیکر قومی اسمبلی صاحبزادہ فاروق علی خان کے چیمبر میں گئے تو ادھر وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو بھی تشریف فرما تھے۔ وزیراعظم کے ساتھ آپ کی جو گفتگو ہوئی وہ بھی قابل مطالعہ ہے جناب سلیم مست قادری صاحب کی زبانی اس گفتگو کا خلاصہ ملاحظہ فرمائے۔ آپ فرماتے ہیں۔

جب آپ قرارداد کا مسودہ صاحبزادہ فاروق علی خان سپیکر قومی اسمبلی کو پیش کرنے کے لئے

ان کے چیمبر میں تشریف لے گئے وزیر اعظم مسٹر ذولفقار علی بھٹو اور حفیظ پیرزادہ بھی اس وقت وہاں موجود تھے مسٹر ذولفقار علی بھٹو اس وقت بہت پریشان تھے اور وہ اس قرارداد کے پیش کرنے پر علامہ نورانی سے خفا تھے ان کا موقف تھا کہ مولانا آپ نے میرے لئے خواجواہ ایک مسئلہ اور مصیبت کھڑی کر دی ہے مسٹر بھٹو کہنے لگے دیکھئے مولانا قومی اسمبلی کو قومی اسمبلی رہنے دیں کیا اب اسمبلی میں مجلس مناظرہ ہوگی وغیرہ غیر مسٹر بھٹو کا موقف یہ تھا کہ آپ لوگ مرزائیوں کو خارج از اسلام قرار دیتے ہیں اس سلسلے میں علماء کرام کے فتوؤں سے ہم نے انکار تو نہیں کیا پھر اس معاملے کو قومی اسمبلی میں لانے کی کیا ضرورت تھی بھٹو نے کہا کہ یہ سب جنون کی باتیں ہیں علامہ نورانی صاحب نے کہا بھٹو صاحب! یہ سب محض مذہبی مسئلہ نہیں ہے پاکستان کے اندر یہ مسئلہ بہت حد تک سیاسی بن چکا ہے مسٹر بھٹو نے کہا مرزا ناصر الدین نے جو بیان دیا ہے کہ یہ سب یک طرفہ ہے آپ نے کہا کہ اس کا حل یہ ہے کہ آپ مرزا ناصر الدین کو بلا لیجئے بھٹو کہنے لگے مرزا ناصر الدین کو اسمبلی میں کیسے بلایا جاسکتا ہے علامہ نورانی نے کہا کہ مرزا ناصر الدین کو کیمرے میں بلایا جاسکتا ہے اسے پارلیمنٹ ان کیمرہ کہتے ہیں کوئی شخص اس میں نہیں آسکتا البتہ ہم اراکین پارلیمنٹ ہوں گے مرزا صاحب آئیں اور اپنا بیان دے دیں آپ ان کی سن لیجئے اس کے بعد قومی اسمبلی جو مناسب سمجھے گی کرے گی۔ اس قرارداد پر قومی اسمبلی میں دو ماہ سات روز تک بحث ہوتی رہی اسی دوران بھٹو صاحب سے اسی سلسلہ میں آپ کی تین میٹنگز ہوئیں میٹنگ رات دو بجے تک چلتی تھی۔ اس میں سردار شیر باز مزاری، حاجی مولا بخش سومرو (الہی بخش سومرو کے باپ) اور جسٹس افضل چیمہ بھی موجود تھے۔ بھٹو صاحب نے کہا کہ اس قرارداد کے منظور ہونے سے پاکستان پیپلز پارٹی کی بہت بدنامی ہوگی۔ لوگ پاکستان پیپلز پارٹی کو ایک سیکولر پارٹی سمجھتے ہیں۔ امام نورانی نے کہا کہ اگر کچھ لوگ اس طرح کی باتیں کرتے بھی ہیں۔ تو آپ کو ان کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ بات پیپلز پارٹی کے منشور میں شامل ہے کہ اسلام ہمارا دین ہے۔ بھٹو صاحب بڑی مشکل سے قائل ہوئے تو انہوں نے یہ قرارداد اسمبلی سے باہر اپنی پارٹی کے اراکین کے سامنے رکھی۔ جے رحیم اور شیخ رشید نے اس کی بہت شدید مخالفت کی۔ مگر بھٹو صاحب نے کہا کہ یہ اسلام کی بات ہے مذہب کا معاملہ ہے۔ پیپلز پارٹی اس کی مخالفت نہیں کرے گی۔ جے رحیم نے قرارداد کی مخالفت میں بہت ہنگامہ کیا وہ نہیں جانتے

تھے کہ یہ قرارداد اسمبلی میں منظور ہو۔ اس دوران قادیانی بھی اپنا کام کرتے رہے اور مسلمان ممبروں کے کان بھرتے رہے۔ چنانچہ ایک رکن اسمبلی نے حضرت امام نورانی سے کہا کہ مرزا ناصر قادیانی کہتا ہے کہ جب کوئی مسلمان فتانی الرسول کے جذبے سے سرشار ہو کر مقام صدیقیت پر فائز ہو جاتا ہے تو اس کیلئے نبوت کی کھڑکی کھل جاتی ہے۔ امام نورانی نے یہ بات سن کر اس ممبر سے کہا کہ مرزا ناصر قادیانی کا یہ کہنا ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی یہ کہے کہ جب مسلمان عبادت و ریاضت سے فتانی اللہ کا درجہ حاصل کر لے تو اس کیلئے الوہیت کی کھڑکی کھل جاتی ہے۔ یہ جواب اس ممبر کی سمجھ میں آ گیا۔ اس نے کہا کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ (فاتح مرزائیت صفحہ ۱۸ از جناب سلیم مست قادری صاحب)

مفکر اسلام پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب سے آگرہ کے اکبر عادل صاحب سی۔ ایس۔ پی ریٹائرڈ سیکرٹری وزارت صنعت و حرفت حکومت پاکستان نے ذکر کیا ہے کہ ”آپ کے صدر جمعیت عجیب آدمی ہیں کہ محض اپنی قرارداد سے دو لفظوں کے اخراج پر انہیں بہت بڑی رقم مل رہی تھی جو انہوں نے ٹھکرا دی مفصل واقعہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ اسلام آباد میں تحریک ختم نبوت کے دوران میرے مکان پر علامہ شاہ احمد نورانی کی دعوت تھی کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے کہ بعض آدمی مرزائی فرقہ کے لاہوری گروپ سے متعلق وہاں آئے اور پوچھا کہ معلوم ہوا ہے آپ کے ہاں مولانا نورانی تشریف فرما ہیں ہم ان سے بات کرنا چاہتے ہیں میں ان لوگوں کو اندر لے گیا اور حضرت نورانی صاحب سے کہا کہ یہ لوگ آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں حضرت نے فرمایا کیا بات ہے ان لوگوں میں تین چار سرکاری افسر بھی تھے ایک صاحب نے کہا جناب ہم نے سنا ہے کہ آپ نے اپنی قرارداد میں لاہوری گروپ کو بھی غیر مسلم قرار دیا ہے حالانکہ ہم مرزائی قادیانی کو نبی نہیں مانتے لہذا آپ کی قرارداد میں ہمارا ذکر درست نہیں ہے آپ یوں کریں کہ اپنی قرارداد سے ہمارا نام نکال دیں ہم اس کے عوض آپ کو پچاس لاکھ روپے پیش کرتے ہیں۔

علامہ نورانی نے فرمایا آپ کی پیشکش ہمارے جوتے کی نوک پر ہے اس لئے کہ ہمارا جوتا اس پیش کش سے قیمتی ہے مرزائی دعویٰ نبوت ہے اور جو اسے مصلح یا مسلمان مانتا ہے وہ بھی کافر ہے اور میری قرارداد سے کوئی لفظ حذف نہیں ہوگا آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں وہ لوگ چلے گئے تو علامہ نورانی

نے فرمایا کہ کئی ایسے سرکاری افسر ہیں کہ وہ ان لوگوں کی سفارش کرتے ہیں کہ صاحب ان لوگوں کا آپ کیوں ذکر لے آئے ہیں یہ تو نبی نہیں مانتے لیکن الحمد للہ اللہ کریم نے استقامت عطا فرمائی ہے یہ پیسے آنی جانی چیز ہے اصل دولت ایمان کی دولت ہے جو سرمایہ آخرت ہے۔ (مولنا شاہ احمد نورانی صفحہ ۱۱۵ از ابوداؤد محمد صادق)

عشق رسالت مآب ﷺ میں غرق شاہ احمد نورانی کی قادیانیت سے اظہار نفرت کا تذکرہ کرتے ہوئے عالمی مبلغ اسلام اور سابق سیکرٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن جناب علامہ ارشد القادری صاحب فرماتے ہیں۔

سرینام جو ساؤتھ امریکہ میں واقع ہے۔ وہاں پر عید میلاد النبی ﷺ کا جلسہ تھا۔ اس جلسہ میں سرینام کے وزیر اعظم کو مدعو کیا گیا تھا۔ جلسہ گاہ میں اسٹیج پر پروفیسر سید شاہ فرید الحق، میں علامہ ارشد القادری اور دیگر علماء کرام تشریف فرما تھے۔ امام شاہ احمد نورانی صاحب تقریر فرما رہے تھے۔ وزیر اعظم سرینام اپنے ساتھ ایک وزیر کو لے کر آیا۔ سوئے اتفاق کہیں کہ وہ وزیر قادیانی تھا۔ اور امام شاہ احمد نورانی اسے جانتے تھے کہ یہ قادیانی ہے۔ جیسے ہی وزیر اعظم نے اسٹیج پر قدم رکھا۔ امام نورانی نے ان کا خیر مقدم کیا اور فرمایا کہ پرائم منسٹر صاحب آپ ہمارے مہمان ہیں۔ آپ تشریف رکھیے اور قادیانی وزیر کی طرف دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ ”خبیث“ کہاں سے آ گیا۔ پرائم منسٹر صاحب آپ اس کو یہاں سے ہٹائیے گا آپ کی مہربانی ہوگی۔ یہ قادیانی ہے یہ ہمارے اسٹیج پر نہیں بیٹھ سکتا۔ چنانچہ وزیر اعظم کو مجبور ہو کر اس قادیانی وزیر سے یہ کہنا پڑا کہ اچھا تم چلے جاؤ۔ اس طرح وہ قادیانی چلا گیا۔ علامہ ارشد القادری صاحب نے درد بھرے لہجے میں کہا کہ لوگوں نے امام شاہ احمد نورانی کو سمجھا نہیں ہے۔ جب وہ نہیں رہیں گے اس وقت آپ سمجھیں گے۔ اس وقت سمجھنا بے کار ہوگا۔ امام نورانی نے پاکستان کی قومی اسمبلی میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلایا اور پوری دنیا نے اس فیصلے کی پیروی کی۔

قسم خدا کی اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ایسا مرد مجاہد بے لوث، نڈر، بے خوف، جسمہ حق و صداقت، قادیانیوں کے لئے ننگی تلوار اور ایسا مستغنی قائد میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اس لئے آپ کو ایسے بے باک قائد کی قدر کرنی چاہئے۔ (فاتح مرزا بیعت از سلیم مست قادری)

آپ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی ذمہ داری بھی قادیانی گروہ کے ذمہ لگاتے ہیں۔ ”ماہنامہ ترجمان اہلسنت“ کو انٹرویو دیتے ہوئے آپ نے سقوط ڈھاکہ کے اسباب و مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مشرقی پاکستان میں ان کے لئے پھلنے پھولنے کا موقع میسر نہیں ہے جیسے کہ مغربی پاکستان میں ہے۔ مشرقی پاکستان کے عوام قادیانیوں کے سلسلے میں حد درجہ جذباتی اور ان سے متنفر ہیں۔ جیسا کہ مسلمانوں کو ہونا چاہئے۔ مشرقی پاکستان کے عوام کسی طرح مرزائیوں کو قبول نہیں کرتے۔ اور سب سے بڑا مقصد تو یہ تھا کہ سب سے بڑی اسلامی مملکت کے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھیر دیا جائے۔ اور خاص طور پر اس خطے کو جس میں سو فیصد صحیح العقیدہ یعنی اہلسنت و جماعت حنفی مسلمان ہیں تباہ و برباد کر دیا جائے۔

چونکہ مشرقی پاکستان اکثریت میں تھا اور اگر وہ آجاتے تو ان کو سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ مغربی پاکستان کے مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ سخت رویہ اختیار کرتے۔ اس کے مشاہدہ کا موقع مجھے مجیب الرحمن سے ملاقات میں ہوا۔ دوران گفتگو مجیب الرحمن نے مجھ سے کہا کہ دیکھئے کہ ایم۔ ایم احمد ڈھاکہ میں مارا مارا پھرتا ہے یہاں پر اس کا کوئی کام نہیں اور کوئی مقصد نہیں۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتا تھا مگر میں نے انکار کر دیا۔ بعد میں اس کی درخواست پر ملاقات ہو گئی۔ ساتھ ہی مجیب نے کہا۔ کہ یہ قادیانیت اور مرزائیت مغربی پاکستان کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مشرقی پاکستان میں یہ جانور نہیں ملتا۔

اخبارات اس کے گواہ ہیں اور تفصیل کے ساتھ یہ واقعات اخبارات میں آئے ہیں کہ قادیان میں رہنے والے قادیانیوں نے سب سے پہلے باقاعدہ بنگلہ دیش تسلیم کر لیا ہے۔ اور انہوں نے بنگلہ دیش کی حمایت کا بھی اعلان کر دیا ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے باقاعدہ اس بات کا اعلان کیا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان ایک ہو کر رہیں گے۔ ان کے ساتھی اب بھی یہ کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ ان کا مرکز قادیان رہے کیونکہ وہی ان کا قبلہ و کعبہ ہے۔ اور وہ براہ راست اپنے مرکز سے رابطہ قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ (ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی ختم نبوت نمبر اگست ۱۹۷۲)

قادیانیوں کی طرف سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی سازشوں کے دوران اس ملک کو ان کی مذموم سرگرمیوں سے بچانے کے لئے قائد اہل سنت نے بہت طویل جدوجہد کی آپ نے قادیانیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے عوام الناس اور حکمرانوں کو بروقت اس مذموم فتنہ سے آگاہ کیا اور اس فتنہ کی بیخ کنی کے لئے نہ صرف اسمبلی کے اندر اور باہر بلکہ بیرونی ممالک کے طویل دورے کر کے شب و روز کام کیا۔

علاوہ ازیں جب ظفر اللہ قادیانی عالمی عدالت انصاف کا چیف جسٹس تھا اس نے ڈن ہاک (ہالینڈ) میں ایک مسجد بنوا کر قادیانیت کی تبلیغ کا اڈہ کھول لیا تو آپ نے بہت کوشش کر کے اس مسجد کے قریب ہی اندازاً ۱۲ ایکڑ زمین حاصل کر کے اس پر جامع مسجد طیبہ تعمیر کرا دی اور ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں ایک پلیٹ فارم بنا کر تبلیغی کام شروع کر دیا۔ جو بفضلہ تعالیٰ آج بھی جاری ہے۔ ہالینڈ میں قادیانیت کو پھیلنے سے روکنے میں جامع مسجد طیبہ (ڈن ہاک) کا اہم کردار ہے۔

۱۹۵۶ء میں آپ مولانا عبدالحامد بدایونیؒ کی رفاقت میں مصر گئے اور مصر کے صدر جمال عبد الناصر سے ملاقات کے دوران اسے مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت اور قادیانیوں کی سازشوں اور تباہ کاریوں سے آگاہ کیا تو جمال عبد الناصر نے مصر میں موجود تمام قادیانیوں کو ایک ماہ کے اندر مصر سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ اور آئندہ سے انکا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔

۱۹۷۱ء میں یحییٰ خان نے پارلیمانی لیڈروں سے ملاقات کی جب مولانا نورانی کو مینٹنگ کی دعوت دی گئی تو آپ نے ایم ایم احمد قادیانی کو تمام مسائل کی جڑ قرار دیتے ہوئے اسکی موجودگی میں کسی قسم کے مذاکرات سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ایم ایم احمد کو اگرچہ وہ منصوبہ بندی کمیشن کا چیئر مین تھا مینٹنگ سے اٹھا دیا گیا۔

مولنا اصغر علی روجیؒ

(۱۸۶۷-۱۹۵۷ء)

جناب مولنا عبدالحکیم شرف قادری صاحب حضرت مولنا اصغر علی روجیؒ کا تعارف کراتے ہوئے رقمطراز ہیں:

مولانا اصغر علی روجیؒ ابن مولنا شمس الدین ابن میاں پیر بخش بن رکن الدین (رحمہم اللہ تعالیٰ) ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۷ء میں دریائے چناب کے کنارے واقع قصبہ کٹھیا لہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والد ماجد کا انتقال ہو گیا، ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور آئے اور اپنے دور کے ممتاز فضلاء مولنا فیض الحسن سہارنپوریؒ مفتی عبداللہ ٹونکی، مولوی عبدالحکیم کلانوری اور مولوی قاضی ظفر الدین سے استفادہ کر کے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کئے اور ایم۔ او۔ ایل کی ڈگری حاصل کی (تذکرہ اکابر اہل سنت صفحہ ۶۰ جلد اول مرتبہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب۔)

آپ اور نئیل کالج لاہور کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۲ سے ۱۹۳۱ء تک اسلامیہ کالج لاہور کے شعبہ عربی کے پروفیسر رہے۔ اس کے بعد اگرچہ پیرانہ سالی کی وجہ سے یہ سلسلہ جاری نہ رکھا لیکن انجمن حمایت اسلام نے ازراہ قدردانی چار صد روپیہ تاحیات مشاہرہ مقرر کر دیا۔ علامہ مرحوم تمام زندگی شریعت مبارکہ کے پابند رہے۔ ظاہری تکلفات سے بے نیاز رہے آپ کو عربی و فارسی زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا اور دونوں زبانوں میں بلا تکلف شعر کہتے تھے (فارسی گویان پاکستان صفحہ ۲۶۱-۲۶۲ جلد اول از سید ڈاکٹر سبط حسن رضوی۔)

آپ نے کثیر کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ کا وصال ۱۹۵۳ء/۱۳۷۳ھ میں ہوا آپ کا مزار مبارک کٹھالہ میں مسجد سے ملحق برب شاہراہ عظیم (جی ٹی روڈ) واقع ہے۔

آپ کی دیگر اہم خدمات سے انکار ممکن نہیں لیکن سر دست میں آپ کی ردِ قادیانیت کے

سلسلہ میں کی جانی والی خدمات کا تذکرہ کرونگا۔ اس سلسلہ میں جناب پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی رانا صاحب (پرنسپل گورنمنٹ کالج قصور) کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنے اس گرانقدر مقالہ سے استفادہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی جو انہوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کی خاطر ”مولانا اصغری علی روچی“ احوال و آثار اور ان کے عربی دیوان و شعر کی جمع تدوین کے عنوان سے قلمبند فرمایا تھا۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقالہ کے صفحہ ۹۲ تا صفحہ ۱۰۲ تک ”مذہب باطلہ کا رد“ کے عنوان سے فرقہ و قادیانیہ کے رد کے سلسلہ میں آپ کی خدمات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

مذہب باطلہ کا رد

۱۔ ابوالقاسم رفیق دلاوری صاحب مرحوم اپنی گراں قدر کتاب ائمہ تلمیس میں لکھتے ہیں۔ (ص ۱۹۵) مرزا قادیانی نے ازراہ نادانی اپنے رسالہ اعجاز احمدیہ کو معجزہ کی حیثیت سے پیش کر کے علمائے امت سے اس کا جواب لکھنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس چیلنج کے جواب میں قاضی ظفر الدین صاحب مرحوم جو ہمارے ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے اور مولانا اصغری علی صاحب روچی اور بعض دوسرے علماء نے اس سے کہیں بہتر عربی قصائد لکھ کر شائع کر دیئے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے دوسرے علمائے حق کی طرح کوئی قصیدہ تو نہ لکھا البتہ ایک مہتمم بالشان کا رنامہ یہ انجام دیا کہ سیف چشتیائی میں ”اعجاز المسیح“ کے اغلاط اور مسروقات کا انبار لگا کر مرزائی عربی دانی کی دھجیاں بکھیر دیں۔

۲۔ دلاوری صاحب اسی کتاب کے دوسرے مقام پر یوں رقمطراز ہیں۔ اس نام نہاد قصیدہ کے مقابلہ میں قاضی ظفر الدین صاحب مرحوم سابق پروفیسر اور ٹیچل کالج لاہور جو ہمارے ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ ایک قصیدہ بنام قصیدہ رائیہ شائع کیا جس کے ۱۱۲ اشعار نمونہ کتاب الہامات مرزا صفحہ ۱۰۳.....۱۰۵ میں نقل کئے گئے ہیں۔ اعجاز احمدی کے جواب میں مولانا غنیمت حسین صاحب مونگیری نے بھی ایک کتاب ”ابطال اعجاز مرزا“ دو حصوں میں لکھی پہلے حصہ میں مرزائی لظم کے اغلاط ظاہر کئے اور دوسرے حصہ میں سواچھ سواشعار کا نہایت فصیح و بلیغ عربی قصیدہ لکھا۔ یہ رسالہ چھپ چکا ہے اور پنجاب

میں بعض حضرات کے پاس موجود ہے۔ مولانا اصغر علی صاحب سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے بھی اعجاز احمدی کے جواب میں ایک قصیدہ شائع کیا۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ تھا۔

تسیر الی ربح الحبيب الزوامل فيالك شوقا هيجته المنازل

(اوشنیاں منزل حبیب کی طرف جارہی ہیں۔ اللہ رے وہ شوق جس کو منازل نے ابھارا

ہے)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ انہوں نے مرزا کی بعض عربی کتب میں سے شرمناک قسم کی غلطیاں نکال کر مرزا کو لکھ بھیجیں۔ مرزا نے اخبار الحکم مورخہ ۱۷/ اکتوبر ۱۹۰۳ء ص ۵) قادیان میں یہ لکھ کر ان سے پیچھا چھڑایا کہ نہ میں عربی کا عالم ہوں اور نہ شاعر ہوں۔ (ائمہء تلبیس ص ۲۸۰)

ایک دفعہ انہوں نے مرزا کے رسالہ ”حماتہ البشری“ کی غلطیاں نکال کر مرزا کے حواری خواجہ کمال الدین کو خفا کر دیا تھا۔ یہ واقعہ رئیس قادیاں میں ملاحظہ فرمائیے۔ (افسوس کہ دلاوری صاحب مرحوم اپنی کتاب رئیس قادیاں کی پہلی دو جلدیں لکھ کر اللہ کو پیارے ہو گئے اس لئے مذکورہ بالا واقع طبع شدہ جلدوں میں موجود نہیں غالباً کسی اگلی جلد میں اسے لکھنے کا ارادہ ہوگا جو پورا نہ ہو سکا)

۳۔ کتاب رئیس قادیاں مرتبہ ابوالقاسم رفیق دلاوری بعنوان باب ۵۸ میں ”حکیم نور الدین سے مولانا اصغر علی روحی کی ایک علمی جھڑپ“ حسب ذیل دلچسپ واقعہ درج ہے۔

قادیانی صاحب سخن سازی اور پروپیگنڈا بازی کے فن میں تو طاق تھے لیکن علمی استعداد سے ایک بڑی حد تک بے نصیب تھے۔ البتہ مولوی حکیم نور الدین اور مولوی محمد احسن امر وہی مرزائیوں میں ذی علم اور صاحب استعداد ہستیاں مانی جاتی تھیں۔ یہی وہ دو شیر تھے جن کے سہارے الہامی صاحب اتنا زمانہ فضائے تعلی میں پرواز کرتے رہے۔ پھر ان دونوں میں حکیم نور الدین کو خاص اہمیت حاصل تھی بلکہ وہی مرزائیت کی عمارت کے بانی و مؤسس تھے اور مرزا جی تو محض آلہء کار اور کٹھ پتلی کا حکم رکھتے تھے۔ جب حکیم صاحب پیچھے سے ڈوری کھینچتے تو یہ پتلی حرکت میں آ جاتی۔ ایک مرتبہ بانی سلسلہ حکیم نور الدین

لاہور آ کر بٹھہرے تو مولانا اصغر علی روحی سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور ان کے دیکھنے کے لئے گئے۔ اس وقت مولانا اصغر علی صاحب کا عنقوان شباب تھا۔ ان کے جانے سے پیشتر مولوی زین العابدین مدرس عربی اسلامیہ ہائی سکول دروازہ شیر انوالہ لاہور جو مولوی غلام رسول ساکن قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ کے اقرباء میں سے تھے، حکیم صاحب سے گفتگو کر رہے تھے۔ مولوی زین العابدین اچھے مقرر نہیں تھے۔ ایک سوال کے جواب میں مولوی زین العابدین نے کہا کہ اس سے تو ترجیح بلا مرجع لازم آئے گی۔ حکیم نور الدین نے کہا کہ ترجیح بلا مرجع تو محض منطقیوں کا ایک ڈھکوسلہ ہے ترجیح بلا مرجع جائز ہے۔ مولوی زین العابدین نے پوچھا وہ کیسے؟ حکیم صاحب نے دو روپے جیب سے نکال کر ہاتھ پر رکھے اور مولوی صاحب سے کہا ایک اٹھالیجے۔ انہوں نے ایک روپیہ اٹھایا۔ پوچھا اس دوسرے کو کیوں نہیں اٹھایا؟ مولوی زین العابدین سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ مولانا اصغر علی صاحب ایک طرف بیٹھے تھے مولوی زین العابدین سے کہنے لگے مولوی صاحب کہہ دیجئے کہ ارادہ ازلی اس ایک اٹھانے سے متعلق تھا دوسرے سے متعلق نہیں تھا۔ یہی وجہ ترجیح ہے۔ حکیم نور الدین نے کہا بس صاحب یہ ٹھیک نہیں۔ یا یہ بولیں یا آپ گفتگو کر لیں۔ مولوی زین العابدین روحی صاحب سے کہنے لگے اچھا آپ آ کر گفتگو فرمائیے۔ اس مجلس میں فقیر جلال الدین مرحوم مجسٹریٹ بھی موجود تھے۔ وہ بولے ہاں مولوی صاحب آپ آئیے اور گفتگو فرمائیے۔ غرض مولانا روحی کو زبردستی ان کے مقابل کر دیا۔

اس سے پیشتر حکیم صاحب بہت لافیں مار چکے تھے کہ ہم نے مصر سے منطق کی ایک نئی کتاب منگوائی ہے جس میں منطقیوں کی متعدد تھیوریاں غلط اور باطل ثابت کی گئی ہیں اس سلسلہ گفتگو میں وہ امام غزالی اور امام رازی پر بھی ہاتھ صاف کر گئے تھے۔ روحی صاحب نے سوال کیا کہ آپ نے منطق کو باطل کیا ہے کیا ساری منطق باطل ہے یا اس کے کوئی خاص قواعد یا اس کا کوئی حصہ؟ حکیم نور الدین نے کہا یہ بتانا تو مشکل ہے کہ منطق کا کتنا حصہ باطل اور کتنا صحیح ہے۔ مولانا اصغر علی نے فرمایا کہ اگر یہ نہیں بتلا سکتے تو ممکن ہے کہ آپ اثنائے گفتگو میں کسی سوال کے جواب میں کہہ دیں کہ یہ غلط اصول پر مبنی ہے۔ اس کو نہیں ماننا اسلئے جب تک یہ مسئلہ صاف نہ ہو جائے کہ آپ کون کون سے اصول مانتے ہیں اور کون کون سے نہیں مانتے۔ اس وقت تک گفتگو بیکار ہے۔ حکیم صاحب لا جواب ہو گئے اور سوچنے لگے۔ ان

ایام میں مولانا روجی کی رگوں میں جوانی کا خون دوڑ رہا تھا جب دیکھا کہ حکیم صاحب کے منہ پر بالکل مہر سکوت لگ گئی تو جوش میں آ کر کہنے لگے۔ اسی برتے پر آپ نے امام غزالی اور امام رازیؒ پر حملہ کر دیا تھا۔ یہی آپ کی استعداد ہے؟ آپ کو تو مدل والے لڑکوں کے برابر بھی لیاقت نہیں۔

یہ سن کر مولوی محرم علی چشتی اور فقیر جلال الدین کہنے لگے۔ نہیں مولوی صاحب جانے دیجئے ایسا نہیں ہے۔ چونکہ نماز عصر کا وقت قریب تھا۔ یہ لوگ کہنے لگے اچھا کسی دوسرے موقع پر گفتگو ہوگی۔ مولانا روجی چل آئے اور یہ خبر بجلی کی رو کی طرح شہر میں پھیل گئی کہ روجی صاحب نے حکیم نور الدین کو پچھاڑ دیا۔ (رئیس قادیان۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۳)

پھر دوسری مرتبہ حکیم نور الدین حویلی کابلی مل میں آ کر اقامت پذیر ہوئے۔ صوفی غلام محی الدین وکیل انجمن حمایت اسلام لاہور اور مولوی زین العابدین مذکور روجی صاحب کے مکان پر گئے اور کہا کہ حکیم نور الدین آئے ہوئے ہیں۔ آپ چل کر مرزا کے دعاوی کے متعلق ان سے گفتگو کیجئے۔ روجی صاحب نے کہا۔ اغلب ہے کہ حکیم صاحب گفتگو پر راضی نہیں ہونگے۔ مولانا روجی نے ان کے کہنے پر حکیم صاحب کو رقعہ لکھا کہ مرزا کے دعاوی باطلہ کے متعلق میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ حکیم صاحب نے جواب میں لکھا کہ چونکہ آپ میرے پیر کی توہین کرتے ہیں اسلئے میں آپ سے گفتگو کرنا نہیں چاہتا ہوں۔

اس کے بعد شاید ۱۹۱۵ء (یہ ۱۹۱۵ء نہیں ہو سکتا کیونکہ حکیم نور الدین بھیروی ۱۳ مارچ ۱۹۱۳ء کو جہنم واصل ہو گیا تھا۔ یا تو دلاوری صاحب کو سہو ہو گیا ہے یا کاتب نے غلط کتابت کر دی ہے میرے اندازہ کے مطابق یہ واقعہ ۱۹۱۳ء کا ہو سکتا ہے۔ زاہد میں حکیم صاحب لاہور آئے۔ روجی صاحب کے ایک شاگرد نے کہا کہ حکیم نور الدین آئے ہوئے ہیں۔ اگر آپ ان سے گفتگو کرنا چاہیں تو میں جا کر دریافت کروں؟ مولوی صاحب نے کہا ہاں جا کر پوچھو۔ وہ گیا اور قاضی ظہور الدین اکمل مرزائی متوطن گولیگی سے جا کر اس خواہش کا اظہار کیا۔ قاضی ظہور الدین کہنے لگے واقعی مولوی اصغر علی مناظرہ کرنا چاہتے ہیں؟ شاگرد نے کہا واقعی چاہتے ہیں۔ قاضی ظہور الدین نے حکیم صاحب سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا ہم کسی مولوی سے گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔ اصغر علی ہو یا کوئی اور۔

اس وقت بابو عبدالحق اکاؤنٹٹ نے جو کئی سال تک مرزائی بلکہ مرزا کے خاص حواری رہ

کرتا تب ہوئے تھے، مرزا کے رد میں ایک رسالہ چھپوایا تھا اور وہ شہر بھر میں مفت تقسیم کر رہے تھے۔

۴۔ اسی طرح مولانا محمد عالم آسی امرتسری اپنی کتاب الکاویہ علی الغاویہ (جو مرزا قادیانی کے رد سے متعلق ہے) میں لکھتے ہیں۔

جب مرزائیوں کو مد میں شکست فاش ہوئی تو مرزا قادیانی کو بڑا طیش آیا اور عربی نظم میں تک بندی لگانی شروع کر دی۔ فرط جوش غضب میں پانچ سو سے زیادہ شعر لکھ مارے جن میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو دل کھول کر گالیاں دیں اور جب بخار نکل گیا تو اپنے دعاوی کی رٹ لگانی شروع کر دی۔

اخیر میں جب اس سے فارغ ہوئے تو پیر صاحب اور سید علی حائری اور مولوی اصغری علی صاحب روحی وغیرہ کو کوسنا شروع کر دیا اور کچھ ایسے الفاظ بھی کہے کہ اگر ان بزرگوں کے متعلق کچھ ذرہ بھر بھی حالات درگروں ہونے کی خبر مرزائیوں کو لگ جائے تو آج بھی اس کو پیشین گوئی کے سانچے میں ڈھالیں۔ یہ

قصیدہ نام کو تو الہامیہ اور اعجازیہ ہے مگر اس قدر شاعرانہ انداز سے گرا ہوا ہے کہ اگر کسی غلط شعر کا حوالہ دینا ہو تو اس قصیدے سے بڑھ کر کوئی مصالحہ موزوں نہ ہوگا۔ بایں ہمہ مرزا قادیانی نے اپنی ہمہ دانی کا یوں غرور دکھلایا تھا کہ لوگوں کو بڑی عجلت کے ساتھ ویسا ہی جواب لکھنے پر دعوت دی جس کا جواب مولوی اصغر علی صاحب روحی اور دیگر بزرگوں نے لکھا اور اخبارات میں شائع کیا اور عموماً اہل علم نے اس کو اس لئے نظر انداز کر دیا کہ غلط اشعار کا جواب کیا دیا جائے۔ (الکاویہ علی الغاویہ صفحہ ۸۴-۸۵)

پھر اسی کتاب میں آسی صاحب نے مرزا قادیانی کے قصیدہ اعجازیہ سے ۱۲۲ اشعار نقل کئے ہیں اور ان کی غلطیاں نکالی ہیں۔ ان اشعار میں شعر نمبر ۹ میں تین بزرگوں کا نام آتا ہے۔ یعنی مولوی محمد حسین بٹالوی، قاضی ظفر الدین مرحوم اور مولانا اصغر علی مرحوم۔ وہ شعر یہ ہے

ف فکر بحدك خمس عشرة ليلة فناد حسينا او ظفرا او اصغرا

(الکاویہ علی الغاویہ ص ۳۹۸-۳۹۷)

مرزا قادیانی اپنے مخالفین کو اپنی مختلف تحریروں کے ذریعے خوب کوستا اور گالیاں تک بھی دیا کرتا تھا۔ چنانچہ اپنی کتاب انجام آتھم میں لکھتا ہے۔

اب ہم ان مولوی صاحبوں کے نام ذیل میں لکھتے ہیں جن میں سے بعض تو اس عاجز کو کافر بھی کہتے ہیں اور مفتری بھی اور بعض کافر کہنے سے تو سکوت اختیار کرتے ہیں مگر مفتری اور کذاب اور دجال نام رکھتے ہیں۔ بہر حال یہ تمام مکفرین اور مکذبین مہابہ کے لئے بلائے گئے ہیں اور ان کے ساتھ دو سجادہ نشین بھی ہیں جو مکفر یا مکذب ہیں..... وہ لوگ جو مہابہ کے لئے مخاطب کئے گئے ہیں یہ ہیں۔

مولوی نذیر حسین دہلوی، شیخ محمد حسین بٹالوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی عبدالحق حقانی مفسر دہلوی، مولوی ثناء اللہ امرتسری، مولوی عبد الجبار غزنوی، مولوی اصغر علی لاہوری، مولوی عبدالواحد غزنوی، مولوی عبدالحق غزنوی، مولوی عبداللہ ٹونگی، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، مولوی دلدار علی الوری (انجام آتھم صفحہ ۶۹)

یہ کل ۵۸ نام ہیں جن میں مولانا روحی کا نام نمبر ۱۹ پر ہے اس کے بعد سجادہ نشینوں کے ۳۸ نام ہیں جن میں ظہور الحسین صاحب گدی نشین بٹالہ، صادق علی صاحب گدی نشین پوتر چھتر، مہر علی شاہ سجادہ نشین گولڑہ بھی شامل ہیں۔

اس کے بعد ایک خط شروع ہوتا ہے جو عربی میں ہے اور اس کے نیچے بین السطور فارسی ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس خط کا عنوان یہ ہے۔ ”الکتوب الی علماء السنند و مشاخی ہذہ البلاد وغیرہا من البلاد الاسلامیہ“

اس کے بعد ایک ہمز یہ قصہ ہے۔ اس خط میں ”تسعة مہط من الاشرار“ کے زیر عنوان بعض علماء کو مذہبلا کہا گیا ہے جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

(۱) الرسل بابا امرتسرا (مولوی غلام رسول) (۲) مولوی اصغری علی لاہور (۳) مولوی محمد حسین بٹالوی (۴) مولوی نذیر حسین (۵) مولوی عبدالحق دہلوی (۶) مولوی عبداللہ ٹونگی (۷) مولوی احمد علی سہارنپوری (۸) مولوی سلطان الدین بے پوری (۹) مولوی محمد احسن امر وہی (۱۰) مولوی رشید احمد گنگوہی (۱۱) شیخ اللہ بخش تونسوی (۱۲) شیخ غلام نظام الدین تونسوی۔

مولوی رسل بابا پر دو صفحے، مولوی اصغری علی پر تین صفحے (ص ۲۳۸ تا ۲۴۰) مولوی محمد حسین پر

ساڑھے دس صفحے۔ (ص ۲۳۱ تا ۲۵۱) اس کے بعد باقیوں پر ایک ایک یا دو دو سطریں دی گئی ہیں (ان کا ذکر ص ۲۵۲ پر ختم ہو جاتا ہے اور وہ خط جاری رہ کر کتاب کے آخر تک چلا گیا ہے۔)

اس سلسلہ میں مولوی اصغر علی روجی کے متعلق جو لکھا ہے اس کی عبارت یہ ہے۔

ومن التسعة الذين اشرت اليهم رَجِيْلٌ يُقاله اصغرُ، وانه يزعم في نفسه كانه اكبرُ
 ويزدريني مفترياً من غير استحياءٍ؛ و يَسُبُّني في محافل واملاءٍ۔ فسيعلم كيف يُجعل من
 الاصغرين۔ انه يتبع الهوى ويحري طلقاً معا التقوى۔ يريد أن يفض خُتوم الشهوات
 ولوبالحنایات و يحبتي قطوف اللذات ولو بالمحرمات و كذلك تأهبت له الرفاق
 وازداد من المنافقين النفاق۔ واستحکم في الطباع الذميمة حتى سبق اخوانه في النميمة
 وما اری مذخرةً لشیطانہ الا ان ادعوه لا متحانه فاقبل عليه اقبال طالب المناضل ليتبين امر
 الجاهل والفاضل۔ وانه كان يطلبني لوغاه فاليوم نرضيه بما يهواه قد خاطبته من قبل ذات
 العویم لأزِيلَ ما علا قلبه كالغيم۔ فقلت: اتنى كالرائد و تمتع من الموائد؛ فان كنت رأيناك
 كسحاب مطيراً وثبت معك من البلاغة كميز؛ فنومن بك (ص ۲۳۹) وبحسن بيانك و
 نشیع صفات علوشانك۔ فیسوغُ لك بعداه أنتغلظناني املاء نا و تاخذ اغلاط انشائنا كما
 انت تظن كالجاهلين الغافلين۔ ومع ذلك نحسبك إنك ذو مقولٍ جرّی نابغة كلامٍ عربی۔
 ويجوز لك مالا يجوز لغيرك من ازدراء والطعن على املاء و تحمد عند الناس كالفاضلين
 المؤدبين۔ واما طرز ازدرائك قبل اثبات علمك وعلاءك فما هذا الا لبوسٌ سفیه يترك
 الحياء وعادةً ضريرٍ لا يرى الاضواء۔ فيحسبُ النهار المنير ظلاماً والوايل جهاماً۔ وان
 كنت من رجال هذا المضممار و وليجة اهل هذه الدار فارنا كمال انشاءك قبل از درائك۔
 وات بكتاب من مثل هذا الكتاب ثم اجعل بيني و بينك حكماً احداً من اولي الالباب۔
 فان شهد الحكم على كمالك و حسن مقالك و ظن انك جئت باحسن من كلامي
 و اريت نظاماً (۲۴۰) اجمل من نظامي فلك ان تتخذ جدی عبثاً و تجعل تبری حُبثاً وان
 تحسب دري الغرّ كليلٍ داسٍ و بياني الواضح كطريقٍ طامسٍ۔ و تشیع عثادي في

العالمین وان لم تفعل ولن تفعل فاتق لعن اللّٰعینین۔

الا لا تعبني كالسفيه المشارز
وانك تذكرني كرجل مُحَقَّر
وانا سمعنا كل ماقلت نخوة
وماكنت صوّالا ولكن دعوتني
ولا خير في طغواك يا ابن تكبر
فخرج على نفس تبيدك واجتنب
ولا تنهج سبيل الغواية واكتب
وان كنت قد از معت حربي فبارز
وتلمذني في كل ان كمارز
اتحسب حضرائي بحمق كتارز
وقد بان انك تزدريني كفارز
ويفقا ربي عين دون معارز
مناهج فقافا جئتكَ كفارز
على ماعراك وتب بقلب آرز

اسی کتاب کے ص ۱۶۳ تا ۱۶۴ پر یہ عبارت پائی جاتی ہے۔

فان يبق احد منكم سالما الى سنة فأقرباني كاذب وأجيبكم بعجز و توبة واحرق
كتبي واشيع هذا الأمر بخلوص نية (ص ۱۶۴) واحسب انكم من الصادقين۔

مرزائیت کے علاوہ مولانا اپنے رسالہ الہد میں بداعتقادوں، زندیقوں اور دہریوں کے عقائد کا رد بھی کیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ کسی سے ڈرتے نہ تھے۔ چاہے کوئی شخص کتنا نامی گرامی ہو۔ چنانچہ انہوں نے سرسید احمد خاں مرحوم کے بعض عقائد پر جرح و تنقید کی اور اپنی کتاب ”مافی الاسلام“ میں بھی وضاحت سے عقلی و نقلی دلائل کے ذریعے ایسے عقائد کا بطلان کیا وہ کسی کے ساتھ پر خاش یا عدوات نہیں رکھتے تھے بلکہ جو خوبی کسی میں ہوتی اس کا کھلے دل سے اعتراف کرتے لیکن اس کے نقائص اور اغلاط کی طرف سے چشم پوشی کرنا یا وقتی مصلحت کو مد نظر رکھنا ان کا شیوہ نہیں تھا۔

مقالہ کے صفحہ ۳۰۵ پر ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے۔

پیر غلام دستگیر نامی مرحوم (جو مولانا مرحوم کے عزیز شاگردوں میں شامل تھے) نے یوں لکھا ہے:

”میں جناب مولانا اصغر علی صاحب روجی ایم۔ او۔ ایل مولوی فاضل، منشی فاضل پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کا نہایت ممنون ہوں کہ انہوں نے میری اکثر نظموں کو جو دینی خدمت کے لئے لکھی گئیں، شوق و قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کی اصلاح و اشاعت میں بڑی مدد دی، پیشتر ازیں میں نے

بہت سی نظمیں لکھیں مگر ان میں کسی کو بھی بموجب ارشاد جدا مجد پیر مراد شاہ صاحب کہ۔

نرسد تا بسمع استادان نتوان کرد اعتماد سخن

پبلک کے سامنے پیش نہ کر سکا چونکہ آئندہ طبع شدہ نظمیں ایک فاضل اجل و استاد محقق کی نظر سے گزر چکی تھیں اس لئے میں نے بلا دھڑک ان کو ہدیہء ناظرین کر دیا۔ خدا مولوی صاحب موصوف کو جو باوجود دولت علم سے اس قدر مالا مال ہونے کے ایک درویشانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ عمر نوح عطا فرمائے تاکہ مجھ جیسے تشنہ کام ان کے دریائے فیض سے سیراب ہوتے رہیں آمین یا ربنا

اس کے بعد نامی صاحب نے قادیانی کی تاریخ کے عنوان سے مرزا قادیانی کی تاریخ ہائے وفات جو مختلف اصحاب نے نکالی تھیں نقل کی ہیں۔

ان میں سب سے پہلے ان کی اپنی نکالی ہوئی تاریخ ہے جو یہ ہے

ہوئی النار ایک مرد شریر کیوں نہ شیطان ہوں آج دلگیر
فتنے اور تفرقے مٹے سارے پائے مفسد میں پڑ گئی زنجیر
بدلم گشت خواہشے پیدا کہ کنم سال فوت او تحریر

گفت نامی زر وئے الہامی

مرگیا قادیان کا خنزیر ۱۳۲۶ھ

اس کے بعد پیر جماعت علی شاہ صاحب کی نکالی تاریخ یہ لکھی ہے

لقد دخل فی قعر جہنم۔ اور مولانا محمد عالم آسی امرتسری نے بھی یہی تاریخ وفات نکالی ہے۔ ۱۳۲۶ھ

قاضی فضل حق (پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور) کی نکالی ہوئی تاریخ یہ رکھی۔

میرزا بیہضہ بمرد ۲۶ ۱۳

اور سب سے آخر میں مولانا اصغر علی روجی کی نکالی ہوئی دو تاریخیں لکھی گئیں

۱۔ ”دجال قادیانی کا اب خاتمہ ہو گیا“ ۲۶ ۱۳

۲۔ روح خبیث ۲۶ ۱۳

ان سب سے ۱۳۲۶ کا سال برآمد ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس برنی قدس سرہ

(۱۸۹۰ء--۱۹۵۹ء)

حضرت مولانا محمد الیاس برنی بلند شہر (اتر پردیش) کے ایک قصبہ برن میں ۱۹ اپریل ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۸ء میں خورجہ ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان امتیازی شان میں پاس کیا۔ اس کے بعد علی گڑھ میں داخلہ لے لیا اور وہاں سے ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی تک تعلیم حاصل کی۔ حدیث کا علم پبلی بھیت میں حاصل کیا۔ حضرت مولانا محمد الیاس برنی بہت بڑے عالم تھے۔ مدتوں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں معاشیات کے پروفیسر رہے۔ ۱۹۲۵ء میں دارالترجمہ کے ناظم بنائے گئے اور اس خدمت پر ۱۹۳۷ء تک کار گزار رہ کر وظیفہ حسن خدمت حاصل کیا۔ برنی صاحب مغربی تعلیم یافتہ حضرات کی اس صف میں شامل ہیں جنہوں نے اپنی فراست سے دینی علوم میں گہری نظر پیدا کی۔

حضرت مولانا شاہ محمد حسین چشتی قادری قدس سرہ سے قادریہ سلسلہ میں بیعت تھے۔ حضرت مولانا الیاس برنی نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی سے بھی کسب فیض کیا اور خلافت حاصل کی۔

حضرت مولانا الیاس برنی نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف کی باقاعدہ ایک علمی فہرست مرتب کی تھی جو بذات خود اپنے موضوع کے لحاظ سے ایک کتاب ہے۔

الیاس برنی مرحوم کی یہ علمی فہرست حضرت علامہ نور احمد قادری نے دیکھی تھی۔ مذکورہ فہرست حضرت مولانا شاہ عبدالرحمن قادری جے پور کے ایماء سے تیار کی گئی تھی۔ (مکتوب علامہ نور احمد قادری مورخہ ۷ اگست ۱۹۹۳ء از اسلام آباد پاکستان)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے خلیفہ خاص مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی نے قادیانی فتنہ کے انسداد میں مولانا الیاس برنی کے ساتھ نمایاں تعاون فرمایا (برنی نامہ صفحہ

مہاسبہ میں مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی نے جارج برنارڈ شاہ سے ملاقات کے موقع پر الیاس برنی کی ایک کتاب ”اسلام“ (انگریزی) جارج برنارڈ شاہ کو مطالعہ کے لئے عنایت فرمائی تھی۔ مولانا الیاس برنی عشق رسالت مآب ﷺ سے سرشار تھے نعتیہ کلام سے گہری دلچسپی رکھتے تھے خود بھی بلند پایہ نعت گو شاعر تھے۔ ان کا ایک نعتیہ دیوان ”معروضہ“ کے نام سے شائع ہوا تھا۔ ان کے کلام میں جگہ جگہ وہ محاسن بھی پائے جاتے ہیں جو رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ان کے خلوص کے آئینہ دار ہیں۔ بیان میں کشش اور جاذبیت ہے۔ سادہ الفاظ اور صاف طرز بیان کے علاوہ سادگی سلاست روحانی جذب کیف اور اثر بھی ان کے کلام میں موجود ہے۔

نمونہ کلام

سارے نبیوں کے حاصل ہمارے نبی

سارے نبیوں میں فاضل ہمارے نبی

بحر عرفاں میں کشتی ہزاروں چلیں

سارے نبیوں کے ساحل ہمارے نبی

ساقی کوثر کو پایا جو کوئی سے خانہ تھا

فرش سے تاعرش ہر جا ساغر و پیمانہ تھا

سر حق اسرار عالم حکمت کون و مکاں

جس نے سمجھا کچھ محمد کا وہی دیوانہ تھا

دیکھنے کو رنگ محفل یوں پتنگے تھے ہزار

جان دے دی شمع پر جس نے وہی پروانہ تھا

مولانا الیاس برنی مرحوم نے مختلف موضوعات پر کتب تحریر کیں ذیل میں ان کی فہرست دی

جاتی ہے۔

۱۔ اصراہ حق

- ۲۔ مشکوٰۃ الصلوٰت
- ۳۔ ہدایت الاسلام
- ۴۔ فتوح الحکم
- ۵۔ فتوحاتِ قادریہ
- ۶۔ مکاتیب المعارف
- ۷۔ صراط الحمید حصہ اول۔ دوم
- ۸۔ معارفِ ملت جلد اول دوم سوم چہارم
- ۹۔ جذباتِ فطرت جلد اول دوم سوم چہارم
- ۱۰۔ مناظرِ قدرت جلد اول دوم سوم چہارم
- ۱۱۔ جوہرِ سخن
- ۱۲۔ علم المعیشت
- ۱۳۔ اصول معاشیات
- ۱۴۔ معیشتِ الہند
- ۱۵۔ مالیات
- ۱۶۔ المعاشیات
- ۱۷۔ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ
- ۱۸۔ قادیانیت کا آغاز و انجام
- ۱۹۔ تحفہ محمدی (جلد چہارم)
- ۲۰۔ تسہیل الترتیل
- ۲۱۔ مالک الملک
- ۲۲۔ حزب اللہ
- ۲۳۔ قادیانی جماعت

۲۳۔ قادیانی مذہب

۲۵۔ قادیانی قولِ فعل

۲۶۔ اسلام (انگریزی)

۲۷۔ معروضہ (نعتیہ دیوان)

۲۸۔ سلطانِ مبین

۲۹۔ محراب العبادات

اور دیگر کئی کتب۔

دو بار حرمین شریف کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے ۶ جنوری ۱۹۵۹ء کو اس عالمِ فانی سے رحلت فرمائی۔

پروفیسر محمد الیاس برٹی صاحب مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں آپ نے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ آپ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپ کی شہرہ آفاق تصنیف ”قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ“ جو نہی شائع ہوئی آپ کی ذاتِ زندہ جاوید ہو گئی۔ اس شاہکار کتاب میں آپ نے قادیانی مذہب کا ریماڈ قادیانی تحریریں ہی کی روشنی میں کیا ہے جس طرح مطالعہ حدیث کا کوئی طالب علم صحیحین سے استفادہ کئے بغیر علم حدیث پر دسترس حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح ۱۹۳۳ء کے بعد ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں کام کرنیوالوں کے لئے علمی محاسبہ کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔

قادیانیوں کی علمی موت کا ساماں بننے والی یہ شہرہ آفاق کتاب لکھنے کی نوبت کیوں کر آئی اس کا پس منظر فاضل مصنف نے کتاب کی تمہید اول میں بیان کیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

”ماہ ربیع الاول میں حیدرآباد میں بڑے بڑے جلسہ ہائے میلاد النبی منعقد ہوتے ہیں۔ جن میں شرکت کر کے خواص و عوام اپنے اپنے دامن گل ہائے عقیدت سے بھر کر جاتے ہیں۔ من جملہ دیگر جلسوں کے ایک جلسہ میلاد مبارک ہر سال علامہ مفتی نواب ضیاء یار جنگ بہادر کی صدارت میں بمقام بادشاہی عاشورہ خانہ منعقد ہوتا ہے۔ علماء مشائخ خصوصیت سے اس میں جمع ہوتے ہیں اس

ناچیز ہچمدان کو بھی اس جلسہ میں چند سال سے بہ تعمیل ارشاد و فرمائش تقریر کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔

چنانچہ اس سال بھی بتاریخ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ یوم جمعہ جلسہ منعقد ہوا اور خلاف معمول اس ناچیز کے مشورے بلکہ اطلاع کے بغیر ”ختم نبوت“ کا عنوان مقرر کر دیا گیا۔ صرف ایک روز قبل اپنے کو پتہ چلا۔ بہر حال بڑے مجمع کے روبرو شب کو تقریر ہوئی۔ اپنی بے بضاعتی تو معلوم ہے خدا کی شان کہ تقریر کام کر گئی۔ دلوں میں اتر گئی۔ اگرچہ کوئی فرقہ خصوصیت سے مخاطب نہ تھا۔ تاہم قادیانی صاحبان کو تشویش ہوئی کہ ان پر کاری زد پڑی۔ چنانچہ جلد از جلد ان کی طرف سے ایک رسالہ ”ختم نبوت اور جناب پروفیسر الیاس برنی“ کے عنوان سے شائع ہوا اور اس میں کافی تنقیص کے باوجود تقریر کے اثر کا اعتراف کرنا پڑا کہ ”مقرر کی اپنی وجدانی بے اصل تقریر اس قابل نہ تھی کہ ہم اس پر کچھ خامہ فرسائی کرتے لیکن اسلامی پبلک میں سے اکثروں نے ہم سے سوالات کی بھرمار شروع کر دی جس کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوا کہ ہم مختصراً کچھ عام فہم دلائل ختم نبوت کی حقیقت پر لکھ دیں۔“ اس رسالہ کی اشاعت کے بعد ہی کئی جلسے بھی ہوئے۔ نامور قادیانی واعظ دور دور سے بلائے گئے۔ ختم نبوت کے مختلف پہلوؤں پر خوب تقریر ہوئیں، تردیدیں ہوئیں۔ پھر کچھ تبلیغی رسالے بھی قادیان سے منگوا کر تقسیم کئے گئے۔ غرضیکہ خوب تلا بلی رہی۔

قادیانی صاحب کی یہ غیر معمولی یورش اور سرگرمیاں دیکھ کر بالآخر مسلمانوں میں بھی توجہ اور حرکت پیدا ہوئی۔ تحقیق کا شوق پھیلا۔ چنانچہ مذکورہ رسالہ کے جواب میں ”ختم نبوت“ کے مسئلہ پر مسلمانوں کی طرف سے بھی رسالے نکلنے شروع ہوئے۔ ایک رسالہ ”ختم نبوت“ کے عنوان سے من جانب مجلس الواعظین سید ابوالحسنات مولوی شجاع الدین علی صاحب صوفی قادری نے شائع کیا۔ دوسرا رسالہ قادیانی جماعت کے شائع کردہ ٹریکٹ کا مدلل جواب قاری محمد تاج الدین صاحب قادری نے شائع کیا۔ ان دونوں سے بڑھ کر مفصل جواب ”ہدایۃ الرشید للغوی المرید“ کے عنوان سے سید محمد حبیب اللہ صاحب قادری (عرف رشید بادشاہ) نے شائع کیا۔ علی ہذا ایک رسالہ ”تکذیب مرزا صاحب بہ زبان مرزا صاحب“ ان کے بھائی سید ولی اللہ صاحب (عرف حبیب بادشاہ) نے شائع کیا۔ ختم نبوت

کے اثبات میں ایک رسالہ مولوی سید درویش محی الدین صاحب نے بھی شائع کیا لیکن اس سلسلے میں سب سے مدلل اور جامع رسالہ ”آواز حق“ نکلا جو مولانا محمد بدر عالم صاحب میرٹھی، استاذ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا علمی کرشمہ ہے اور جو مولوی فخر الدین رازی صاحب کی سعی سے حیدرآباد میں شائع ہوا۔

آپ مزید فرماتے ہیں۔ ”تقریر کی شب جلسہ ختم ہوتے ہی قادیانی صاحبان کے نمائندے نے آ کر تبادلہ خیالات کے نام پر مناظرہ کی دعوت دی۔ لیکن ہم نے عذر کر دیا کہ یہ اپنا منصب نہیں اس مقصد کے لئے علماء کرام سے رابطہ کیا جائے۔“

آپ کے اس جواب سے قادیانی ہوشیار ہو گئے۔ اور جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہوا ہے ایک رسالہ ”ختم نبوت اور الیاس برنی“ شائع کر دیا اور رسالہ کے آخر پر لکھ دیا کہ ہم نے الیاس برنی کو مناظرہ کا چیلنج دیا تھا مگر وہ مقابلہ پر آنے سے کتر ا گئے ہیں۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ اس قادیانی رسالہ کی اشاعت پر خیال ہوا کہ اسی سلسلہ میں علمی تحقیقات کے طور پر قادیانی مذہب کا دوسرا رخ جو بالعموم عوام کی نظروں سے اوجھل اور مخفی رہا ہے نمایاں کر دیا جائے تو خوب رہیگا۔ اس سے قادیانی مذہب کی نوعیت کا صحیح اندازہ بھی ہو جائے گا اور مغالطہ کی بھی گنجائش نہ رہے گی۔

اسی ضرورت کے مد نظر خود بانی مذہب مرزا قادیانی اور ان کی امت کے مشہور و مستند اکابر کی کتابوں میں صاف صاف اقتباسات تلاش کر کے وہ مخصوص اعتقادات جو لوگوں سے تقریباً مخفی ہیں، موزوں عنوانات و ترتیب کے تحت اس کتاب میں پیش کرتے ہیں۔ ناظرین خود انصاف فرمائیں کہ یہ مذہب قرآن و اسلام سے کس حد تک تعلق رکھتا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ (قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ تمہید اول)

چنانچہ پروفیسر صاحب نے قادیانی کتب سے اقتباسات جن کران پر مناسب عنوان لگایا اور تقریباً سو صفحے کی ایک کتاب ”قادیانی مذہب“ کے نام سے شائع فرمادی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی محنت شاقہ کو شرف قبولیت بخشا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف آپ کی کتاب کی دھوم مچ گئی۔ کتاب کا شاک ختم ہو گیا تو ایک ہی سال بعد کتاب کا دوسرا ایڈیشن نکالنا پڑا اب کی بار پروفیسر صاحب نے مزید اضافے کر دیے پہلے چھوٹی تقطیع سو صفحے اور پانچ فصلیں تھیں اب دوسرے ایڈیشن میں متوسط تقطیع کے ۳۵۰ صفحات

اور گیارہ فصلیں ہو گئیں۔ کتاب کی ضخامت بڑھی تو افادیت بھی بڑھ گئی۔ پہلے ایڈیشن کی طرح دوسرا ایڈیشن بھی ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ ہر طرف کتاب مقبول عام ہو گئی۔ اخبارات و جرائد میں تبصرے اور تعریفی نوٹ آنے لگے۔ چند ایک تبصرے ملاحظہ فرمائیں۔

”مولانا الیاس برنی ایم۔ اے ایل۔ ایل بی (علیگ) مقیم حیدرآباد دکن نے کچھ عرصہ ہوا ”قادیانی مذہب“ کے نام سے ایک مختصر رسالہ شائع کیا تھا۔ اس رسالہ کو مزید مضامین کے اضافہ کے ساتھ زیر بحث موضوع پر ایک مبسوط تالیف کی صورت میں شائع کیا ہے۔

مولانا الیاس برنی نے قادیانی مذہب کی تردید کے لئے بالکل اچھوتا مدلل اور اثر انگیز طریق اختیار کیا ہے۔ انہوں نے قادیانی مذہب کی بہت سی کتابوں کی ورق گردانی کر کے ان میں سے ضروری اور اہم تحریریں انتخاب کر لی ہیں اور ان کو نہایت عمدہ اور لطیف سلیقے اور پیرایہ کے ساتھ اس طرح مرتب کر دیا ہے کہ مطالعہ کے بعد قادیانی تحریک کے زیروبم، مدوجزرا اور حقیقت پر خود بخود پوری روشنی پڑ جاتی ہے۔ خود مؤلف نے اپنی طرف سے بہت کم رائے زنی کی ہے۔ بلکہ قادیانی مذہب کے چہرے کو قادیانی تصانیف و تحریرات کے آئینہ میں دکھا دیا ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ ایک جدید تعلیم یافتہ اہل قلم کی اس تصنیف نے قادیانی حلقوں پر سراسیمگی کی کیفیت طاری کر دی ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اندازِ بیباں بہت ہی شریفانہ اور استدلال مخلصانہ ہے۔ قادیانی مذہب کے عہد بہ عہد ارتقاء اور اس کی حقیقت کے متعلق یہ کتاب ایک بیش قیمت ذریعہ معلومات ہے۔ ارباب ذوق اس سے مستفید ہو کر قادیانیوں کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ شکست دے سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی مذہب ایک گورکھ دھندہ ہے، ایک مجموعہ تضاد اور ذخیرہ تضاد ہے اور اسی لئے من عند غیر اللہ ہے۔ (اخبار مدینہ، بجنور، جلد ۲۳، نمبر ۸۲، مئی ۱۹۳۳ء)

”قادیانی مذہب“ مولفہ پروفیسر مولوی محمد الیاس برنی صاحب ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی تقطیع ۱۸×۲۲/۸ ضخامت ۳۵۰ صفحہ، لکھائی چھپائی اور کاغذ نفیس۔

یہ کتاب قادیانی مذہب کے اصلی چہرے پر سے نقاب اٹھانے کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس میں مرزا قادیانی بانی مذہب کے ان احوال و اقوال کو جن سے مرزا قادیانی کی نبوت کی حقیقت منکشف

ہوتی ہے۔ خود مرزا قادیانی اور ان کے مقبوعین کی خاص تحریروں اور تقریروں سے اقتباس کر کے ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے جن کے پڑھنے سے ہر ایک منصف مزاج اور سمجھدار شخص اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ مرزا قادیانی کا مذہب کس حد تک حامل صداقت و قابل اتباع ہے۔

اس کتاب میں خلاف تہذیب اور دل آزار کلمات کے استعمال نہ کرنے کا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ جو تعلیم یافتہ مسلمان قادیانی غلط فہمیوں کا شکار ہو کر قادیانیت کا دم بھرنے لگے ہیں ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے ایسی ہی کتابوں کی ضرورت ہے۔ (اخبار منادی، دہلی مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

”جناب برنی کا یہ رسالہ (قادیانی مذہب) لعن طعن سے قطعاً پاک ہے۔ قادیانی اور اہل سنت مباحث کے متعلق ایسی متین کتاب غالباً نہیں دیکھی گئی جس کو مخالف و موافق سب ٹھنڈے دل سے پڑھ کر سکون قلب کے ساتھ رائے قائم کر سکتے ہیں۔

جناب مولف نے اس رسالہ میں اپنی طرف سے بہت کم لکھا ہے۔ زیادہ تر مرزا قادیانی اور ان کے مستند مقبوعین کی تحریریں ایک خاص ترتیب سے جمع کر دی ہیں اور ان پر جو کچھ اظہار رائے کیا ہے مختصر ہے اور تہذیب و متانت کے ساتھ ہے۔

یہ مولف صاحب کے حسن نیت کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس رسالے کو بلا قیمت شائع کیا اور کسی مالی منفعت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ (رسالہ بلاغ امرت سربابت اپریل ۱۹۳۴ء)

”قادیانی مذہب“ مولفہ جناب الیاس برنی صاحب، پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، تقطیع متوسط، ضخامت ۳۴۴ صفحہ، کتابت بہتر، کاغذ عمدہ طباعت قابل تعریف۔

قادیانی مذہب کے مزعومات کی تردید یوں تو بے شمار علماء و فضلاء نے کی لیکن واقعہ یہ ہے کہ خالص علمی رنگ میں پوری تحقیق اور تدقیق کے بعد کامل سنجیدگی اور متانت سے برنی صاحب نے جس طرح یہ کتاب لکھی ہے ان ہی کا حق ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد قادیانیوں کی تدلیس و تلبیس پوری طرح بے نقاب ہو جاتی ہے۔ دیانت تحریر کا یہ عالم کہ کوئی بات بغیر حوالہ کے نہیں کہی۔ دلچسپی کی یہ کیفیت کہ جب تک کتاب ختم نہ کر لیجئے کتاب چھوڑنے کو جی ہی نہ چاہے۔ کتاب کیا ہے قادیانی مذہب کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ مرزا

قادیانی کے ابا طیل کا دندان شکن جواب 'قادیانیت کا مکمل مرقع۔ ایک ایسا آئینہ جس میں قادیانیوں کا ایک ایک خط و حال نمایاں۔'

برنی صاحب اب تک ایک ماہر معاشیات کی حیثیت سے مشہور تھے لیکن کتاب لکھ کر انہوں نے ثابت کر دیا کہ مذاہب کے مطالعہ اور اس کی تحقیق و تدقیق میں بھی انہوں نے پورا حق ادا کیا ہے۔ جو کچھ کہا ہے 'خوب سوچ سمجھ کر اپنی ذمہ داریوں کا لحاظ کر کے۔'

ہم اپیل کرتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو قادیانیت سے کچھ بھی متاثر ہے یا قادیانیوں کے راز ہائے درون پر وہ سے واقف ہونا چاہتا ہے 'ضرور اس کا مطالعہ کرے۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب کی قادیانیوں میں بھی تبلیغ کی جائے۔' (اخبار خلافت بمبئی، جلد ۱۳، نمبر ۲۲۳، مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۳۴ء) پروفیسر صاحب کتاب کی مقبولیت کے بارے میں مزید تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ کتاب قادیانی مذہب کچھ ایسی مقبول ہوئی کہ تیسرے سال کے اندر ہی اس کا چوتھا ایڈیشن نکل گیا اور تحقیق کا سلسلہ کچھ اس طرح پھیلا کہ ہر جدید ایڈیشن سابقہ ایڈیشن سے کیفیت اور کمیت میں بہت بڑھ گیا۔"

بریلی، دیوبند، لکھنؤ، دہلی، لاہور اور دیگر مقامات کے سربرآوردہ علماء نے بہ یک زبان اس کتاب کی از حد تعریف کی اور اس کو بہترین محاسبہ تسلیم کیا۔ ان سے بڑھ کر جدید تعلیم یافتہ طبقوں نے اس کی قدر کی۔ مذہبی مباحث کے پیش نظر اس کو نفسیاتی تحقیق کا ایک علمی کارنامہ شمار کیا۔ اس سے جو اخلاقی، تمدنی اور سیاسی پہلو نمایاں ہوئے ان کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ عدم توجہی میں کیا کیا ہوتا رہا اور نگہداشت کی کس درجہ ضرورت تھی۔ چنانچہ آج علماء سے بڑھ کر قومی لیڈر اس کتاب کی اہمیت محسوس کرتے ہیں۔ منجملہ اکابر ملت علامہ محمد اقبال نے تو دوسرے ہی ایڈیشن پر یہ رائے دی تھی۔ کہ یہ کتاب ملک میں وسیع پیمانے پر شائع ہونے کے قابل ہے۔ (علامہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کے خط بنام مولانا الیاس برنی کی نقل آئندہ صفحات پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔) اخبارات و رسائل نے تیسرے ایڈیشن پر جو تبصرے لکھے ہیں ان میں سے چند بطور نمونہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

”مولانا الیاس برنی صاحب ایم۔ اے ناظم دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے قادیانی عقائد کی اصل صورت اس فرقہ کی مستند کتابوں سے مضامین اخذ کر کے دکھادی ہے جس سے ہر شخص قادیانی دجل سے واقف ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے علمی طبقہ میں اور جدید تعلیم یافتہ گروہ میں اس کتاب کی دھوم مچ گئی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب مناظرہ کی نہیں ہے، لیکن مناظرے کے مقصد پر اس سے بہتر کتاب کسی نے نہ دیکھی ہوگی۔“ (اخبار منادی، دہلی، مورخہ ۲۳/ اگست ۱۹۳۵ء)

”مولوی الیاس برنی معاشیات کے ایک مستند عالم ہیں، جن کی کتابیں اردو زبان میں اس فن پر شاید سب سے زیادہ ہیں۔ لیکن وہ ایک معاشی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک متکلم اور مناظر بھی ہیں اور تعجب یہ ہے کہ وہ جتنے بلند پایہ معاشی ہیں اتنے ہی دقیق النظر متکلم اور کامیاب مناظر بھی ہیں۔ ان کی یہ کتاب رجب ۱۳۵۲ھ میں تالیف ہوئی۔ ایک سال کے اندر ہی ربیع الاول ۱۳۵۳ھ میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا اور محرم ۱۳۵۴ھ میں تیسرا ایڈیشن تیار ہو گیا۔ پہلے یہ کتاب سو صفحے کا ایک چھوٹا سا رسالہ تھا۔ دوسرے ایڈیشن میں ۳۵۰ صفحے ہوئے اور اب تقریباً ۶۰۰ صفحات ہیں۔“

پروفیسر الیاس برنی جیسے سنجیدہ اور متین مصنف کی تصنیف میں لہجے کی متانت و سنجیدگی، رائے کا استحکام، نقل کی احتیاط اور ذاتیات سے علیحدگی کی جس قدر امید کی جاسکتی تھی، وہ اس کتاب میں پورے طور پر نمایاں ہے اور قادیانی مذہب کے متعلق ہر قسم کی معلومات بلا حاشیہ آرائی جس قدر مستند مواد سے اس کتاب میں جمع ہیں، وہ اور کتابوں میں دستیاب نہیں ہو سکتیں۔ اس کتاب کی اشاعت سے قادیانی فرقے میں اگر ہلچل مچ گئی تو کوئی عجب نہیں اور یہی اس کی افادیت اور کامیابی کی سب سے روشن دلیل ہے۔“ (رسالہ فاران، بجنور بابت ماہ جولائی ۱۹۳۵ء)

”جناب الیاس برنی صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ کے نام نامی اور اسم گرامی سے کون واقف نہ ہوگا۔ آپ نے دنیائے تالیف و تصنیف میں وہ کارہائے نمایاں کیے ہیں، جن کا زمانہ مداح ہے۔ آپ نے مذہبیات میں بھی بڑی تفحص اور تجسس کی ہے اور ”قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ“ نامی کتاب تالیف کی ہے جس کا تیسرا ایڈیشن ہمارے پیش نظر ہے۔ قادیانی مذہب کے خلاف سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں اور آئندہ بھی لکھی جائیں گی لیکن اس بحر بے کراں میں غوطہ لگا کر جو درمکنون پروفیسر صاحب نے نکالا ہے، وہ

کم غواصوں کو نصیب ہوگا۔ شروع سے آخر تک کتاب مذکور پڑھ جائیے۔ آپ ایک لفظ بھی ایسا نہ پائیں گے جو پروفیسر صاحب نے اپنی طرف سے ایزاد کیا ہو۔ مرزا آنجہانی کے خاندان اور پیدائش سے لے کر دم واپس تک کے واقعات بڑی کاوش اور محنت سے لکھے ہیں۔ مضمون مسلسل ہے۔ کہیں ایک لفظ بلکہ حرف کا بھی سکتہ نہ ہوگا لیکن حیرت اور کمال تعجب کا مقام ہے کہ یہ تمام الفاظ خود مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کی کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ ترتیب میں جو کمال پروفیسر صاحب نے کیا ہے اس کی نظیر اگر ناممکن نہیں تو فی زمانہ محال ضرور ہے۔

کتاب کیا ہے قادیانی مذہب کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ جو چیز آپ کو ہزاروں کتب اور رسائل پڑھنے سے مہیا نہ ہو سکے گی وہ آپ ”قادیانی مذہب کے علمی محاسبہ“ میں پائیں گے۔ ہم نے بھی قادیانی لٹریچر کا مطالعہ بہت کیا ہے لیکن جو حوالہ جات پروفیسر صاحب نے ترتیب دیے ہیں ان میں سے بہت سے ایسے تھے جو ہماری نظر سے نہ گزرے تھے۔ انداز بیان نہایت ہی عالمانہ اور شریفانہ ہے۔ طرز تحریر دل پسند اور جاذب توجہ ہے۔ استدلال معقول اور دیانت سے مملو۔ کوئی بات بغیر حوالہ نہیں لکھی۔ جو مضمون بیان کرنا چاہتے تھے اس کے فقرات و الفاظ مرزا آنجہانی کی کتب سے اخذ کئے ہیں تاکہ عطائے شامہ لقاے شامہ کا مصداق ہو سکے۔

قادیانی مذہب کی تاریخ کالب لباب ہے جس کی نشوونما اور ارتقاء کو بتدریج بیان کیا ہے۔ مرزا آنجہانی کے خیالات و اعتقادات میں جو تبدیلیاں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ ہوئیں ان کا بیان نہایت خوش اسلوبی سے کیا گیا ہے اور قادیانی مذہب کے چہرے سے نقاب اتار کر دنیا کو اس کی اصلیت سے آگاہ کر دیا ہے۔

اس مرقع میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جسے دل آزار یا خلاف تہذیب کہا جاسکے۔ دوست دشمن سب کے لئے یکساں مفید ہے۔ بہر حال پروفیسر صاحب اس علمی کارنامے کے لئے لاکھوں مبارک باد کے مستحق ہیں۔“ (رسالہ صوفی، منڈی بہاؤالدین، بابت جولائی ۱۹۳۵ء)

”قادیانیت کی تردید میں اب تک علمائے اسلام نے دفتر کے دفتر تیار کر دیے ہیں لیکن عموماً وہ تحریریں مولویوں کے قلم سے نکلی ہوئی ہیں جو انگریزی تعلیم یافتہ طبقے کی ذہنیت سے کوئی مناسبت نہیں

رکھتیں اور اس لئے اپنے مقصد میں بھی زیادہ موثر نہیں ثابت ہوئی ہیں۔ حال میں سراقبال اور سرمرزا ظفر علی وغیرہ ہم کی تحریروں کے باعث بحث کا رخ بدلا ہے اور اب ہمارا جدید طبقہ بھی ادھر متوجہ ہو چکا ہے۔ پروفیسر الیاس برنی صاحب اس سلسلہ میں السابقون الاولون میں شامل ہونے کا شرف رکھتے ہیں اور وہ ترتیب زمانی میں سراقبال وغیرہ ہم سے بھی اس باب میں متقدم ہیں۔ ان کی کتاب ”قادیانی مذہب“ کا یہ جدید ایڈیشن بلحاظ اضافہ مضامین ایک جدید اور مستقل کتاب کے حکم میں ہے اور اس میں قادیانی مذہب کے اسرار کو ایک جدید طرز پر طشت از بام کیا گیا ہے جو دلچسپ بھی ہے اور دلنشین بھی۔

اس ضخیم کتاب میں مولف نے کمال یہ کیا ہے کہ خود بہت ہی کم لکھا ہے بلکہ خود مرزا قادیانی (بانی فرقہ) کی تحریروں سے ان کے اقتباسات لے لے کر انہیں ایک خاص ترتیب اور سلیقہ مندی سے پرودیا ہے جس سے مرزا قادیانی کے دعوے اور تعلیمات اور خود ان کی زندگی کے سارے خط و خال نظر آ جاتے ہیں۔ رومی اور چینی نقاشوں کے معرکہ کا مشہور قصہ یہ چلا آ رہا ہے کہ چینی نقاشوں نے بڑی محنت سے دیوار پر نقش و نگار بنائے۔ رومی ہنرمندوں نے اور کچھ نہ کیا۔ صرف یہ کیا کہ مقابل کی دیوار کو صیقل کر کے آئینہ بنا دیا اور جوں ہی پردہ اٹھا، ساری چینی نقاشیاں ہو بہو رومی دیوار پر منعکس ہو گئیں۔ برنی صاحب کا فن نقاشی بھی کچھ اسی قسم کا واقع ہوا ہے۔ انہوں نے مرزا کا چہرہ خود مرزا کے آئینہ میں جلا کر کے دکھا دیا ہے اور خود الگ کھڑے ہو گئے ہیں۔

دلچسپی سے کتاب کا کوئی صفحہ خالی نہیں۔ عبارت کسی خشک علمی یا مذہبی کتاب کی نہیں، ناول یا افسانہ کی معلوم ہوتی ہے۔ جا بجا قلم کی شوخیاں اور مہذب ظرافتیں اس پر مستزاد ہیں۔“

(اخبار صدق لکھنؤ، مورخہ ۲۱ جون ۱۹۳۵ء)

”الغرض پچاس سال کا ایک عظیم مغالطہ جس میں ہندوستان کے غریب تعلیم یافتہ مسلمان اور شاید حکومت انگریزی بھی مبتلا ہو گئی تھی، اب اس کا پردہ چاک ہو رہا ہے اور جس کا اس تحریک میں جہاں مقام تھا وہ پہچانا جا رہا ہے۔“

صرف یہ ہی نہیں کہ قادیانی جماعت اور حکومت کے تعلقات اس نوبت تک پہنچ چکے ہیں بلکہ یکا یک قدرت کی طرف سے یہ عجیب معاملہ ہو رہا ہے کہ قادیانی بحث و مباحثہ جسے اب تک خالص دیوبند

اور فرنگی محل بریلی اور سہارنپور کی جبہ و دستار والے مولویوں کا ایک مذہبی مشغلہ سمجھا جا رہا تھا۔ جدید تعلیم یافتہ گروہ کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ ایک طرف جماعت احرار جس میں تعلیم یافتوں کی ایک معقول تعداد شریک ہے، وہ اس تحریک کے استیصال کے لئے آستین چڑھا چکی ہے تو دوسری طرف مولوی ظفر علی خان کا شبہیز خامہ ان کے تعاقب میں سرپٹ چھٹا ہوا ہے اور حال میں علامہ سراقبال ادا م اللہ فضلہ و طول اللہ عمرہ کے اس حقیقت خیز و ولولہ انگیز مقالے نے ہمالیہ سے اس کماری تک پہنچ ڈال دی ہے جس میں انہوں نے مسئلہ ختم نبوت کے فلسفیانہ پہلو کو قدرتی قانون پر منطبق کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری کا عظیم شرف حاصل کیا ہے۔ متع اللہ المسلمین بطول بقائه

لیکن جدید طبقے کی تمام کاوشوں میں سب سے زیادہ منظم باضابطہ و سنجیدہ شاہکار حقیقت میں وہ عظیم و خطیر کارنامہ ہے جس کے لئے قدرت کے ہاتھوں نے مسلم یونیورسٹی کے ایک ہونہار سپوت عثمانیہ یونیورسٹی کے جلیل القدر استاد پروفیسر الیاس برنی ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی ناظم دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی کو منتخب کیا۔

فاضل موصوف اب تک ملک میں اپنی معاشی اور ادبی خدمت کی بنیاد پر شہرت رکھتے تھے لیکن دو سال ہوئے کہ حیدرآباد میں ایک شہر پیدا ہوا جس سے خیر کا عظیم سمندر اہل پڑا۔ پروفیسر مذکور نے ایک تقریر کی تھی جس کا قادیانیوں سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ انہوں نے اسلام کے نظریہ ختم نبوت کی عالمانہ مثال میں تشریح کی تھی لیکن قادیانیوں نے برنی صاحب کو بھی بے کس بے زبان مولویوں پر قیاس کر کے ”ریش بابا“ کے ساتھ بھی بازی گری کا ارادہ کیا۔ حسب عادت ایک رسالہ شائع ہوا جس میں برنی صاحب سے مطالبہ کیا گیا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کا تذکرہ اپنی تحریر میں کیوں کیا؟..... ظاہر ہے کہ ایک مسلمان اس مطالبہ پر جس حد تک برہم ہو سکتا ہے، برنی صاحب بھی ہوئے لیکن بجائے کسی لفظی زق زق کے خاموشی کے ساتھ انہوں نے قادیانی لٹریچر کی فراہمی کا کام شروع کر دیا اور بڑی تدبیروں سے انہوں نے جب اس جماعت کے پیشوا اور اس کے معتبر اہل قلم مرزا قادیانی کے مقررین و خلفاء کے وٹا نوق جمع کر لئے تو بجائے مناظرانہ و مجادلانہ طریق کے خالص علمی رنگ میں انہوں نے ایک تحقیقی مقالہ ”قادیانی مذہب“ کتاب کی صورت میں

شائع کیا۔ برنی صاحب کی قلم سے یہ کتاب کچھ ایسے انداز میں نکل پڑی کہ ہاتھوں ہاتھ ملک میں پھیل گئی اور ڈیڑھ سال کے عرصہ میں جدید اضافوں کے ساتھ اس کے دو ایڈیشن پے پے نکالنے پڑے۔ بڑھتی ہوئی مانگ دیکھ کر پچھلے چند مہینوں میں پروفیسر صاحب مذکور نے اور بھی ہمت سے کام لیا۔ وقت اور روپیہ کی ایک بڑی مقدار اس کتاب کی ترتیب میں صرف کی۔ حال میں ۶۰۶ صفحات پر اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن بڑی آب و تاب کے ساتھ پریس سے نکالا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اب تک قادیانی تحریک کے متعلق جتنی کتابیں رسالے، مضامین شائع ہوئے ہیں ان سب سے اس کتاب کا رنگ بالکل نرالا ہے۔ چند خوبیاں خاص طور پر اس کے ساتھ مخصوص ہیں۔

۱۔ سب سے بڑی خصوصیت پروفیسر ممدوح نے اپنی کتاب کی یہ لکھی ہے کہ مرزا قادیانی اور اس کی تحریک کے متعلق جو کچھ بھی لکھا جائے، جہاں تک ممکن ہو، خود مرزا قادیانی یا اس کے معتبر اصحاب و خلفاء کی کتابوں سے خود ان ہی کے الفاظ میں ہو۔ برنی صاحب نے بڑے اہتمام اور حزم کے ساتھ اپنے ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ خود ارقام فرماتے ہیں۔

”کل ایک سو بیس کتابوں سے مواد لیا گیا جن میں سے ایک سو پانچ قادیانی ہیں اور صرف پندرہ غیر قادیانی۔ ان پندرہ میں سے بھی صرف چار قادیانی مذہب کی تردید میں ہیں۔ باقی پانچ فن طب سے متعلق ہیں۔ چند اخبارات و رسائل ہیں جن سے بعض واقعات نقل کئے گئے ہیں۔ رہیں ان میں ایک سو پانچ کتب قادیانی، ان میں سے نصف خاص مرزا قادیانی کی تصانیف ہیں۔ باقی نصف دیگر قادیانی افراد کی۔“ (قادیانی مذہب، ص ۵۹۹)

۲۔ برنی صاحب نے اپنی طرف سے جو کچھ کام کیا ہے، وہ عنوانات اور سرخیوں کے قائم کرنے میں کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قوت اجتہاد و وقت رسی، ژرف نگاہی کی جو داد ان عنوان بندیوں میں انہوں نے دی ہے، یہی ان کا مخصوص حصہ ہے۔

۳۔ اس کے سوا ترتیب ایسی رکھی ہے کہ تم اس کو منطقی استدلال، نفسیاتی تحلیل، تاریخی تسلسل اور تدریجی ارتقاء کی ایک سلیس اور دلچسپ کتاب جو چاہو قرار دو، ناظرین کی بشارت طبع کو باقی رکھنے کے لئے سرخیوں میں ایسی جان بھری گئی ہے کہ پڑھنے والا ایک دفعہ شروع کرنے کے بعد اس وقت تک کسی

دوسرے مشغلے میں اپنے کو لگا نہیں سکتا، جب تک اس کو ختم نہ کر لے۔

پروفیسر برنی سلمہ اللہ تعالیٰ نے بڑا کام سرانجام دیا ہے۔ فجزی اللہ عنی و عن الاسلام و عن رسول اللہ ﷺ و عن القرآن خیر الجزاء۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر علماء کی جماعت شرح صدر اور وسعت قلب سے کام لے تو برنی صاحب کے اس کام کو ایک تجدیدی کام قرار دے سکتی ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

(انگریزی نبوت کی انگریزی تنقید مندرجہ اخبار ”صدق“ لکھنؤ مورخہ یکم اگست ۱۹۳۵)

جوں جوں ”قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ“ کی شہرت بڑھی اس کی مانگ بڑھتی گئی اور ہر ایڈیشن پہلے سے ضخیم اور ثقہ ہوتا گیا۔ تین سال کے اندر اندر کتاب کے چار ایڈیشن شائع ہو گئے، کتاب جو ابتداءً سو صفحات کا ایک رسالہ تھی اب ایک ہزار صفحات کی مستقل مستند کتاب کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ قادیانیت دم دبائے چھپ رہی تھی اور اہل اسلام حقیقت میرزائیت سے آگاہ ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر اور پروفیسر صاحب کے احسان مند ہو رہے تھے۔ چوتھے ایڈیشن کی اشاعت پر اخبار و رسائل نے جو تبصرے لگائے ان کے مطالعہ سے کتاب کی اہمیت و افادیت بالکل واضح ہو جاتی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ”آج سے تین سال قبل پروفیسر الیاس برنی ایم۔ اے کو اپنی تقریر ”ختم نبوت“ کے سلسلہ میں ”قادیانی مذہب“ کے نام سے ایک کتاب لکھنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ اس کے بعد کچھ حالات و واقعات ایسے پیش آئے کہ پروفیسر صاحب کو یہ سلسلہ دراز کرنا پڑا۔ یہ تائید غیبی سمجھنا چاہیے کہ پروفیسر صاحب کو اس سلسلہ کے لئے اتنا مستند مواد دستیاب ہو گیا کہ آج تک اس کتاب کے چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ پہلا ایڈیشن چھوٹی تقطیع کے (۱۲۰) صفحات پر دوسرا ایڈیشن (متوسط تقطیع کے) ۳۴۰ صفحات پر اور تیسرا ایڈیشن متوسط تقطیع کے ۶۰۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ اب اس کا چوتھا ایڈیشن بڑی تقطیع کے ۹۶۶ صفحات پر شائع ہوا ہے۔ اس طرح سے پروفیسر صاحب نے قادیانی مذہب کی ایک انسائیکلو پیڈیا تیار کر دی ہے۔

یوں تو قادیانی مذہب سے متعلق غیر قادیانی صاحبان نے بہت سی کتابیں لکھیں لیکن یہ کتاب ان سب سے مکمل اور مستند ہے۔ پروفیسر صاحب نے کتاب کی ترتیب میں بڑا کمال دکھایا ہے۔ یعنی خود اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ قادیانی مذہب کے تمام لٹریچر کو سامنے رکھ کر بڑے سلیقہ اور عمدگی کے ساتھ

ترتیب دیا ہے کہ قادیانی مذہب کی پوری حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے اور قادیانی مذہب تضاد و تضاد کا ایک مجموعہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد پھر کسی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس قسم کی کتابوں کی زبان بالعموم سخت اور دل آزار ہوا کرتی ہے لیکن اس کتاب کا انداز بیان نہایت شریفانہ ہے جس کے مطالعہ سے دوست دشمن کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ علمی تحقیق کے ساتھ سنجیدگی اور مخلصانہ استدلال نے کتاب کے اثر کو دو آتشہ کر دیا ہے۔ کتاب علمی ہونے کے باوجود جاسوسی ناول کی طرح بے حد دلچسپ و دل فریب ہے۔

یہ جدید ایڈیشن تقریباً چار سو صفحات کے اضافہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اب یہ کتاب بڑی حد تک مکمل ہو گئی ہے۔ اضافہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اگر رہی ہے تو بہت ہی کم۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تائید غیبی سے پروفیسر صاحب کو کوئی پراسرار قادیانی ڈائری ہاتھ لگ جائے۔

گزشتہ تین سال سے ”قادیانی مذہب“ کے مطالب عام ہو گئے ہیں۔ ہر شخص ان سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس لئے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس کتاب کے پہلے دو ایڈیشن بلا قیمت تقسیم ہوئے تھے۔ تیسرے ایڈیشن کی قیمت دو روپیہ رکھی گئی تھی۔ اب چوتھے ایڈیشن کی قیمت تین روپیہ مقرر کی گئی ہے جو تقریباً ہزار صفحہ کی اچھی چھپی ہوئی کتاب کی مناسبت سے بہت کم ہے۔

(اخبار ”مشیر“ دکن، حیدرآباد، مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء، جلد ۵۲، نمبر ۱۲۰)

۲۔ ”قادیانی مذہب“ تالیف جناب صلاح الدین محمد الیاس برنی، پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، دکن با اضافہ و ترتیب جدید، حجم تقریباً ایک ہزار صفحات، قیمت تین روپیہ۔

یہ جناب پروفیسر الیاس برنی کے اس مختصر سے رسالہ کا چوتھا ایڈیشن ہے جو ابتداء میں قادیانی مذہب کے نام سے شائع ہوا مگر جس نے گزشتہ تین اشاعتوں میں قادیانیت کے ایک علمی محاسبہ کی حیثیت سے غیر معمولی وسعت اور ضخامت اختیار کر لی۔ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقوں نے ایک مدت تک احمدیت کے متعلق حسن ظن سے کام لیا اور حتی الوسع یہی سمجھنے کی کوشش کی کہ یہ ایک فروغی اور ضمنی اختلاف ہے جس کی ذمہ داری ہماری سیاسی اخلاقی اور ذہنی انحطاط پر عائد ہوتی ہے جو ان فساد انگیز حالات کے ختم ہونے پر خود بخود کافور ہو جائے گا۔ اس طرز عمل سے قادیانیوں کو جو فائدہ پہنچا، اس کی

تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ افسوس یہ ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کی اس بے اعتنائی سے قادیانی یا احمدی تحریک کا اصل مدعا لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رہا۔ لیکن اب کچھ دنوں سے اس صورت حالات کے خلاف ایک رد عمل رونما ہے۔ احمدیت کے ثمرات ملک کے سامنے ہیں اور اس کے بعض نتائج کو خود اس جماعت کا لاہوری فریق بھی قرآن پاک کے منافی سمجھتا ہے۔ حقیقت میں قادیانیت کی عمارت جس مسالے سے تیار ہوئی ہے، اس کو اسلام کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں یہی وجہ ہے کہ ارباب غور و فکر کی ایک جماعت ان عجیب و غریب انکشافات، اعتقادات، اجتہادات و افتراقات پر انگشت بندیاں ہے جو بقول پروفیسر صاحب موصوف اس تحریک کی بدولت وجود میں آئے اور جن کا خود انہوں نے زیر نظر تالیف میں نہایت شرح و بسط سے جائزہ لیا ہے۔

انہوں نے لفظی نزاعات اور بحث و مناظرہ کی راہ سے ہٹ کر قادیانیت کا تجزیہ جس انداز سے کیا ہے، وہ بیک وقت اچھوتا بھی ہے اور دلچسپ بھی اور اس سے پروفیسر صاحب کی جدت طبع اور ذوق علم دونوں کا اظہار ہوتا ہے۔ سوائے چند تمہیدات و ضمیمہ جات کے جہاں کتاب کی تالیف و ترتیب کے متعلق بعض امور تشریح طلب تھے ”قادیانی مذہب“ کے تمام ابواب و فصول ان اقتباسات پر مشتمل ہیں جو مولف نے بکمال محنت و دیانت مرزا قادیانی اور اس کے نائبین و مریدین کی تصانیف ان کے اشتہارات اور اخبارات اور رسائل سے اخذ کیے۔ پوری کتاب بیس فائلوں پر منقسم ہے اور ان میں یکے بعد دیگرے (۱) بانی تحریک (۲) ان کے حالات زندگی اور گونا گوں دعاوی (۳) قادیانیت کی تدریجی نشوونما (۴) احمدیوں کا جماعتی افتراق ان کے مخصوص عقائد، اجتہادات و نزاعات اور (۵) ملت کی طرف ان کا جو طرز عمل رہا ہے، اس پر خود اس جماعت ہی کے الفاظ میں ایک مکمل اور مبسوط تبصرہ موجود ہے۔ ہماری رائے میں پروفیسر الیاس برنی کی تصنیف قادیانیت کا ایک جامع قاموس ہے جس سے مسلمانوں کا کوئی گھر خالی نہیں ہونا چاہیے۔ جو حضرات ادیان و مذاہب کا مطالعہ علمی نہج پر کرتے ہیں، ان کے لئے یہ کتاب خاص طور پر مفید ثابت ہوگی۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ باوجود اتنی ضخامت اور اعلیٰ درجہ کی طباعت و کتابت کے ”قادیانی مذہب“ کی قیمت نہایت کم رکھی گئی ہے۔ غالباً اس لئے کہ ہر شخص اس سے افادہ حاصل کر سکے۔ پروفیسر صاحب کا یہ ایثار قابل مبارک باد ہے۔ (رسالہ ”طلوع اسلام“ لاہور)

بابت ماہ اگست ۱۹۳۶ء)

۳۔ ”قادیانی مذہب مرتبہ پروفیسر حاجی محمد الیاس برنی ایم۔ اے‘ استاذ معاشیات جامعہ

عثمانیہ۔ تقطیع ۲۰x۲۶/۸ جم ۹۶۶ صفحات۔ کاغذ سپید، کتابت و طباعت بہتر قیمت (۳ روپے)

یہ کتاب برنی صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے بلکہ ان کی پرانی تالیف ”قادیانی مذہب“ کی جو پہلی مرتبہ ۱۳۵۳ھ میں شائع ہوئی تھی، مکمل تر اور شاید آخری شکل ہے۔ برنی صاحب محض ایک پروفیسر معاشیات نہیں ہیں بلکہ اس سے زیادہ وہ مذہب و ملت کا درد رکھنے والے خادم اسلام ہیں اس سلسلہ میں انہوں نے مفید اور قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ادھر چند برسوں سے ان کی دینی حمیت نے انہیں وقت کی ایک اہم ترین ضرورت اور مذہب کی ایک بڑی خدمت یعنی قادیانی مذہب کے احتساب کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آج سے چار سال پہلے ایک مختصر کتاب ”قادیانی مذہب“ لکھی جس میں مرزا قادیانی اور اس کی امت کے اکابر کے قلم سے اس کی اور اس کے مذہب کی تصویر دکھائی تھی۔ اس کتاب کو اتنا حسن قبول حاصل ہوا کہ چار سال کے اندر اس کتاب کے چار ایڈیشن شائع ہوئے جن میں سے ہر ایک جامعیت و تکمیل میں پہلے سے بڑھ کر تھا۔ موجودہ چوتھا ایڈیشن سب میں جامع تر اور مکمل تر ہے۔ اس کی جامعیت کا اندازہ کتاب کی ضخامت و اس کے فصول مباحث کی کثرت سے ہو سکتا ہے۔ پوری کتاب میں بیس فصلیں اور چند ضمیمے ہیں۔ ہر فصل میں بکثرت مباحث ہیں۔ بعض بعض فصلوں کے مباحث کی تعداد سو سے اوپر ہے۔ پوری کتاب کے مباحث ایک ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔ استیعاب کی یہ شان ہے کہ مرزا قادیانی کے خاندانی حالات اور ان کی پیدائش سے لے کر ان کی وفات تک کا کوئی واقعہ اور قادیانی مذہب کا کوئی رخ اور کوئی پہلو چھوٹے نہیں پایا ہے۔ عجب نہیں کہ اس کتاب کو دیکھ کر قادیانی امت پکار اٹھی ہو مالہذا الكتاب لا یغادر صغیرة ولا کبیرة الا احصھا۔

اس کتاب کی تالیف میں برنی صاحب نے قادیانی مذہب کا سارا لٹریچر کھنگال ڈالا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ بعض ضروری تشریحات اور حواشی کے علاوہ مصنف نے خود اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا ہے۔ بلکہ خود مرزا قادیانی اور قادیانی مذہب کے اکابر کے قلم و زبان سے ’نبی قادیان اور



ان کے مذہب کی تصویر کھینچ دی ہے۔ گویا مصنف نے قادیانیوں ہی کا بنایا ہوا آئینہ لا کر ان کے سامنے کھڑا کر دیا ہے جس میں ان تمام خدو خال صاف نظر آتے ہیں اور بہ یک نظر ان کی پوری تاریخ نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ جہاں خود کچھ لکھنے کی ضرورت پڑتی ہے وہاں بھی تہذیب و متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا ہے۔ جو مناظر انہی تحریروں میں عنقا ہے اس موضوع پر بلکہ شاید مناظرے کی تاریخ میں اس نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ یہ طریقہ نہ صرف متین و سنجیدہ بلکہ سب سے زیادہ موثر اور کامیاب بھی ہے۔ آج کل بہت سے ناواقف اور سادہ لوح مسلمان بلکہ بعض کوتاہ نظر تعلیم یافتہ تک قادیانی مذہب کی حقیقت سے بے خبر ہیں اور کم از کم ان کے تبلیغی ڈھونگ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ اس کو پڑھنے کے بعد قادیانی مذہب کی حقیقت بالکل آئینہ ہو جاتی ہے۔ خدا مصنف کو اس عمل حسنہ کی جزائے خیر دے۔“

(رسالہ ”معارف“ اعظم گڑھ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

”قادیانی مذہب“ یہ بڑی تقطیع کے ۹۶۶ صفحات کی ایک کتاب ہے جو مولانا الیاس برنی ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی (علیگ) ناظم دارالترجمہ سرکار عالی حیدرآباد دکن کی مصنفات کا شاہکار ہے۔ اس کتاب میں قادیانی مذہب کی حقیقت کو خود اس مذہب کے اکابرین کی مستند تحریرات کے آئینہ میں اس خوش اسلوبی کے ساتھ بے نقاب کیا ہے کہ اس کتاب کو غور اور گہری نظر سے مطالعہ کرنے والے پر اس مذہب کا پھر کوئی تبلیغی حربہ کارگر نہیں ہو سکتا۔ مذہبی مباحث میں پروفیسر برنی صاحب کا طرز نگارش اور اسلوب اظہار بدعاتنا دلکش اور سنجیدہ ہے کہ اس حیثیت کی دوسری کتاب اب تک ہم نے نہیں دیکھی۔ کتاب کیا ہے قادیانی مذہب کی ایک انسائیکلو پیڈیا ہے اور گویا پورے قادیانی لٹریچر کا عطر و خلاصہ ہے۔ پروفیسر صاحب کی قلم سے کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلا جو متانت و ثقاہت سے گرا ہوا اور کسی ذوق سلیم پر بار ہو۔ انہوں نے قادیانی مذہب کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالی ہے اور اس مذہب کے اعتقادات و اجتہادات و افتراقات کو خود اس مذہب کے اکابرین کی مستند تحریرات کے دامن میں پیش کیا ہے۔ صرف عنوانوں کے الفاظ ان کے ہیں۔ باقی سب کچھ قادیانی لٹریچر کے پورے حصے اور پوری عبارتیں معہ حوالہ کتاب اور صفحہ ہیں اور سب کچھ ایک دلکش نظم و ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ عنوانات میں بھی ہمیں یہ

احتیاط اور تہذیب اور رواداری نظر آئی کہ ایسا کوئی لفظ قلم سے نکلنے نہیں دیا جس سے قادیانی مذہب والوں کی کوئی واقعی دل آزاری ہو۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ صرف اس کتاب کو پڑھنا قادیانی تبلیغ کے سحر سامری کو باطل کر دے گا۔

برنی صاحب نے یہ وہ خدمت اسلام انجام دی ہے اور اس قدر محنت اور جگر کاوی سے کام لیا ہے کہ بے اختیار ان کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں میں اس کتاب کو اگر پھیلا دیا جائے تو یقین ہے کہ دین سے بے خبر انگریزی تعلیم یافتہ لوگ قادیانی تبلیغ کے اثر سے قطعی محفوظ ہوں گے اور اس کتاب کو پڑھ کر اقرار کریں گے کہ اس بندہ خدا کی کوشش نے ان کا دین بچا لیا۔ اب کوئی قادیانی تبلیغی حکمت و تدبیر انہیں سواد اعظم سے اور حضور خاتم النبیین کے قدموں سے جدا نہ کر سکے گی۔

اے حیدر آباد! خدا تجھ پر اپنی رحمت کا وہ سایہ برقرار رکھے جس کا تیرے لئے اعلیٰ حضرت آصف جاہ ہفتم کی صورت ہمایونی میں ظہور ہوا ہے اور جس کی بدولت تیری یہ شان ہے کہ تو گویا آج مدینۃ الاسلام ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کا دل و دماغ کھینچ کر تیرے دامن میں چلا گیا ہے اور دین کی کیسی کیسی خدمات ہیں دور حاضرہ میں خدا نے اے حیدر آباد تیرا حصہ کر دیا ہے۔“

(روزنامہ ”پیغام“ دہلی مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۶ء)

”قادیانی مذہب“ یہ ایک کتاب کا نام ہے جو تقریباً ایک ہزار صفحہ کی ہے اور جناب مولانا الیاس برنی صاحب ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی پروفیسر جامعہ عثمانیہ و ناظم دارالترجمہ عثمانیہ کی شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ ظل سبحانی اعلیٰ حضرت حضور نظام کے مکتوب مبارک میں بھی مولانا برنی کا ذکر تھا۔ یہ کتاب قادیانی عقائد کے جزو کل کا ایک ایسا مکمل آئینہ ہے جو موجودہ زمانہ کے لٹریچر میں بے نظیر کہا جاسکتا ہے..... اس کی قیمت تین روپیہ بہت کم ہے۔ کیونکہ یہ قیمت لاگت سے بھی کم ہے۔ خواجہ حسن نظامی۔ (”اخبار“ منادی“ دہلی“ مورخہ ۱۹ جون ۱۹۳۶ء)

مبلغ ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب نے آپ کی شہرہ آفاق کتاب پر ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا ہے:

”مصنف سابق صدر شعبہ معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن نے امت محمدیہ پر عظیم احسان کیا اور اپنے لئے شفاعت محمدیہ کی سند حاصل کی۔ مرزاہیت کی اصل کتب کے کم و بیش تیس ہزار

حوالہ جات نقل کئے گئے ہیں۔

آج تک قادیانی گروہ اس کا جواب دینے سے عاجز ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں سوائے خوبصورت و دلچسپ سرخیوں کے باقی تمام تر مواد مرزائیت کی کتب سے ماخوذ ہے البتہ کہیں کہیں پرہین القوسین ایک آدھ فقرہ تبصرہ کے طور پر اپنی طرف سے لکھ کر مصنف نے حوالہ کی آہنی زنجیر کو آہنی تالا لگا دیا ہے۔ لطف یہ کہ تبصرہ پیوند کاری نہیں بلکہ ضرب کاری محسوس ہوتا ہے۔

بلاشبہ آج تک رد قادیانیت پر لکھی جانے والی کتابوں میں اپنی بعض خوبیوں کے باعث ممتاز ہے اسے رد قادیانیت پر انسائیکلو پیڈیا کہا جاسکتا ہے۔

اس کی دس فصلیں ہیں۔ پہلی فصل مرزا قادیانی کے ذاتی حالات، دوسری فصل نبوت کی تمہید، تیسری فصل نبوت کی تحصیل، چوتھی فصل نبوت کی تکمیل، پانچویں فصل فضیلت کی تفصیل، چھٹی فصل انکشافات، ساتویں فصل ارشادات، آٹھویں فصل تعلقات، نویں فصل معاملات اور دسویں فصل قادیانی صاحبان اور مسلمان دین و ملت پر مشتمل ہیں۔

اس کتاب پر نصف صدی بیت چکی ہے۔ لیکن پروفیسر الیاس برنی کے قلم سے مرزائیت کو جو چرکالگا تھا آج تک مرزائیت اس کی ٹیس سے کراہ رہی ہے۔ موجودہ مرزائیت کے لئے دنیا میں یہ کتاب سوہان روح ہے تو قبر میں مرزا قادیانی کے لئے عذاب خداوندی۔ یہ کتاب لکھ کر مصنف نے قادیانی امت پر اتمام حجت کر دیا۔ (قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کی سرگذشت صفحہ ۱۶۲)

خلیل احمد رانا فرماتے ہیں:

”قادیانیت کے خلاف آپ کی کتاب ”قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ“ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اپنی طرف سے عام طور پر سرخیاں ہی لگائی ہیں، باقی مرزائیوں کی کتابوں کے حوالے بلا تبصرہ ہیں، اگرچہ اس کتاب میں ثبوت ختم نبوت اور قادیانیوں کے اعتراضات کے جوابات نہیں ہیں، مگر خود قادیانیوں کی کتب سے ان کی تردید بڑے جامع انداز میں کی گئی ہے۔“

(تحریک ختم نبوت کا ایک قلمی مجاہد از خلیل احمد رانا، مطبوعہ جہانِ رضا پریس، ۲۰۰۰)

مشہور واعظ شاہ بلخ الدین (کراچی) لکھتے ہیں:

”پروفیسر محمد الیاس برنی صاحب نے قادیانیت کے خلاف تنہا بہت بڑا جہاد کیا، ان کا جہاد علمی تھا، قادیانیت کے خلاف سب سے پہلے جامع کتابیں انہوں نے لکھیں، اور انہیں غیر مسلم قرار دینے کی تجویز شروع کرنے والے ابتدائی لوگوں میں سے تھے۔“

(شاہ بلخ الدین، مضمون، آئینہ ایام، مرقع جامعہ عثمانیہ (جشن الماس نمبر) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء، ص ۲۹۰) پروفیسر ہارون خاں شروانی (حیدرآباد دکن) لکھتے ہیں!

برنی صاحب کو ختم نبوت کے مسئلہ پر عبور حاصل تھا اور یہ عبور اجتہاد کی حد کو پہنچ گیا تھا، اس مسئلہ پر متعدد کتابیں لکھیں اور ان میں سے بعض کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے، ان کی طرز تحریر دل میں جگہ کر لیتی ہے۔

(پروفیسر ہارون خاں شروانی، مضمون، پروفیسر محمد الیاس برنی، مرقعہ جامعہ عثمانیہ، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء، ص ۱۸۱)

مفکر پاکستان جناب علامہ محمد اقبال صاحب کو جب حضرت علامہ الیاس برنی نے ”علمی محاسبہ“ کا نیا ایڈیشن ارسال کیا تو آپ نے شکر یہ کا خط ان الفاظ میں تحریر فرمایا۔

لاہور:- جاوید منزل

۲۷ مئی ۱۹۳۷ء

جناب پروفیسر صاحب السلام علیکم۔ آپ کی کتاب ”قادیانی مذہب“ کی نئی ایڈیشن جو آپ نے بکمال عنایت ارسال فرمائی ہے، مجھے مل گئی ہے۔ جس کے لئے بے انتہا شکر گزار ہوں۔ میں نے سید نذیر نیازی ایڈیٹر ”طلوع اسلام“ سے سنا ہے کہ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی ہے۔ آپ کی محنت قابل داد ہے کہ اس سے عامۃ المسلمین کو بے انتہا فائدہ پہنچا ہے۔ اور آئندہ پہنچتا رہے گا۔

اب ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ جو آپ کے ذاتی افکار کا نتیجہ ہو۔ آپ کے قلم سے مسلمان ایسی توقع رکھنے کا حق رکھتے ہیں۔ قادیانی تحریک یا یوں کہئے کہ بانی تحریک کا دعویٰ مسئلہ بروز پر مبنی ہے۔ مسئلہ مذکور کی تحقیق تاریخی لحاظ سے از بس ضروری ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ یہ مسئلہ عجمی

مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ اور اصل اس کی تارین ہے۔ نبوت کا سامی تخیل اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ میرے رائے ناقص میں اس مسئلہ کی تاریخی تحقیق کا دیانیت کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی ہوگی۔

والسلام

محمد اقبال

(۱) (ہفت روزہ ختم نبوت کراچی ۶ تا ۱۲ / اکتوبر ۱۹۹۵ صفحہ ۱)

اسرارِ اقبال
مخبرِ اقبال
۱۵ ۱۴

صاحبزادہ افتخار الحسن زیدیؒ

آپ فیصل آباد کے بریلوی مکتب فکر کے عظیم راہنما تھے۔ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ بلا کے خطیب اور شہرہ آفاق قلم کار تھے۔ زندگی بھر تحریر و تقریر سے قادیانیت کے بخیے ادھیڑتے رہے۔ ۱۹۵۳ء، ۱۹۷۳ء اور بعد ۱۹۸۳ء میں چلنے والی تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ متعدد بار پابند سلاسل ہوئے۔ ۱۹۸۹ء میں بدنام زمانہ مصنف سلمان رشدی نے ”شیطانی آیات“ نامی کتاب تحریر کی تو آپ نے اس کے رد میں ”گستاخ رسول ﷺ کی سزا“ کے عنوان سے شہرہ آفاق کتاب تحریر فرمائی۔ اس کتاب میں آپ نے دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ مرزائی و قادیانی بھی گستاخ رسول اور واجب القتل ہیں، آپ نے مرزا قادیانی کی کتب سے متعدد ایسے حوالے نقل کئے ہیں جن سے ان کا گستاخ رسول ہونا اظہر من الشمس ہے۔ اسی بنا پر اسے نبی و رسول ماننے والے بھی گستاخان رسول اور واجب القتل ہیں۔ رد قادیانیت کے سلسلہ میں اپنی کوششوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں۔

”اگرچہ مجلس احرار کا اور نہ کبھی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ممبر رہا ہوں مگر ۳۵ سال سے اس شمع محمدی ختم نبوت کے پروانوں کے ساتھ مرزائیت کے خلاف جہاد میں مصروف ہوں۔ اور یہ میرے والد گرامی مولانا سید محمود مسعودؒ کے خون کی کرامت ہے جنہوں نے سب سے پہلے قادیان جا کر مرزا محمود کو لٹکا اور اسے دعوت مباحلہ دی“ (گستاخ رسول کی سزا صفحہ ۱۱۷)

عقیدہ ختم نبوت سے آپ کو کتنا لگاؤ تھا اس کا اندازہ آپ کی اس تحریر سے ہوتا ہے آپ فرماتے ہیں ”آج کل بیماری و ناتوانی اور کمزوری اور علالت کے باوجود بھی جہاں کہیں ختم نبوت کی شمع جلتی ہوئی نظر آتی ہے جل مرنے کے لئے وہاں پہنچ جاتا ہوں۔“ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران آپ کو ایک سال قید کی سزا ہوئی جو آپ نے میانوالی جیل میں کاٹی۔ علاوہ ازیں بھی آپ متعدد بار ختم نبوت و ناموس رسالت کے موضوع پر تقاریر کرنے کے جرم میں جیل اور نظر بندی کی صعوبتیں برداشت

کرتے رہے مگر آپ کے پائے ثبات میں کبھی تزلزل نہ آیا۔ آپ کی وفات حسرت آیات پر صاحبزادہ طارق محمود صاحب (دیوبندی) نے اپنے زیر ادارت نکلنے والے ماہنامہ ”لولاک“ میں آپ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

”صاحبزادہ سید افتخار الحسن شاہ ایک عظیم عوامی خطیب تھے۔ بریلوی مکتب فکر میں صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ کے بعد بلاشبہ وہ بڑے خطیب تھے۔ مرحوم سال ہا سال سے ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ اور پھر ربوہ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ مرحوم آخری مقرر کی حیثیت سے اسٹیج پر جلوہ گر ہوتے اور پھر اس طرح چھا جاتے کہ ان کی خطابت کے سامنے کسی کا چراغ نہ جلتا۔ شاہ صاحب شوگر کے عارضہ کے باعث چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے سے معذور تھے۔ انہیں معذوری کی یہ تکلیف گزشتہ دو برس سے تھی لیکن اس کے باوجود آپ ربوہ ختم نبوت کانفرنس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ شاہ صاحب کے ایک خادم اور رفیق نے بتایا کہ ایک دفعہ سفر سے واپس آ رہے تھے کہ راستہ میں آپ نے فرمایا میں چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ دعا کرو اللہ تعالیٰ زبان سے معذور نہ فرمائے تاکہ میں اس کی حمد و ثناء اور اس کے حبیب ﷺ کی تعریف و توصیف بیان کرتا رہوں۔

صاحبزادہ سید افتخار الحسن شاہ بلاشبہ بڑے عوامی خطیب تھے۔ لیکن آپ کی خطابت شجاعت سے عبارت تھی۔ دور ایوبی میں ملک امیر محمد خان مغربی پاکستان کے گورنر تھے۔ صاحبزادہ صاحب نے ایک آمر اور جابر گورنر کے بارے میں کہا ”گورنر کی مونچھوں سے بغاوت ہو سکتی ہے۔ محمد ﷺ کی زلفوں سے بغاوت نہیں ہو سکتی“ صرف اتنی بات پر شاہ صاحب کو شاہی قلعہ دیکھنا پڑا تھا۔ آپ نے ہر دور میں کلمۃ الحق بلند کیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں..... ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مرحوم نے بڑی جگر داری اور بہادری سے حصہ لیا۔ فیصل آباد سے رضا کاروں کا جو قافلہ روانہ ہوا تھا شاہ صاحب نے اس کی قیادت فرمائی۔ روانگی سے پہلے شاہ صاحب کو ایک بڑے جلوس کی صورت میں ریلوے اسٹیشن تک لایا گیا۔ ریلوے اسٹیشن کے باہر صاحبزادہ صاحب نے تانگے پر کھڑے ہو کر ایک ولولہ انگیز تقریر فرمائی۔

صاحبزادہ سید افتخار الحسن شاہ نے اپنی تصنیف ”زندگی“ میں لکھا ہے کہ میری شجاعت اور

بخشش کے لئے ۱۹۵۳ء کی تحریک میں اسٹیشن والی تقریر ہی کافی ہے۔ منیر انکواری رپورٹ میں صاحبزادہ سید افتخار الحسن شاہ کی اس تقریر کا ذکر موجود ہے جس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ اس تقریر نے پورے شہر میں آگ لگادی تھی۔ آپ نے مختلف جیلوں میں ساڑھے تین سال قید کاٹی۔ اگرچہ مرحوم بڑے خوش پوش، خوش خوراک اور نفیس الطبع انسان تھے لیکن اس کے باوجود نہایت پامردی اور جوانمردی سے اس طرح جیل کاٹی کہ مرحوم کے پائے ثبات میں لغزش تک نہ آئی۔

آخری آیام میں شاہ صاحب مرحوم کا جسم مختلف عوارض کا ہسپتال بن گیا تھا۔ شوگر کے عارضہ کے باعث مرحوم چلنے پھرنے سے معذور تھے لیکن آپ نے اپنے حلقہ احباب سے رابطہ رکھا۔ جلسوں، کانفرنسوں اور عوامی اجتماعات سے خطاب کرتے رہے۔ تقریر کے آغاز میں کہا کرتے تھے ”میں کونجوں کی ڈار سے پچھڑی ہوئی کونج ہوں۔ جب کونج ڈار سے پچھڑ جائے تو روتی نہیں بلکہ کرلاتی ہے۔ رونا اور ہے، کرلانا اور ہے۔“

صاحبزادہ سید افتخار الحسن شاہ ایک تاریخ ساز، عہد آفرین شخصیت تھے۔ مرحوم بے پناہ خوبیوں اور کمالات کے مالک تھے۔ راقم کو انہیں بہت قریب سے دیکھنے اور ان کی شخصیت کو پڑھنے کا موقع ملا۔

۱۵ جولائی بروز جمعرات بعد نماز عصر صاحبزادہ سید افتخار الحسن شاہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ہر آنکھ اشکبار تھی۔ صاحبزادہ صاحب کے معتقدین زار و قطار رو رہے تھے۔ جنازہ مسلم ہائی سکول طارق آباد کی گراؤنڈ میں پہنچا تو انسانوں کا جم غفیر موجود تھا۔ ملک کے دور دراز علاقوں سے علمائے کرام اور شاہ صاحب کے مریدین نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد ازاں صاحبزادہ سید افتخار الحسن کو جامع مسجد الفردوس منصور آباد میں جہاں مرحوم نے سال ہا سال خطابت کے فرائض سرانجام دئے تھے، اپنی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ شاہ صاحب کی تدفین کے وقت رقت آمیز مناظر دیکھے گئے۔

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

(ہفت روزہ ”لولاک“ فیصل آباد جلد ۲۹، شماره ۷۱، از قلم صاحبزادہ طارق محمود)

ایک مرتبہ دورانِ خطاب آپ نے فرمایا

اے اسلامی بھائیو! نبی کائنات ﷺ کا فرمان ہے:

”تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے۔ اگر ہاتھ سے روکنے کی استعداد

نہ رکھتا ہو تو اسے زبان سے روکے۔ اگر زبان سے بھی نہ روک سکتا ہو تو اسے دل سے بھاجانے اور یہ

ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

آؤ اس حدیث کی روشنی میں ہم اپنا احتساب کرتے ہیں۔

اس وقت قادیانیت دنیا کی سب سے بڑی برائی ہے جو اسلام کی ڈیشان عمارت کو دھڑام

سے زمین پر گرا کر اس کے کھنڈرات پر قادیانیت کی عمارت تعمیر کرنا چاہتی ہے۔

اگر ہمارے حکمرانوں نے ہاتھ سے یعنی اپنی حکومتی قوت سے اس برائی کو روکا ہوتا تو یہ فتنہ کبھی

کا اپنی موت مرچکا ہوتا۔

اگر امت کی کثیر تعداد نے زبان سے اس فتنے کے خلاف جہاد کیا ہوتا تو آج اس برائی کے

پر نچے اڑ چکے ہوتے۔

اگر ملت اسلامیہ کی کثیر تعداد نے قادیانیت کو دل سے برا جانا ہوتا تو آج قادیانی مسلم معاشرے میں گھل

مل کے نہ رہ سکتا۔

سوچئے! ہمارا نام کس درجے میں آتا ہے یا کسی درجے میں نہیں آتا۔ اگر کسی درجے میں

نہیں آتا۔۔۔ تو کیا ہم مسلمان ہیں؟ کیا رحمت عالم ﷺ سے ہمارا کوئی ناٹہ ہے؟

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تجھے پاس نہیں

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

(شمع ختم نبوت کے پروانوں کی باتیں صفحہ ۱۹۰ تا ۱۹۶ از طاہر رزاق)

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۷۷ء--۱۹۳۸ء)

حافظ و خیام کی پرواز لے کر آ گیا
ایک شاعر، میر و غالب کی ہمہ دانی کے بعد
نغمہ یثرب کی خاطر ساز لے کر آ گیا
ایک دیوانہ، جمال الدین افغانی کے بعد

شاعر مشرق حکیم الامت سرمایہ اہلسنت، مفکر پاکستان علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کی شخصیت کسی

تعارف کی محتاج نہیں۔ لیکن ضرورت مضمون کے تحت چند سطور بطور سیاق لکھنا ضروری ہیں۔

تابعد عصر شاعر مشرق کے اجداد کشمیری تھے جو بعد ازاں ہجرت کر کے سیالکوٹ آ گئے۔ آپ

کے والد ایک شب بیدار اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ جن کا اصل نام شیخ نور محمد تھا مگر خاندان بھر میں

میاں جی کے نام سے مشہور تھے۔ میاں جی کے ہاں دو لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ علامہ محمد اقبال

کے بڑے بھائی کا نام شیخ عطا محمد تھا۔ آپ کی پیدائش ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں ہوئی ابتدائی تعلیم

سیالکوٹ میں حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور فلسفہ میں ایم اے کی ڈگری

حاصل کی بعد ازاں یورپ چلے گئے اور قانون اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کر کے واپس لوٹے۔

آپ نے سیالکوٹ کالج کے زمانہ طالب علمی سے ہی ہلکی پھلکی شاعری کا آغاز کر دیا تھا مگر بعد میں آپ

کی شاعری میں ایسا رنگ آیا کہ ایک زمانہ آپ کے افکار و نظریات کا گرویدہ ہو گیا۔ دین اسلام کی عظمت

اور سر بلندی آپ کی پہلی اور آخری خواہش تھی۔ آپ کے کلام کی ہمہ گیریت کا یہ عالم تھا کہ دین و دنیا کے

تقریباً تمام مسائل و افکار کا تذکرہ آپ نے اجمالاً و تفصیلاً کسی نہ کسی طور پر فرما دیا ہے۔ مسلم ملت کا یہ عظیم

پھول تقریباً اکٹھ برس تک اس جہان رنگ و بو میں اپنی ہمہ گیر خوشبو بکھیر کر ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو راہی ملک

عدم ہوا۔

اسلام اور پیغمبر اسلام خاتم النبیین ﷺ سے آپ کی عقیدت و محبت کا اندازہ آپ کا کلام پڑھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ آپ اپنی تمام تر عزت و عظمت اور شہرت کو نبی اکرم ﷺ کے عشق و محبت کا صدقہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

در دل ما مقام مصطفیٰ ست
آبروئے مازنام مصطفیٰ است

(اسرار و رموز۔ صفحہ ۱۹)

روح را جز عشق او آرام نیست
عشق او روز کورا شام نیست

(پیام مشرق ۶۱)

در جهان ذکر و فکر انس و جان
تو صلوة صبح تو بانگ اذان

(پس چہ باید کرد۔ ۵۷)

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحر و بر در گوشہ دامان اوست

(پیام مشرق۔ ۲۱)

خیمہ افلاک کا ایتادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

(بانگ درا۔ ۲۳۱)

نسخہ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

(اسرار و رموز۔ ۲۱)

ایک دفعہ جب کسی نے آپ سے سوال کیا کہ آپ سے زیادہ عالم اور عامل لوگ دنیا میں موجود ہیں مگر جو پذیرائی آپ کو میسر آئی ہے وہ اور کسی کے حصہ میں کیوں نہیں آئی تو آپ نے فرمایا۔

”میں نے باقاعدگی سے ایک لاکھ مرتبہ سید المرسلین ﷺ کی ذات اقدس کی خدمت میں درود شریف کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ یہ سب عزت و شرف اسی کا نتیجہ ہے۔“

کافر ہندی ہوں مگر دیکھ میرا ذوق و شوق

دل میں صلوة و درود ذل بپہ صلوة و درود (بال جبریل صفحہ: ۱۳۰)

آپ نے دین اسلام کی خدمت غیر شعوری طور پر کبھی نہ کی بلکہ اس کے پیچھے آپ کے عظیم والد کی خواہش اور دعائیں شامل تھیں۔ آپ کی بڑی بھانج شیح عطا محمد کی بیوی روایت کرتی ہیں گورنمنٹ مرے کالج سیالکوٹ میں داخلہ لیتے وقت ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے اقبال کو واقعی اقبال بنانے میں اہم کردار ادا کیا وہ تھا انکا اپنے والد کے ساتھ عہد۔ انکے والد نے ان سے یہ عہد لیا تھا کہ ”وہ تکمیل تعلیم کے بعد اپنی ساری زندگی خدمت اسلام کے لئے وقف کر دیں گے۔“ مسلمانوں کی ایک نسل گواہ ہے کہ انہوں نے اپنے اس عہد کو کما حقہ پورا کیا بلکہ والد صاحب کی بیماری کے آخری ایام میں آپ نے باتوں باتوں میں والد صاحب سے دریافت فرمایا

”والد صاحب بزرگوار آپ سے جو میں نے خدمت اسلام کا عہد کیا تھا وہ میں نے پورا کیا یا

نہیں؟“

والد صاحب نے بستر مرگ پر گواہی دی:-

جان من تم نے میری محنت کا معاوضہ چکا دیا“ (داستان اقبال از پروفیسر صابر کلوری

صفحہ ۲۴ مطبوعہ شاہکار بک کلب کراچی)

علامہ اقبال کو دین اسلام کے جس پہلو سے بھی دیکھا جائے تو تصور یہی ابھرتا ہے کہ آپ نے اسی شعبہ میں سب سے زیادہ کام کیا ہے مثلاً اگر اطاعت خدا کے حوالے سے آپ کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو قاری یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جتنا زیادہ درس اطاعت خدا کا اقبال نے دیا ہے شاید ہے کسی ہم عصر عالم دین کو اتنی توفیق ہوئی ہو اسی طرح عشق رسالت ﷺ اور گمراہ و باطل فرقوں کی

تردید جیسے تمام عنوانات پر آپ کی سیر حاصل تعلیمات موجود ہیں مگر آج کی نشست میں ہم احتساب قادیانیت کے حوالے سے آپ کی خدمات پر میسر معلومات کی روشنی میں بحث کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

دین اسلام کی سر بلندی کی خاطر علامہ اقبال نے قادیانی فتنہ کو شروع شروع میں مخلص سمجھتے ہوئے اسکی تائید و حمایت فرمائی مگر درخت جڑ سے نہیں پھل سے پہچانا جاتا ہے کے مصداق جب آپ نے انگریز کے خود کاشتہ پودے کا پھل دیکھا تو فوراً اپنے گذشتہ نظریات سے رجوع کر لیا اور قادیانیت کو اسلام و ملک دونوں کی غدار قرار دینے میں ذرا بھی تاثر محسوس نہ کیا۔

آپ نے اپنے متعدد بیانات میں فرقہ قادیانیہ کے خلاف اظہار خیال فرمایا ہے۔ اپنے بیانات میں آپ نے برطانوی حکومت سے بر ملا مطالبہ کیا کہ فرقہ قادیانیہ کے خلاف کارروائی کرے اور اسے مسلمانوں سے علیحدہ غیر مسلم شمار کرے۔ ۱۹۳۵ میں آپ کا ایک بیان قادیانیوں کے خلاف شائع ہوا تھا بعد میں اس بیان کو اسلام اور قادیانیت کے عنوان سے علیحدہ کتابچہ کی شکل میں شائع کر دیا گیا۔ اس میں آپ نے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا تھا کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ نیز ۱۹۳۵ میں ہی سٹیٹسمین (اخبار) میں آپ کی نہرو کے ساتھ قادیانی مسئلہ کے بارے میں خط و کتابت ہوئی اور آپ نے ایک مقالہ اسلام اور احمدیت کے نام سے مذکورہ اخبار میں شائع کرایا۔ اس مضمون کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلے دو حصوں میں گروہ قادیاں اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے جبکہ تیسرے حصہ میں جواہر لال نہرو کے بیان کا تجزیہ بیان کیا گیا ہے۔ آپ کے دستخطوں کے ساتھ اس مضمون کا نائپ شدہ نسخہ آج بھی قومی عجائب گھر کراچی میں موجود ہے۔ (ترجمان اہل سنت کراچی ختم نبوة نمبر صفحہ ۵۱)

۲۲ جنوری ۱۹۳۶ء کو کراچی کے ایک انگریزی اخبار الاسلام نے علامہ اقبال کی خصوصی اجازت سے یہ مضمون شائع کیا تھا اور اس اخبار کی کاپی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ علامہ اقبال کی زندگی میں بھی یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ پہلے آپ قادیانیت کے حامی تھے اور آج کل آپ اس کے مخالف کیوں ہو گئے ہیں تو آپ نے فرمایا:-

”کسی مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں عیاں نہیں ہو جاتی۔ اچھی طرح ظاہر ہونے میں برسوں چاہیے۔ تحریک کے دو گروہوں (لاہوری و قادیانی) (مرتب) کے باہمی تنازعات اس پر شاہد ہیں خود ان لوگوں کو جو بانی تحریک کے ساتھ ذاتی رابطہ رکھتے تھے معلوم نہ تھا کہ آگے چل کر تحریک کس راستہ پر چل جائے گی ذاتی طور پر میں اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا جب ایک نئی نبوت --- بانی اسلام کی نبوت سے اعلیٰ تر نبوت --- کا دعویٰ کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا بعد میں یہ بیزاری بغاوت کی حد تک پہنچ گئی جب میں نے تحریک کے ایک رکن کو اپنے کانوں سے آنحضرت ﷺ سے متعلق نازیبا الفاظ کہتے سنا۔ درخت جڑ سے نہیں پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر میرے موجودہ رویہ میں کوئی تناقص ہے تو یہ بھی ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے۔“ بقول ایمرن ”صرف پتھر اپنے آپ کو نہیں جھٹلا سکتے“ (اقبال اور احمدیت - صفحہ ۱۵۹ از بشیر احمد ڈار)

بقول پروفیسر صابر کلوروی (مرتب داستان اقبال) اگرچہ اقبال قادیانی تحریک کے آغاز میں اس سے نیک امیدیں وابستہ رکھے ہوئے تھے لیکن اس کی اندھی تقلید آپ نے کبھی بچپن میں بھی نہیں کی۔ وضاحت میں جناب پروفیسر موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

”سیالکوٹ کی جامع مسجد ہے، مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ مسیحیت کے ابتدائی ایام ہیں، وہ اپنے عقیدت مندوں کو تازہ الہامات سنا رہے ہیں، ان کے مرید جھوم جھوم کر ان کے دعوؤں پر امانتاً و صدقاً کہہ رہے ہیں، اتنے میں اقبال وہاں پہنچ جاتے ہیں اور لوگوں کی توجہ یہ کہہ کر اپنی طرف مبذول کرا لیتے ہیں مجھے بھی الہام ہوا ہے، سنیے! چھوٹے سے بچے کے اس اعلان پر بھی حیران رہ جاتے ہیں اور اقبال کا منہ تکتے لگتے ہیں، وہ عربی کے چند جملوں میں قادیانی عقائد پر مزاحیہ رنگ میں چوٹیں کرنی شروع کر دیتے ہیں (کیا ہی مناسب ہوتا اگر پروفیسر صاحب اقبال کی اس گفتگو کی ایک جھلک بھی تحریر کر دیتے۔ زاہد)۔ اس نوک جھونک پر مرزا قادیانی کے حواری سخت براہم ہوتے ہیں اور اس ”بندہ گستاخ“ کا ”منہ بند“ کرنے کے لئے اُسے یزداں کی محفل سے نکال باہر کرتے۔“ (داستان اقبال صفحہ ۱۲۳ از پروفیسر صابر کلوروی مطبوعہ شاہکار بک کلب)

بشیر احمد ڈار صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ”یہ روایت بھی سننے میں آئی ہے کہ ۱۸۹۲ء یا ۱۸۹۳ء میں مرزا صاحب کی بیعت حکیم الامت نے کی تھی“ ساتھ ہی آپ وضاحت فرماتے ہیں کہ اس وقت شاعر مشرق کی عمر بھی سولہ سترہ سال تھی اس عمر میں آپ کسی قسم کی مضبوط رائے قائم کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے البتہ ۱۹۰۲ء سے لے کر آپ کے نظمیں ونثری کلام میں عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ اور قادیانیت کی بیخ کنی کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ (اقبال اور احمدیت از بشیر احمد ڈار مطبوعہ آئینہ ادب۔ انارکلی لاہور) ۲۳ فروری ۱۹۰۲ء کو انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ بمقام لاہور میں آپ نے ایک نظم پڑھی تھی۔ اس نظم میں آپ نے بڑی خوبصورتی سے ختم نبوت کا اقرار کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

اے کہ بعد از تو نبوت شد بہ ہر مفہوم شرک

ماہر اقبالیات جناب پروفیسر غلام رسول مہر صاحب نے اس مصرعہ پر نہایت موزوں فٹ نوٹ تحریر فرمایا ہے آپ لکھتے ہیں:-

”یہ ۱۹۰۲ء کا کلام ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے لکھنے کی ضرورت مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ بروزی کی بنا پر ہوئی یعنی کہ تیرے بعد نبوت کا دعویٰ ہر لحاظ سے شرک فی النبوت ہے خواہ اس کا مفہوم کوئی ہو یعنی ظلی اور بروزی نبوت بھی اس سے باہر نہیں۔“

عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضرت اقبال رقمطراز ہیں!

”ہر ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہو لیکن اپنی بنائے نبوت پر رکھے اور بزعم خود اپنے الہامات پر اعتقاد نہ رکھنے والے تمام مسلمانوں کو کافر سمجھے مسلمان اسے اسلام کی وحدت کے لئے ایک خطرہ تصور کرے گا اور یہ اس لئے کہ ”اسلامی وحدت“ ختم نبوت ہی سے استوار ہوتی ہے۔“ (قادیانی اور جمہور مسلمان از علامہ محمد اقبال)

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد

بر رسول ما رسالت ختم کرد (رموز بیخودی۔ ۱۰۲)

ایک دوسرے مقام پر آپ نے فرمایا

”اسلام میں تصور ختم نبوت بڑی اہمیت کا حامل ہے اس تصور کا سیدھا سا مفہوم یہ ہے کہ!

”حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی انسان کے آگے روحانی طور پر سر تسلیم خم نہ کرنا“

آگے چل کر آپ تحریر فرماتے ہیں

”اسلام مکمل، سرمدی وازلی ہے حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی شخص پر ایسی وحی نازل نہ ہوگی جس کا انکار الحاد و زندقہ سمجھا جائے جو شخص اس قسم کی وحی کا دعویٰ کرے گا وہ اسلام کا باغی اور غدار ہے چونکہ قادیانیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ فرقہ احمدیہ کے بانی پر اس قسم کی وحی نازل ہوتی تھی اس لئے یہ لوگ اس کی دعوت کی حمایت نہ کرنے کی وجہ سے پورے عالم اسلام کو کافر اور زندیق سمجھتے ہیں۔ ان حالات میں اگر ہندوستان کے مسلمان قادیانی تحریک کو اسلام کی اجتماعی زندگی کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں تو ان کا یہ سمجھنا درست ہے۔“ (الاسلام کراچی ۲۶ جنوری ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۶)

نیز آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت و رسالت کی گواہی دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے

غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٰ سینا

نگاہِ عشقِ مستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآن وہی فرقان وہی یسین وہی ط

(بال جبریل صفحہ: ۴۱)

اگرچہ علامہ مرحوم اوائل عمری میں مرزا قادیانی کی ملمع کاریوں سے متاثر ہو کر اس بارے میں نیک اور حوصلہ افزا نظریات و خیالات رکھتے تھے لیکن جب اسکی تعلیمات عام ہوئیں اور حقیقت سامنے آئی تو آپ نے برملا تردید فرمائی قادیانیوں کے عقیدہ حرمت جہاد پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے اسے انگریز کی سازش قرار دیا آپ فرماتے ہیں:-

”سلطان ٹیپوشہید کے جہاد حریت سے انگریز نے اندازہ کر لیا تھا کہ مسئلہ جہاد اسکی حکومت کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے جب تک شریعت اسلامیہ سے اس مسئلہ کو خارج نہ کر دیا جائے انگریز کا مستقبل مطمئن نہیں چنانچہ اس نے زمانے کے مختلف علماء کو اپنا آلہ کار بنانا شروع کیا اور ہندوستانی علماء سے ایسے فتاویٰ حاصل کئے لیکن ایک مخصوص قرآنی مسئلہ کو مٹانے کے لیے علماء کو کافی سمجھ کر ایک جدید

نبوت کی ضرورت محسوس کی جسکا بنیادی مقصد بھی یہی ہو کہ اقوام اسلامیہ میں تنسیخ جہاد کی تبلیغ کی جائے احمدیت کے اسباب وجود پر آج تک جو کچھ لکھا گیا ہے اسکی وقعت سطحیت سے زیادہ نہیں اسکا حقیقی سبب اس ضرورت (تنسیخ جہاد) کا احساس تھا (ملفوظات اقبال طبع اول صفحہ ۴۱)

نیز آپ کی شہرہ آفاق شاعری میں بھی مرزا قادیانی کے فتویٰ تنسیخ جہاد پر گرفت کی گئی ہے

آپ فرماتے ہیں:-

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر

(ضرب کلیم صفحہ ۲۲-۲۳)

ایک اور جگہ آپ نے قادیانی نبوت پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا۔

وہ نبوت ہے مسلمان کے لئے برگ حشیش

جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام (ضرب کلیم ص ۵۳)

مرزا قادیانی انگریزی افکار میں ڈوب کر امت مسلمہ کو لمبے عرصے تک انگریز کا غلام

بنانے کی خاطر انگریزی استعمار کو اپنی الہامی سند مہیا کر رہا تھا اس پر آپ نے فرمایا۔

ہو بندہ آزاد اگر صاحب الہام ہے اسکی نگاہ فکر و عمل کے لیے مہینز

محکوم کے الہام سے اللہ بجائے غارت گرا قوام ہے وہ صورت چنگیز

(ضرب کلیم صفحہ: ۵۱)

فتنہ قادیانیت کا پس منظر بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

”بات یہ ہے کہ برطانوی حکومت کو ہندوستان پر اپنا تسلط جمانا تھا اور اس کے لئے ضروری تھا

کہ مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل کیا جائے اور ان کو ایک ایسے سانچے میں ڈھالا جائے جو حکومت برطانیہ کی مطلب براری میں ممد و معاون ہو۔ عقائد کو متزلزل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ایک ایسی اساس دریافت کی جائے جس کا تعلق وحی سے ہو یہ اساس احمدی فرقہ نے مہیا کر دی احمدی حضرات خود دعویٰ کرتے ہیں کہ حکومت برطانیہ کی انہوں نے یہ سب سے بڑی خدمت کی کہ اپنے روحانی انکشافات کے ذریعے مسلمانان ہند کی نظر میں انگریزوں کی غلامی کو خوش نظر بنا دیا اور اس طرح مسلمانوں کے لیے مصائب و آلام کی راہ ہموار کی۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں میں سیاسی بیداری سے انگریزوں ہندوستانی قوم پرستوں اور قادیانیوں کو فکر لاحق ہو گئی تھی۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر مسلمان بیدار ہو گئے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے وہ کبھی بھی محمد عربی ﷺ کی امت میں ایک نئی امت کی تشکیل نہیں کر سکیں گے۔ (ترجمان اہل سنت کراچی ختم نبوت نمبر ۲۷۱ صفحہ ۵۵)

مرزا قادیانی کی انگریز پرستی پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا

فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی

جو مسلمانوں کو سلاطین کا پرستار کرے (ضرب کلیم صفحہ: ۴۶)

تمام ایسے مسلمان جو مرزا قادیانی کی نبوت کی تصدیق نہ کریں انہیں کافر کہنے کے قادیانی

عقیدہ پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

پنجاب کے ارباب نبوت کی شریعت

کہتی ہے کہ یہ مومن پارینہ ہے کافر

(ضرب کلیم صفحہ: ۲۰)

علامہ اقبال نے اپنے بیان قادیانی اور جمہور مسلمان میں ۱۹۳۵ء کے آخر میں قادیانیوں کو

غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ حکومت کے سامنے ان الفاظ میں پیش کیا۔

”میرے خیال میں حکومت کے لیے بہترین طریقہ کار یہ ہوگا کہ وہ قادیانیوں کو ایک الگ جماعت

تسلیم کر لے۔ یہ قادیانیوں کی پالیسی کے عین مطابق ہوگا۔ اور مسلمان ان سے ویسی ہی رواداری سے

کام لے گا جیسا وہ باقی مذاہب کے معاملہ میں اختیار کرتا ہے،، (اقبال اور احمدیت از بشمیر ڈار صفحہ ۴۵)

نیز قادیانیوں کو کافر سمجھنے اور ان سے میل جول ختم کرنے کو ناجائز اور رواداری کے تقاضوں

کے خلاف سمجھنے والے لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا!

”بعض لوگ اس اہم معاملہ (قادیانیوں سے برتاؤ اور میل جول۔ زاہد) میں رواداری کی

بات کرتے ہیں یہ لوگ درحقیقت رواداری کے حقیقی معنی و مفہوم سے نا آشنا ہیں اور اس لفظ کے استعمال

میں نہایت ہی غیر محتاط ہو گئے ہیں انکو نہیں معلوم کہ حقیقی اور سچی رواداری ذہنی وسعت اور روحانی بالیدگی

سے حاصل ہوتی ہے۔“ (اسلام اور احمدیت از اقبال صفحہ ۶)

علامہ مرحوم کا نہایت اہم مضمون ”قادیانی اور جمہور مسلمان“ ۱۴ مئی ۱۹۳۵ء کے روزنامہ

سٹیٹسمین میں شائع ہوا تھا اسی دن سٹیٹسمین..... (Staitasman) نے آپ کے بیان کے حوالے

سے ادارہ یہ بھی تحریر کیا اور آپ کے موجودہ اور گذشتہ خیالات کے حوالے سے چند اہم سوالات اٹھائے

آپ نے انکے تسلی بخش جوابات لکھ کر روزنامہ سٹیٹسمین کو روانہ کر دیئے۔ آپ نے قادیانیوں کی دوغلی

پالیسی (عقائد اسلام سے انحراف اور مسلمان کہلانے کی ضد) کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

”میری رائے میں قادیانیوں کے نزدیک صرف دورا ہیں ہیں یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں

(اسلام سے کنارہ کش ہونے اور علیحدہ مذہب کے پیروکار ہونے کا اعلان کر دیں۔ زاہد) یا پھر ختم نبوت

کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو اسکے پورے مفہوم کے ساتھ قبول کر لیں انکی جدید تاویلیں محض اس بناء

پر ہیں کہ انکا شمار حلقہء اسلام میں ہوتا کہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔“

آگے چل کر آپ قادیانیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ غیر مسلم گروہ ثابت کرتے ہوئے تحریر

فرماتے ہیں:-

”انکا بنیادی اصولوں سے انحراف اپنی جماعت کے لئے نیا نام (احمدی) مسلمانوں کی قیام

نماز (باجماعت نماز) سے قطع تعلق نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور ان سب

سے بدھکر یہ اعلان کہ دنیائے اسلام کافر ہے یہ تمام امور قادیانیوں کی مسلمانوں سے علیحدگی پر دال

ہیں۔ (اقبال اور احمدیت صفحہ ۶۳-۶۵ از بشیر احمد ڈار)

آپ نے مزید فرمایا!

”موجودہ مردم شماری کے لحاظ سے قادیانی اگر مسلمانوں سے علیحدہ ہو جائیں تو انہیں سیاسی اقلیت کی حیثیت بھی نہیں مل سکتی۔ اس لئے قادیانی کبھی علیحدگی کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ لیکن ملت اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے اگر حکومت نے یہ مطالبہ منظور نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گذرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ ابھی اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے پنجاب میں مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو نقصان پہنچا سکے۔ ۱۹۱۹ء میں حکومت نے سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبہ کا انتظار نہ کیا تھا۔ اب وہ قادیانیوں سے ایسا مطالبہ کرنے کا انتظار کیوں کر رہی ہے۔ (اقبال اور احمدیت از بشیر احمد ڈار)

”اخبار صدق“ لکھنؤ نے اپنی یکم اگست ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں علامہ سر محمد اقبال کے مقالہ پر

ان الفاظ میں تبصرہ کیا۔

”قدرت کی طرف سے یہ عجیب معاملہ ہو رہا ہے کہ قادیانی بحث و مباحثہ جسے اب تک خالص دیوبند اور فرنگی محل، بریلی اور سہارنپور کی جبہ و دستار والے مولویوں کا ایک مذہبی مشغلہ سمجھا جا رہا تھا جدید تعلیم یافتہ گروہ اس کی نظر سے اٹھ گئی ہیں۔ ایک طرف جماعت احرار جس میں تعلیم یافتہ افراد کی ایک معقول تعداد شریک ہے وہ اس تحریک کے لئے آستین چڑھا چکی ہے تو دوسری طرف مولوی ظفر علی خان کا شہریز خامہ ان کے تعاقب میں سرپٹ چھٹا ہوا ہے۔ اور حال ہی میں علامہ سر محمد اقبال ادام اللہ فضلہ و طول اللہ عمرہ کے اس حقیقت خیز ولولہ انگیز مقالے نے ہمالیہ سے راس کماری تک ہلچل ڈال دی ہے۔ جس میں انہوں نے مسئلہ ختم نبوت کے فلسفیانہ پہلو کو قدرتی قانون پر منطبق کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت گزاری کا عظیم شرف حاصل کیا ہے متع اللہ المسلمین بطول بقانہ۔ (قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ صفحہ ۳۹)

آپ کا بیان ”قادیانی اور جمہور مسلمان“ اخبارات کی زینت بنا تو ہر طرف سے اسکے موافق و مخالف آراء کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ ہر طرف سے تعریفی و تنقیدی بیانات آنے لگے۔ پنڈت نہرو کو بھی قادیانیوں کی حمایت نے اکسایا تو اسلامی نظریات سے ناواقفیت کے باوجود اس نے بھی اپنے خیال میں آپ کے بیان پر تبصرہ کرنے کی لا حاصل کوشش کی اور بے سرو پا سوالات اٹھا کر معاملے کو مزید پیچیدہ

کرنے کی کوشش کی تو آپ نے اس کے اعتراضات کا جواب بھی تحریر فرمایا جو اس وقت کے اخبارات و رسائل کی زینت بنا۔ اس کے جواب میں آپ نے مسئلہ ختم نبوت اور عقیدہ حیات و ممات مسیح پر بڑی عالمانہ و مدلل گفتگو فرمائی اور آپ نے نہرو پر واضح فرما دیا کہ۔

”قادیانی اسلام کے دشمن تو ہیں ہی یہ ملک کے بھی وفادار نہیں ہیں“

اپنے بیٹے جناب جاوید اقبال سابق چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ کو وصیت فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا:-

”..... باقی دینی معاملے میں صرف اس قدر کہنا چاہوں گا کہ میں اپنے عقائد میں بعض جزوی مسائل کے سوا جو ارکان دین میں سے نہیں سلف صالحین کا پیرو ہوں اور یہی راہ بعد کامل تحقیق کے محفوظ معلوم ہوتی ہے، جاوید کو میرا یہی مشورہ ہے کہ ایسی راہ پر گامزن رہے اور اس بد قسمت ملک ہندوستان میں مسلمانوں کی غلامی نے جو عقائد کے نئے نئے فرقے مختص کر دیے ہیں ان سے احتراز کرے۔ بعض فرقوں کی طرف لوگ محض اس واسطے مائل ہو جاتے ہیں کہ ان فرقوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے دینی فائدہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ بڑا بد بخت ہے وہ انسان جو صحیح دینی عقائد کو مادی منافع کی خاطر قربان کر دے غرض یہ ہے کہ طریقہ حضرات اہل سنت محفوظ ہے اور اسی پر گامزن رہنا چاہیے اور آئمہ و اہل بیت کے ساتھ محبت اور عقیدت رکھنی چاہیے“ (داستان اقبال صفحہ ۹۸ از پروفیسر صابر کلوری)

قادیانی شیخ محی الدین ابن عربی کے حوالے سے عوام کو گمراہ کرنے کیلئے ایک دلیل پیش کرتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مسلمان امتی پختہ گرانہ مشاہدات و تجربات سے گذر سکتا ہے۔ اسکے جواب میں آپ فرماتے ہیں۔

”شیخ عربی کی فتوحات مکیہ کے متعلقہ حصہ کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ختم نبوت کے اسی شدت سے قائل تھے جیسے کوئی صحیح العقیدہ سنی ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں اگر شیخ عربی کو کشف کے ذریعہ یہ معلوم ہو جاتا کہ مشرق کے ایک ملک ہندوستان میں حضور ﷺ کی خاتمیت کو برباد کرنے کی کوشش کی جائیگی تو وہ یقیناً ہندوستانی علماء کو متنبہ فرمادیتے کہ اس قسم کے باغیوں سے مسلمانان عالم کو خبردار کریں۔“ (ترجمان اہلسنت کراچی ختم نبوت نمبر صفحہ ۵۵)

۱۹۳۷ء میں جناب الیاس برنی رحمۃ اللہ کے نام مکتوب میں آپ کی کتاب ”قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ کی افادیت کا اقرار کرتے ہوئے آپ کو مبارک باد دی نیز مسئلہ بروز سے متعلق ایک مستقل کتاب لکھنے کی طرف توجہ دلائی۔ آپ نے لکھا:

لاہور:- جاوید منزل

۲۷ مئی ۱۹۳۷

جناب پروفیسر صاحب السلام علیکم۔

آپ کی کتاب ”قادیانی مذہب“ کی نئی ایڈیشن جو آپ نے بکمال عنایت ارسال فرمائی ہے مجھے مل گئی ہے۔ جس کے لئے بے انتہا شکر گزار ہوں۔ میں نے سید نذیر نیازی ایڈیٹر ”طلوع اسلام“ سے سنا ہے کہ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی ہے۔ آپ کی محنت قابل داد ہے کہ اس سے عامۃ المسلمین کو بے انتہا فائدہ پہنچا ہے۔ اور آئندہ پہنچتا رہے گا۔

اب ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ جو آپ کے ذاتی افکار کا نتیجہ ہو۔ آپ کے قلم سے مسلمان ایسی توقع رکھنے کا حق رکھتے ہیں۔ قادیانی تحریک یا یوں کہئے کہ بانی تحریک کا دعویٰ مسئلہ بروز پر مبنی ہے۔ مسئلہ مذکور کی تحقیق تاریخی لحاظ سے از بس ضروری ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ یہ مسئلہ عجمی مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ اور اصل اس کی تاریخین ہے۔ نبوت کا سامی تخیل اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ میری رائے ناقص میں اس مسئلہ کی تاریخی تحقیق قادیانیت کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی ہوگی۔

والسلام

محمد اقبال

(ہفت روزہ ختم نبوت کراچی ۶/۱۲ تا ۱/اکتوبر ۱۹۹۵ صفحہ ۱)

مارچ ۱۹۳۷ء میں ڈاکٹر ضیاء الدین احمد پرنسپل علی گڑھ یونیورسٹی نے ظفر اللہ خان قادیانی کو

یونیورسٹی کے ایک کانووکیشن میں خطاب کی دعوت دے دی۔ جسے ظفر اللہ خان نے قبول کر لیا۔ یونیورسٹی کے طلباء نے علامہ اقبالؒ سے ملاقات کر کے صورت احوال سے آگاہ کیا اور درخواست کی کہ اس خطاب کو رکوانے میں مدد کریں۔ آپ ان دنوں کافی علیل تھے اور ملاقات سے احتراز کرتے تھے۔ مگر جب آپ نے مسئلہ کی نزاکت دیکھی تو فوراً طلبہ سے ملاقات کی اور ایک یادداشت تیار کروا کر اس پر اپنے دستخط فرمائے پھر طلباء کو ہدایت فرمائی کہ دیگر اکابرین سے دستخط کروا کر اخبارات میں شائع کروادو اور یونیورسٹی انتظامیہ میں تقسیم کر دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور نتیجہً ظفر اللہ خان قادیانی کا خطاب منسوخ کر دیا گیا۔ (شمع ختم نبوت کے پروانوں کی باتیں صفحہ ۱۸۳ از طاہر رزاق)

قادیانی اکثر اقبال اور آپ کے خاندان کو قادیانی یا قادیانی نواز ثابت کرنے کی مکروہ کوشش کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں شیخ عبدالماجد قادیانی نے ”اقبال اور احمدیت“ کے عنوان سے ایک کافی ضخیم کتاب مرتب کی ہے جس میں اقبال کو احمدی ثابت کرنے کی ناپاک جسارت کی گئی ہے اس کتاب میں اٹھائے گئے اکثر اعتراضات کا مسکت جواب پروفیسر شفیق احمد صاحب (صدر شعبہ اردو و اقبالیات اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور) نے اپنے ایک اہم مقالہ ”اقبال اور قادیانیت“ میں دیا ہے مقالہ کی اہمیت کے پیش نظر سارا مقالہ من و عن نظر قارئین ہے۔

”پارساں ایک کتاب ”اقبال اور احمدیت“ منظر عام پر آئی ہے۔ کتاب کے مؤلف شیخ عبدالماجد قادیانی نے اس ضخیم تالیف میں فرزند اقبال جسٹس (ر) جاوید اقبال کی کتاب ”زندہ رود“ کے بعض ابواب، عناوین اور مندرجات کی صحت کو چیلنج کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے قلم سے قادیانیت کے متعلق جو معرکہ آراء مقالات، مکاتیب، بیانات اور اشعار رقم ہوئے اور جن کی اشاعت سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو قادیانی نبوت کے مکروہ عزائم اور مذموم مقاصد کو جاننے کا موقع ملا..... یہ سب کچھ اقبال کی ملی غیرت، دینی حمیت، ایمانی فراست اور اعتقادی بصیرت کا ہرگز آئینہ دار نہیں بلکہ اقبال نے یہ سب کچھ ذاتی اغراض اور سیاسی مفادات کے پیش نظر لکھا اور دراصل انہیں قادیانیت کے خلاف ”مجلس احرار اسلام“ نے استعمال کیا۔

زیر بحث کتاب کے قادیانی مؤلف نے جو کچھ لکھا، یقیناً اسے یہی لکھنا چاہئے تھا لیکن حیرت

ہے کہ اس کے جواب میں نہ جاویدا اقبال نے زبان کھولی نہ کسی اور سرکاری یا غیر سرکاری اقبالی نے۔ زیر نظر مضمون اس سلسلے کی اولین جوابی تحریر ہے۔

یہ عجیب اور حیرت انگیز بات ہے کہ بیسویں صدی کے نصف اول میں برصغیر پاک و ہند کے میدان ادبیات و سیاست کے افق پر تین عظیم شخصیات نمایاں ہوئیں اور تینوں کے بڑے بھائی قادیانی تھے۔ لیکن مولانا محمد علی جوہر اس اعتبار سے خوش قسمت ثابت ہوئے کہ ان کا انتقال ۱۹۳۱ء میں ہو گیا۔ پھر ان کا انتقال انگلستان اور تدفین فلسطین میں ہوئی۔ نیز مسلمانان برصغیر پر ان کے اثرات تحریک خلافت کے استثناء سے زیادہ گہرے نہیں پڑے۔ اسی طرح ابوالکلام آزاد ایک زمانے میں مسلمانان پاک و ہند کی آنکھ کا تار ضرور بنے رہے لیکن آل انڈیا کانگریس سے وابستگی اور مسلم لیگ کی مخالفت و تحریک پاکستان کے خلاف سرگرمیوں کے سبب مقبول عام ہونے کی بجائے ناپسندیدگی کا نشان بن گئے۔ یوں ان دونوں شخصیات کو کسی جماعت یا گروہ سے وابستہ کرنے میں کوئی فائدہ نہیں تھا۔ غالباً اسی لئے اس طرح کی کوشش نہیں کی گئی لیکن علامہ اقبال اپنے شعری فکری اور سیاسی کارناموں کے باعث جتنے مقبول اپنی زندگی میں تھے وفات کے بعد اس سے کہیں زیادہ ہو گئے۔ پھر یہی نہیں بلکہ وہ پاک و ہند کی تحدیدات سے نکل کر مدوح عالم کے مرتبے پر فائز ہو گئے اور جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے ویسے ویسے اقبال کے قدردانوں کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے لیکن اقبال کے لئے یہ قبول عام جس قدر باعث اعزاز ہو سکتا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ مصیبت خیز ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ یار لوگ ان کی فکر کو سوچے سمجھے بغیر اور ان کے پیغام کی طرف سے آنکھیں بند کر کے ان کے استحصال میں لگ گئے۔

ہمارے ملک میں ہر طبقہ ہر جماعت اور ہر گروہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اقبال کو ذریعہ بنانے میں لگا ہوا ہے اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ متصادم نظریات و خیالات کے حامل لوگ بھی اپنے اپنے نقطہ نظر کے لئے سند کے طور پر اقبال کو ہی تختہ مشق بناتے ہیں مثلاً ایک زمانے میں سرمایہ داری نظام کے حامی:

زام کارا اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کو بکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

کا حوالہ دے کر اقبال کو اشتراکیت کا مخالف قرار دینے کی کوشش کرتے تھے جبکہ اشتراکیت کے حامل ”اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو۔“ والے مصرعے کو کارل مارکس کے بعد دنیا کا سب سے بڑا اشتراکی ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس لئے کہ اس طرح سادہ لوح لوگوں کو بہکانے میں مدد ملتی تھی چنانچہ قادیانیوں نے بھی اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اقبال کے نام کو استعمال کرنے کی کوششیں کیں ہیں اور ایسی کوششیں اب تک جاری ہیں۔

قادیانیوں کی اس نوع کی کوششوں کے لئے جو حقائق یا مفروضے بنیاد بن رہے ہیں۔ ان میں علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد اور بڑے بھائی شیخ عطا محمد، بھتیجے شیخ اعجاز احمد اور استاد مولوی میر حسن کی قادیانیت یا قادیانیت کی طرف میلان، قادیان میں آفتاب اقبال کی تعلیم، اقبال کے کچھ مضامین بطور خاص ”ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر“ میں قادیانی فرقے کی تعریف، والدہ جاوید کی رخصتی سے پہلے قادیانیوں کے خلیفہ اول حکیم نور دین سے از سر نو نکاح کرنے یا نہ کرنے کے متعلق استفسار اور کشمیر کمیٹی کی صدارت کے لئے مرزا بشیر الدین محمود کی صدارت پر اتفاق نیز خود علامہ اقبال کی مرزا قادیانی سے بیعت وغیرہ شامل ہیں اور بظاہر یہ اتنے مضبوط حوالے ہیں کہ اگر یہ حوالے کسی بھی شخص سے متعلق دیئے جائیں تو پھر اسے قادیانی ہونے سے نہیں بچایا جاسکتا۔ لیکن ہماری مشکل یہ ہے کہ ہمارا موضوع کوئی عام شخص نہیں، بلکہ اقبال ہے جو ایک ہی سانس میں اشتراکیت کی تحسین بھی کرتا ہے اور تنقیص بھی۔ جو جمہوریت کو بہترین سیاسی نظام بھی سمجھتا ہے اور اس کی خرابیاں بھی گنواتا ہے جو مسولینی اور مصطفیٰ کمال پاشا کی تعریف کرتے بھی نہیں تھکتا لیکن ان کی خبر بھی خوب خوب لیتا ہے۔ اس اقبال پر نہ تو کوئی فتویٰ لگانا آسان ہے اور نہ اسے اپنی پسند کے کسی خاص اور محدود دائرے میں مقید کیا جاسکتا ہے۔

جہاں تک قادیانیت اور اقبال کے متعلق حقائق اور مفروضوں کا تعلق ہے، ان کا جائزہ لینے سے قبل یہ جان لینا چاہئے کہ بعض صنعتوں میں صف اول کا شہر ہونے کے باوجود آج بھی سیالکوٹ پاکستان کے بڑے شہروں میں شمار نہیں ہوتا اور اقبال کی پیدائش سے بھی تیرہ سال قبل ۱۸۶۴ء میں جب مرزا قادیانی یہاں بہ سلسلہ ملازمت مقیم رہا ہو تو تصور کیا جاسکتا ہے کہ سیالکوٹ کیا اور کتنا بڑا شہر ہوگا؟ ایسے میں ایک سرکاری ملازم اور وہ بھی کچھری میں اہلمد سے کس کس کے تعلقات اور شناسائی نہ ہوگی۔

یقین کرنا چاہئے کہ انہیں تعلقات کے باعث محدث اور مجدد کے دعوؤں کے وقت بہت سے لوگوں نے اس کا ساتھ دیا ہوگا۔ انہی میں شیخ نور محمد بھی شامل رہے ہوں گے چنانچہ کسی موقع پر انہوں نے بیعت بھی کر لی ہوگی لیکن طبع سلیم کے شیخ نور محمد بہت عرصے تک ساتھ نہ نبھاسکے اور جلد ہی مرزا قادیانی کے اثر سے نکل آئے۔ اس سلسلہ میں شیخ عطا محمد کے بیٹے اعجاز احمد مرزا قادیانی اور حکیم نور دین سے شیخ نور محمد کے تعلقات عقیدت اور بیعت کے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”۱۹۰۲ء میں جب ہماری منجھلی پھوپھی ”طالع بی بی“ کا انتقال ہوا تو سیالکوٹ کے احمدی حضرات ان کے جنازے میں شامل نہ ہوئے۔ اس پر میاں جی نے حضرت میر حامد شاہ..... کی زبانی حضرت بانی سلسلہ کو پیغام بھیجا کہ ”میں عمر رسیدہ ہوں آپ کے ساتھ اس قدر تیز نہیں چل سکتا۔“ ان کے متعلق صرف یہ کہنا کہ وہ احمدی نہ تھے نامکمل بات ہوگی۔ ہاں یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ ابتداء جماعت میں شامل ہو گئے تھے لیکن ۱۹۰۲ء میں جماعت سے الگ ہو گئے۔“ (۱)

گویا شیخ نور محمد کے بارے میں یہ طے ہے کہ وہ قادیانی جماعت میں شامل ہوئے تھے تو فوراً اس سے الگ ہو گئے لیکن شیخ عطا محمد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اعجاز احمد کے بقول ان کے والد احمدی تھے۔ جبکہ شیخ عطا محمد کے ایک دوسرے صاحبزادے اور ایک دختر کے نزدیک شیخ عطا محمد مرزائیت سے تائب ہو گئے تھے۔ غالباً اس لئے ان کے جنازے کی بھی نمازیں دو ہوئیں۔ اس کے علاوہ شیخ اعجاز احمد خود لکھتے ہیں:

میرا خیال ہے کہ جاوید کے راویوں نے ۱۹۱۴ء کے بعد ابا جان کے احمدیوں کے کسی فرقے کے ساتھ شامل نہ ہونے سے یہ نتیجہ نکالا ہوگا۔“ (۲)

ہم جانتے ہیں کہ احمدیوں (مرزائیوں) کے دو ہی گروہ ہیں، یعنی قادیانی اور لاہوری۔ لیکن شیخ اعجاز احمد خود تسلیم کرتے ہیں کہ شیخ عطا محمد نہ لاہوری تھے اور نہ قادیانی گروپ میں شامل ہوئے پھر معلوم نہیں کہ وہ کیسے مرزائی تھے؟ اسی طرح شیخ اعجاز احمد اپنی کتاب میں شیخ عطا محمد کے ایک خط کا اقتباس نقل کرتے ہیں جس میں شیخ عطا محمد اپنی مرزائیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”میں خود بھی تو مرزائی ہوں لیکن مجھ میں اور ان میں صرف جنازے کے فرق کا سوال

ہے۔“ (۳)

یعنی عطا محمد ایسے قادیانی تھے جن کا تعلق نہ لاہوری گروپ سے تھا اور نہ قادیانی گروپ سے۔ نیز جنازے کے سوال پر بھی ان کا اختلاف تھا۔ اس کے باوجود اگر شیخ عطا محمد کو بقول شیخ اعجاز احمدی مان لیا جائے تو بھی اس سے علامہ اقبال کا قادیانی ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ خود اقبال جیسے چچا کے خیالات اعجاز احمدی پر اتنا اثر نہ ڈال سکے اور نہ انہیں ان کے ماموں متاثر کر سکے۔ جن کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں:

”میرے ماموں شیخ غلام نبی بڑے نیک اور شریف النفس بزرگ تھے لیکن عقیدۂ کٹر وہابی

اور احمدیت کے مخالف۔“ (۴)

اگر چچا اور ماموں شیخ اعجاز احمدی کو متاثر نہ کر سکے تو یہ کیوں فرض کر لیا جائے کہ محض بھائی کی احمدیت کے باعث علامہ اقبال بھی احمدی ہو گئے ہوں گے۔

اپنے خاندان کے بزرگوں کے برعکس اعجاز احمدی البتہ آخر تک مرزائیت پر قائم رہے اور اس کا علم اقبال کو بھی تھا۔ اس حوالے سے شیخ عبدالماجد سوال اٹھاتے ہیں کہ جب اقبال کو اعجاز کی قادیانیت کا علم تھا تو وہ اسے ایک نیک صالح نوجوان کیوں لکھتے ہیں۔ (۵) اس کا بڑا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ شیخ اعجاز احمدی تو اپنے ”کٹر وہابی اور احمدیت کے مخالف“ ماموں کو نیک اور شریف النفس لکھتے ہیں۔ یعنی اکثر اوقات ذاتی نیکی اور شرافت کا عقائد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اعجاز احمدی تو ایک طرف، میں تو حضرت ابوسفیان کے کردار کے اس پہلو کا معترف ہوں کہ آنحضرت ﷺ سے بدترین دشمنی کے باوجود انہوں نے اپنے زمانہ کفر میں بھی دربار قیصر و روم میں آنحضرت ﷺ کی تعریف و تحسین کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا اور یہ بات خود علامہ اقبال کے کریڈٹ میں جاتی ہے کہ وہ اپنے بھائی اور بھتیجے کے عقائد سے واقفیت کے باوجود ان کی کردار کشی کی بجائے ان کی شخصی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اقبال کے اس خاندان کی احمدیت اور اس کے باعث اقبال کو احمدی ثابت کرتے ہوئے یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ خود بقول شیخ اعجاز احمدی کے خاندان میں شیخ نور محمد کی طرف سے احمدی گروہ سے الگ ہو جانے کے بعد گھر میں کبھی احمدیت کا تذکرہ نہیں سنا گیا۔ وہ لکھتے ہیں:

”میاں جی کی جماعت احمدیہ سے علیحدگی کے بعد ہوش سنبھالنے پر میں نے کھر میں احمدیت

کا چرچا نہیں سنا۔“ (۶)

اسی طرح بقول پروفیسر محمد اسلم ۳ فروری ۱۹۵۳ء کو شیخ اعجاز احمد کے انتقال کے بعد شیخ نور محمد

کے اخلاف میں سے کوئی بھی قادیانی نہیں رہا۔ (۷)

رہے علامہ اقبال کے استاد مولوی میر حسن تو بلاشبہ اقبال کو ان سے آخر وقت تک بے حد

عقیدت رہی۔ لیکن اول تو مولوی میر حسن کے بارے میں بھی یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کیسے عقائد

رکھتے تھے مثلاً بعض لوگ انہیں قادیانی کہتے تھے تو بعض کے نزدیک وہ صحیح العقیدہ حنفی مسلمان تھے۔ جیسا

کہ معروف اقبال شناس ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی ’مولوی میر حسن کے مسلک اور آزاد خیالی کا ذکر کرتے

ہوئے کہتے ہیں:

”در اصل بات یہ ہے کہ اگرچہ شاہ جی عملاً حنفی مسلک کے پیرو تھے لیکن مذہبی معاملات میں

رواداری اور فراخ دلی برتنے کے قائل تھے۔“ (۸)

اس کے باوجود جو لوگ مولوی میر حسن کو قادیانی ثابت کرنا چاہتے ہیں انہیں یہ بات ضرور یاد

رکھنی چاہئے کہ مولوی صاحب کے سرسید احمد خان کے ساتھ بڑے مخلصانہ روابط تھے۔ نیز ان لوگوں کو

مولانا عبد المجید سالک کی تصنیف ضرور دیکھنا چاہئے جس میں مولوی میر حسن سے مرزا قادیانی اور حکیم نور

الدین کے تعلقات کا نقشہ دکھایا گیا ہے۔ ان عبارتوں سے یوں لگتا ہے کہ جیسے مسیح و مہدی مرزا قادیانی

نہیں بلکہ میر حسن تھے۔ (۹) اور حکیم نور الدین خلیفہ اول نہیں بلکہ میر حسن کے بے تکلف دوست تھے۔

جن سے پہلیں بھی جائز تھیں اور جملے بازی بھی (۱۰) لیکن اگر مولوی میر حسن کو قادیانی بھی مان لیا جائے

تو بھی یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے اثر سے علامہ اقبال بھی قادیانی ہو گئے ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ تو خود

بعد ازاں ایسے اساتذہ سے بھی پڑھتے تھے جو عیسائی تھے اور اقبال کو ان سے عقیدت مندانہ تعلق بھی تھا

مثلاً پروفیسر ٹامس آرنلڈ۔ تو کیا یہ سمجھنا چاہئے کہ علامہ اقبال خدا نخواستہ ایک استاد کی وجہ سے قادیانی اور

دوسرے کی وجہ سے عیسائی ہو گئے ہوں گے حالانکہ ہم سب خود اپنے اپنے زمانہ طالب علمی میں مختلف

عقائد رکھنے والے اساتذہ سے پڑھتے ہیں لیکن ان اساتذہ کی پیروی میں اپنا مسلک نہیں بدلتے۔

جہاں تک علامہ اقبال کی اپنی ذاتی زندگی اور ان کے بیانات کا تعلق ہے تو اس میں بظاہر بعض چیزیں تعجب خیز ہیں۔ کچھ چیزیں اقبال پر قادیانیت کا الزام لگانے والوں کے لئے کچھ ہمارے لئے۔ مثلاً ہمارے لئے یہ امر باعث تعجب ہے کہ علامہ اقبال نے اپنے فرزند آفتاب اقبال کو قادیان بھیج کر وہاں کے تعلیم الاسلام سکول میں داخل کرایا تھا۔ (۱۱) لیکن غور کیا جائے تو یہ اس زمانے کی بات ہے جب علامہ اقبال پر قادیانیت کی حقیقت نہیں کھلی تھی اور آپؒ اسے بھی مسلمانوں کے بہت سے دوسرے فرقوں کی طرح کا ایک فرقہ تصور کرتے تھے۔ جب حقیقت کھلی تو آپؒ بیزار ہو گئے اور بیزاری بغاوت تک جا پہنچی جیسا کہ آپؒ خود لکھتے ہیں:

”کسی مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہوتی۔ اسے اچھی طرح ظاہر ہونے کے لئے برسوں چاہئے۔“ (۱۲)

”تحریک کے دو گروہوں کے باہمی نزاعات اس امر پر شاہد ہیں کہ خود ان لوگوں کو جو بانی تحریک کے ساتھ ذاتی رابطہ رکھتے تھے، معلوم نہ تھا کہ تحریک آگے چل کر کس راستے پر پڑ جائے گی۔ ذاتی طور پر میں اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا جب ایک نئی نبوت..... بانی اسلام کی نبوت سے اعلیٰ تر نبوت کا دعویٰ کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا۔ بعد میں یہ بیزاری بغاوت کی حد تک پہنچ گئی۔ جب میں نے تحریک کے ایک رکن کو اپنے کانوں سے آنحضرت ﷺ کے متعلق نازیبا کلمات کہتے سنا۔“ (۱۳)

حضرت علامہ کا یہ اقتباس ان لوگوں کے لئے بھی کافی ہونا چاہئے جو ان کے بعض مضامین مثلاً ۱۹۰۰ء میں انڈین اینٹی کویئری میں چھپنے والے مضمون اور ۱۹۱۱ء میں علی گڑھ میں پڑھے گئے مضامین کا حوالہ دیتے ہیں۔ جن میں بالترتیب علامہ اقبال نے مرزا قادیانی کو ”موجودہ دور کے ہندی مسلمانوں میں غالباً سب سے بڑا دینی مفکر“ (۱۴) اور قادیانیوں کے طرز حیات کو اسلامی سیرت کا ٹھیکہ نمونہ قرار دیا ہے۔ (۱۵) ان باتوں کا ذکر ذرا آگے بھی آئے گا۔ لیکن ہمارے لئے باعث تعجب امر یہ بھی ہے کہ علامہ اقبال نے ۱۹۰۲ء میں بعض فقہی مسائل کے لئے حکیم نور الدین سے رجوع کیا۔ (۱۶) یا ایک ذاتی معاملے میں فتویٰ کی ضرورت پڑی تو بھی حکیم نور الدین سے رجوع کیا گیا۔ (۱۷) اسی طرح علامہ اقبال

نے بشیر الدین محمود کی علیست کی تعریف کی۔ (۱۸) اور پھر انہیں کشمیر کمیٹی کا صدر بنوایا۔ (۱۹) دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر لندن کی مسجد احمدیہ میں گئے اور وہاں قرآن سنانے پر انعام دیا۔ (۲۰) یہ اور اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی باتیں یقیناً حیرت انگیز ہیں۔

لیکن تھوڑا سا بھی غور کیا جائے اور شخصیات و تحریکات کے بارے میں اقبال کے طریق کار سے متعلق قدرے آگہی ہو تو یہ سب باتیں تعجب خیز نہیں رہتیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اقبال شخصیت و تحریکات کے بارے میں اپنی آراء بے کم و کاست اور بلا مصلحت و تعصب دینے کے عادی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ عام لوگوں کی روش یعنی اپنے رائے پر آنکھیں بند کر کے ڈٹ جانے اور نظر ثانی نہ کرنے کے بھی عادی نہیں مثلاً ایک زمانے میں انہوں نے مسولینی کے بارے میں لکھا۔

ندرت فکر و عمل کیا شے ہے ؟ ذوق انقلاب

ندرت فکر و عمل کیا شے ہے ؟ ملت کا شباب

رومتہ الکبریٰ دگرگوں ہو گیا تیرا ضمیر

اینکہ می بینم بہ بیداری است یا رب یا بخواب

فیض یہ کس کی نظر کا ہے ؟ کرامت کس کی ہے

وہ کہ ہے جس کی نگہ مثل شعاع آفتاب

(۲۱)

لیکن صرف چار سال بعد علامہ اقبال نے اسی عنوان سے ایک اور نظم لکھی جس میں مسولینی

اپنے مظالم کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

کیا زمانے سے نزلا ہے مسولینی کا جرم

بے محل بگڑا ہے معصومان مغرب کا مزاج

میں پھٹتا ہوں تو چھلنی کو برا لگتا ہے کیوں

ہیں سبھی تہذیب کے اوزار تو چھلنی میں چھاج

میرے سودائے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم

تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے زجاج
 آل سیزر چوب نے کی آبیاری میں رہے
 اور تم دنیا کے بخر بھی نہ چھوڑو خراج
 پردہ تہذیب میں غارت گری 'آدم کشی
 کل روا رکھی تھی تم نے' میں روا رکھتا ہوں آج

(۲۲)

یعنی جب مسولینی اطالیہ کی بیداری کے لئے جدوجہد کرتا ہے تو اقبال اس کی تعریف کرتے
 ہیں لیکن جب مسولینی ہوس گیری کا شکار ہو کر دیگر یورپی استعمار کی طرح اپنے کم روز ہمسایوں کو نشانہ بناتا
 ہے تو اقبال اپنی پرانی رائے کا لحاظ کیے بغیر اس کی مذمت کرتے ہیں۔ بانگ درا کی نظم خضر راہ اور پیام
 مشرق میں اقبال نے انقلاب روس اور وہاں کے اشتراکی نظام کو جس طرح سراہا ہے اس کے ساتھ جاوید
 نامہ اور ارمغان حجاز کی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" کو پڑھ کر اوپر دی گئی رائے کی توثیق ہوتی ہے۔ پیام
 مشرق میں اقبال نے مصطفیٰ کمال پاشا کو "اید اللہ" (۲۳) تک کہہ دیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد
 رکھنا چاہئے کہ جب اتاترک نے اسلامی شعائر کا مذاق اڑانا چاہا تو اقبال نے جاوید نامہ میں اسے خوب
 لتاڑا اور ایک دوسری جگہ یہاں تک کہہ دیا کہ۔

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
 کہ روح مشرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی

کارل مارکس اور نطشے کے بارے میں اقبال کا یہ مصرع "قلب او مومن دماغش کا فراست"
 اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ اقبال کی آراء ایک رخی متعصبانہ نہیں ہوتیں۔ یہی حال قادیانیت کا بھی
 ہے۔ اقبال نے اس تحریک اور تحریک کے افراد میں جو خوبیاں دیکھیں ان کا اعتراف نہایت خوش دلی
 سے کیا۔ لیکن جس طرح مغربی تمدن کے بعض اوصاف کے اعتراف کے باعث اقبال کو عیسائی قرار نہیں
 دیا جاسکتا۔ اسی طرح قادیانی گروہ کی بعض خوبیوں کا اعتراف بھی اقبال کو قادیانی ثابت نہیں کر سکتا جبکہ
 بعض امور میں وقت کا تقاضا بھی پیش نظر ہو۔ مثلاً کشمیر کمیٹی کے لئے مرزا بشیر الدین محمود کی صدارت

وغیرہ اس سلسلے میں خود شیخ اعجاز احمد کو اعتراف ہے وہ کہتے ہیں:

”علامہ اقبال نے تجویز کیا کہ جماعت احمدیہ کے امام اس کمیٹی کے صدر ہوں۔ ان کے پاس

مخلص اور کام کرنے والے کارکن بھی ہیں اور وسائل بھی۔“ (۲۴)

یعنی اگر مخلص کارکن اور ضروری وسائل کسی اور کے پاس ہوتے تو بشیر الدین محمود کو کشمیر کمیٹی کا صدر بنانا ضروری نہیں تھا۔

جہاں تک بعض فقہی مسائل کے بارے میں مرزا قادیانی سے استفسار اور اپنے ذاتی شرعی مسئلے میں حکیم نور الدین سے فتویٰ کے حصول کا تعلق ہے تو ان قصوں کے راوی مرزا جلال الدین، عبدالمجید سالک (۲۵) اور شیخ اعجاز احمد (۲۶) یعنی سب کے سب یا تو قادیانی ہیں یا پھر قادیانیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ جو ہر صورت میں علامہ اقبال کو اپنے گروہ میں کھینچ لانے کی کوششیں کرتے رہے ہیں لیکن فقہی اور ذاتی مسائل میں قادیان سے استمداد کی کہانی کو رد کرنے کی وجہ صرف یہی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ علامہ اقبال ۱۹۰۲ء میں نہ سہی والدہ جاوید کی رخصتی کے اہتمام کے وقت فقہ اسلامی سے اس قدر ضرور واقف ہو چکے تھے کہ روزمرہ مسائل کے بارے میں از خود کوئی رائے قائم کر سکیں۔ مثلاً والدہ جاوید سے از سر نو نکاح کا معاملہ تو مجھ جیسا دین کی مبادیات تک سے ناواقف آدمی بھی بخوبی سمجھتا ہے۔ مثلاً میں کہہ سکتا ہوں کہ پیش آمدہ صورت حال میں یا تو طلاق ہو گئی تھی یا نہیں ہوئی تھی۔ اگر نہیں ہوئی تھی تو از سر نو نکاح کی کوئی ضرورت نہیں۔ معلوم نہیں کہ اقبال جیسے مفکر اسلام کو اس واضح معاملے کے لئے استفسار کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ غور کیجئے تو یہی باتیں معاملے کو الجھانے کا باعث بنتی ہیں لیکن ذرا سے غور اور تدبر سے حقیقت حال سامنے آ جاتی ہے۔ اگر مفروضے کے طور پر اس واقعے کو حقیقت مان لیا جائے تو بھی حکیم نور الدین کی دینی معلومات کا حال کھل جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اقبال کو قادیانی اور احمدی ثابت کرنے کے لئے ۱۸۹۷ء میں بعض تعلیم یافتہ دوستوں کے ساتھ قادیان جا کر اقبال کے بیعت تک کے واقعات گھڑ لئے گئے ہیں۔ مثلاً شیخ عبدالماجد، مولانا شیخ عبدالقادر، بشیر احمد ڈار، خواجہ کمال الدین اور مولانا محی الدین قصوری کی روایات کے ذریعے سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اقبال نے بانی سلسلہ احمدیہ سے بیعت کی تھی۔ وہ مولانا شیخ عبدالقادر کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

”مارچ ۱۸۹۷ء میں..... مولوی محمد علی صاحب چودھری سر شہاب الدین صاحب ڈاکٹر محمد

اقبال صاحب اور مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری اور خاکسار نے بیعت کی تھی۔“ (۲۷)

فرض کیا ایسا ہے اور اقبال اس بیعت کے سبب ۱۹۳۱ء تک قادیانی رہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۱۹۰۲ء میں انہیں بیعت کی دعوت کیوں دی گئی؟ اور اس دعوت کے جواب میں اقبال نے یہ کیوں نہ کہا کہ وہ پہلے ہی بیعت کر چکے ہیں یا یہ کہ وہ تو بیعت کر چکے ہیں۔ لیکن اب ان کے خیالات بدل چکے ہیں وغیرہ۔ یہ سب کچھ کہنے کی بجائے اقبال نے ایک نظم (۲۸) کیوں لکھ بھیجی۔ جس کے رد عمل میں پیغام بیعت بھیجنے والے نے بھی جوابی نظم لکھی۔ لیکن اس کے باوجود اقبال کو بیعت یا از سر نو بیعت پر آمادہ نہ کیا جاسکا۔ اس سلسلے میں شیخ اعجاز احمد کا بیان حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اقبال کی نظم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ اس سے پہلے اقبال نے بیعت نہیں کی ہوئی تھی۔ اگر کی ہوتی تو

پیغام کیوں بھیجا جاتا۔“ (۲۹)

اس سے پہلے ہی نہیں بلکہ اقبال نے اس کے بعد بھی کبھی بیعت نہیں کی۔ کی ہوتی تو اقبال کی طرف سے قادیانیت کے خلاف دیئے گئے بیانات کے بعد اس سلسلے میں ڈھنڈورا پیٹ دیا جاتا۔ مثلاً لاہور میں پنڈت نہرو کے استقبال کے سلسلے میں میاں محمود احمد خلیفہ قادیان نے اپنے ایک خطبے میں معترضین کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا:

”اگر پنڈت جواہر لال نہرو اعلان کر دیتے کہ احمدیت کو مٹانے کے لئے وہ اپنی تمام طاقت خرچ کر دیں گے جیسا کہ احرار نے کیا ہے تو اس قسم کا استقبال بے غیرتی ہوتی لیکن اگر اس کے برخلاف یہ مثال موجود ہو کہ قریب کے زمانہ ہی میں پنڈت صاحب نے ڈاکٹر اقبال صاحب کے ان مضامین کا رد لکھا ہے جو انہوں نے احمدیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ قرار دیئے جانے کے لئے لکھے تھے اور نہایت عمدگی سے ثابت کیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے اعتراض اور احمدیوں کو علیحدہ کرنے کا سوال بالکل نامعقول ہے اور خود ان کے گذشتہ رویہ کے خلاف ہے۔“ (۳۰)

غور کیجئے کہ اگر اقبال نے کسی زمانے میں بیعت کی ہوتی تو پھر صرف ان کے گذشتہ رویے کا

ذکر نہ کیا جاتا بلکہ ان کی گزشتہ بیعت کا ذکر کیا جاتا۔ جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات بھی کہہ دینا چاہئے کہ اس زمانے تک اقبال اسی لئے تو احمدیت کی شدت سے مخالف ہو گئے تھے کہ احمدیت کے تحفظ کے لئے پنڈت نہرو جیسے دشمنان ملت اسلامیہ برسر پیکار آچکے تھے۔ ویسے قادیانیت کے بارے میں علامہ اقبال کی گزشتہ تحریروں کو بھی بڑے غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے اور وہ یوں کہ علامہ اقبال اپنے اصل مضامین میں وہ کچھ کہتے نظر نہیں آتے جو ان کے مضامین کے تراجم میں نظر آتا ہے۔ اس کے لئے صرف ایک مثال کافی ہوگی اور وہ یہ کہ علامہ اقبال نے ۱۹۱۱ء میں ایک مضمون ”The Muslim Community A Sociological Study“ لکھا۔ اس کا سب سے پہلا ترجمہ مولانا ظفر علی خان نے کیا۔ یہ ترجمہ تو فوری طور پر میرے پاس موجود نہیں البتہ شیخ اعجاز احمد نے اپنی کتاب ”مظلوم اقبال“ میں موضوع جملے کا ترجمہ درج ذیل الفاظ میں مولانا ظفر علی خان کے حوالے سے یوں لکھا:

”پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے قادیانی کہتے ہیں۔“ (۳۱)

افکار اقبال میں ڈاکٹر ریاض احمد نے یہ ترجمہ یوں کر دیا:

”پنجاب میں بنیادی طور پر مسلم طرز کے کردار کا زور دار ظہور قادیانی نام کے فرقے میں ہے۔“ (۳۲)

جبکہ مقالات اقبال مرتبہ سید عبدالواحد میں اس جملے کے ترجمے کو سرے سے حذف کر دیا گیا ہے۔ کہا نہیں جاسکتا کہ یہ محض اتفاقات ہیں یا ان تحریفات کے پیچھے کوئی خاص سوچ کارفرما ہے کہ اقبال نے تو اپنے اصل مضمون میں قادیانی فرقے کی تعریف کرتے ہوئے کچھ اور الفاظ استعمال کئے تھے۔ انہوں نے لکھا تھا:

"In the Punjab the essentially Muslims type of character has found a powerful expression in the So called Qa diani-Seet."

(33)

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ علامہ اقبال کے اس جملے میں موجود الفاظ ”So called“ کا

ترجمہ کسی بھی مترجم نے نہیں کیا۔ یہی حال ”سب سے بڑے دینی مفکر“ والے جملے کا بھی ہے۔ اقبال نے یہاں بھی ”Probably“ (۳۴) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جسے اکثر مترجمین حذف کر جاتے ہیں۔ اس کے باوجود گزشتہ اور موجود رویے کے سلسلے میں حرف اقبال میں شامل اقبال کے یہ جملے قابل غور ہیں:

”اگر میرے موجودہ رویہ میں تناقص ہے تو یہ بھی ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے۔ بقول ایمرن صرف پتھر اپنے آپ کو نہیں جھٹلا سکتے۔“ (۳۵)

اقبال کے اعتقادات و عقائد دیکھ کر بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قادیانی مذہب سے کس قدر ہمدردی ہو سکتی ہے۔ مثلاً مرزا قادیانی جس جوش و خروش کے ساتھ رد جہاد پر ڈٹا نظر آتا ہے۔ اس کے پیش نظر اقبال کو قادیانیت سے ویسی ہی دلچسپی ہو سکتی ہے جتنی نطشے کو مساکین کے مذہب عیسائیت سے تھی اور یہ حقیقت تو اپنی جگہ ہے کہ موجودہ دور میں اقبال کو کسی نبی رسول اور پیغمبر تو درکنار کسی عیسیٰ اور مہدی کا بھی انتظار نہیں (۳۶) جبکہ عقیدہ ختم نبوت پر ان کا ایمان ان کے اشعار سے بھی ثابت ہے۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارہ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
وہ نبوت ہے مسلمان کے لئے برگِ حیش
جس نبوت میں نہ ہو قوت و شوکت کا پیام

پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مرزا قادیانی کے تو تمام ابتدائی دعوؤں کو نظر انداز کر کے اسے اس کے آخری دعوے کے مطابق نبی مان لیا جائے لیکن اقبال کے ابتدائی جملوں میں بھی تحریف کر کے انہیں قادیانی قرار دیا جائے اور ان کے زمانہ کے مضامین و مقالات کو احرار کی سازش کہہ کر رد کرنے کی سعی کی جائے۔ بالفرض یہ درست بھی ہو تو احرار کا یہ کارنامہ میرے نزدیک ان کی تمام لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود ان کے لئے نجات اخروی کا سبب بن جائے گا۔ خدا انہیں اجر خیر دے۔

علامہ اقبال کی رد قادیانیت کے سلسلہ میں خدمات کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے مگر اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے مذکورہ اہم ترین حقائق لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں مزید تفصیل

و تحقیق کے خواہاں افراد سے گزارش ہے کہ وہ مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔

۱۔ اقبال اور احمدیت از بشیر احمد ڈار

۲۔ اقبال اور قادیانی از نعیم آسی

۳۔ زندہ رود جلد سوم از فرزند اقبال ڈاکٹر جاوید اقبال

۴۔ اقبال کے حضور از سید نذیر نیازی

۵۔ اقبال نامہ از شیخ عطا اللہ

اللہ تعالیٰ آپ کی روح پر فتوح پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں آپ کی تعلیمات

عالیہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق فرمائے۔ آمین

حوالہ جات

۱۔ مظلوم اقبال از شیخ اعجاز احمد، صفحہ نمبر ۱۸۵، مطبوعہ شیخ شوکت علی پرنٹرز اشاعت اول ۱۹۸۵ء۔

۲۔ مظلوم اقبال صفحہ ۱۸۹۔

۳۔ مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۸۸۔

۴۔ مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۸۸۔

۵۔ اقبال اور احمدیت از شیخ عبدالماجد صفحہ نمبر ۲۸، ۲۷، ۲۶۔ مطبوعہ لاہور آرٹ پریس انارکلی لاہور۔

۶۔ مظلوم اقبال، صفحہ نمبر ۱۸۶۔

۷۔ پروفیسر محمد اسلم سابق صدر شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایک گفتگو بتاریخ چھ فروری ۱۹۹۳ء۔

۸۔ عروج اقبال از ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، صفحہ نمبر ۲۸، بزم اقبال لاہور طبع اول جون ۱۹۸۷ء۔

۹۔ ذکر اقبال از عبدالحمید سالک، صفحہ نمبر ۲۷، بزم اقبال لاہور۔

۱۰۔ ذکر اقبال از عبدالحمید سالک، صفحہ نمبر ۲۸، بزم اقبال لاہور۔

۱۱۔ مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۶۔

۱۲۔ جیسا کہ متن میں ہے۔

۱۳۔ حرف اقبال، مولفہ احمد شروانی، صفحہ نمبر ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، المنار اکادمی لاہور۔ جولائی ۱۹۴۷ء۔

۱۴۔ مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۵۔

- ۱۵۔ مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۶۔
- ۱۶۔ مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۵۔
- ۱۷۔ مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۲۔ ذکر اقبال از عبد المجید سالک، صفحہ نمبر ۷۰۔
- ۱۸۔ مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۲۔ ذکر اقبال از عبد المجید سالک، صفحہ نمبر ۷۰۔
- ۱۹۔ مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۷۔
- ۲۰۔ مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۸۔
- ۲۱۔ کلیات اقبال اردو صفحہ نمبر ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱۔
- ۲۲۔ کلیات اقبال اردو صفحہ نمبر ۶۱۲، ۶۱۱۔
- ۲۳۔ کلیات اقبال فارسی صفحہ نمبر ۳۰۸۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۳۔
- ۲۴۔ مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۷۔
- ۲۵۔ مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۷۰۔
- ۲۶۔ مظلوم اقبال صفحہ نمبر ۱۹۶۔
- ۲۷۔ اقبال اور احمدیت از شیخ عبدالماجد صفحہ نمبر ۳۹۔
- ۲۸۔ یہ نظم بانگ درا میں عقل و دل کے عنوان سے موجود ہے۔
- ۲۹۔ مظلوم اقبال۔ از شیخ اعجاز احمد صفحہ نمبر ۱۹۰۔
- ۳۰۔ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کا خطبہ مندرجہ الفضل بحوالہ قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ از پروفیسر محمد الیاس برنی، اشاعت نیم اشرف پریس لاہور۔
- ۳۱۔ مظلوم اقبال، صفحہ نمبر ۱۹۶۔ بحوالہ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر مطبوعہ ۱۹۱۹۔ مرغوب ایجنسی لاہور۔
- ۳۲۔ افکار اقبال ترجمہ ڈاکٹر ریاض احمد، صفحہ ۶۷۔ مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور۔
- 33-The Muslim Community .A Sociological study by Dr.Iqbal edited by Dr. Muzaffar abbas Maktaba -e-aliya Urdu bazar Lahore
- 34-Thoughts and reflection of Iqbal edited by Syed Abdul Wahid -Sh. Muhammad Ashraf Lahore .1973.
- ۳۵۔ حروف اقبال صفحہ ۱۳۲۔
- (ماہنامہ نقیب ختم نبوت، ملتان، نومبر ۱۹۹۶ء)

شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ خانؒ

(۱۲۶۴ھ--۱۳۲۷ھ)

شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا انوار اللہ خانؒ کی ولادت باسعادت ۲ ربیع الثانی ۱۲۶۴ھ میں ریاست حیدرآباد دکن کے ضلع نائڈیز میں ہوئی۔ آپؒ کا سلسلہ نسب والد محترم کی جانب سے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے جبکہ والدہ ماجدہ کی طرف سے سید احمد کبیر رفاعی سے جا ملتا ہے۔ آپؒ کے والد بزرگوار کا نام ابو محمد شجاع الدین تھا۔ جو بڑے متبع سنت اور عالم باعمل بزرگ تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپؒ محکمہ مال میں ۷۵ روپے ماہوار پر خلاصہ نویس مقرر ہوئے مگر یہ ملازمت آپؒ کے مزاج سے مطابقت نہ رکھتی تھی۔ جلد ہی مستعفی ہو کر درس تدریس کا سلسلہ شروع کر لیا۔ آپؒ کی علمی شہرت اور بے مثال تدریسی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر آپؒ کو سلاطین دکن کا استاد مقرر کر دیا گیا۔ آپؒ نے تین دفعہ مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ کا مبارک سفر کیا۔ آخری دفعہ ۱۳۰۵ھ ہجری میں گئے اور تین سال تک مدینہ منورہ میں مقیم رہ کر علم کی تحصیل و تدریس میں مشغول رہے۔ آخر کار نبی اکرم ﷺ سے خواب میں بشارت پا کر حیدرآباد دکن میں واپس آ کر تبلیغ و ترویج دین کا بیڑہ اٹھالیا۔ حرمین شریفین سے واپسی پر آپؒ نے حیدرآباد دکن میں دو نہایت اہم اداروں کی بنیاد رکھی جن میں کتب خانہ آصفیہ اور مجلس دائرۃ المعارف شامل ہیں۔

ایک شہرہ آفاق استاد اور تبحر عالم دین کے ہونے کے علاوہ آپؒ ایک پختہ کار صاحبِ قلم اور ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ آپؒ کی گرانقدر تصنیفات میں انوار احمدی، مقاصد الاسلام (گیارہ جلد) حقیقۃ الفقہ (دو جلد) افادۃ الافہام (دو جلد) کتاب الفضل، الکلام المرفوع، انوار الحق، مفاتیح الاعلام اور انوار اللہ الودودی مسئلہ وحدۃ الوجود وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۶۳ برس کی عمر میں ۱۳۲۷ھ ہجری میں آپؒ اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف سے انتقال فرما گئے جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے احاطہ میں دفن ہوئے۔ آپؒ کا مزار مبارک آج تک عوام و

خواص کی زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔ (مقام مصطفیٰ صفحہ ۴۲ تا ۴۴ از علامہ ارشد القادری۔ انڈیا۔)

مذہب باطلہ کے رد میں آپؐ ”ید طولیٰ رکھتے تھے۔ قادیانیت کو تو آپؐ آڑے ہاتھوں لیتے تھے۔ اس وقت آپؐ کی ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں کی جانیوالی مساعی جمیلہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں دیگر علمی و قلمی فتاویٰ جلات کے علاوہ آپؐ کی تین اہم کتب بھی منصفہ شہود پر جلوہ گر ہو کر قادیانیت کی تباہی و بربادی کا ساماں کر چکی ہیں۔ جن کے نام بمعہ مختصراً تعارف ذیل میں تحریر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ افادۃ الافہام:

آپؐ نے زندگی کے آخری سالوں میں مرزا قادیانی کی مزعومہ کتاب ”ازالہ اوہام“ کا نہایت مسکت جواب قلمبند فرمایا۔ ۳۷۷ صفحات پر مشتمل دو جلدوں میں آپؐ کی یہ مایہ ناز تصنیف ۱۳۲۵ ہجری میں طبع ہوئی۔ مولانا اللہ وسایا صاحب نے آپؐ کی اس عظیم تصنیف پر جو تبصرہ فرمایا ہے اس سے کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپؐ تحریر فرماتے ہیں۔

”مرزا قادیانی کی ایک کتاب کا نام ازالہ اوہام ہے لیکن حقیقت میں اوہام باطلہ کا بدترین مرقع ہے۔ امت محمدیہ کے متعدد حضرات نے اس کا جواب لکھا۔ قاضی سلیمان منصور پوری نے غائیۃ المرام و تائید الاسلام قاضی فضل احمد صاحب نے کلمہ فصلِ رحمانی اور مولانا انوار اللہ خاں نے افادۃ الافہام لکھی۔ افادۃ الافہام بڑے سائز کی دو جلدیں ہیں پہلی جلد ۶۷۳ صفحات اور دوسری جلد ۳۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ردِ قادیانیت پر کام کر نیوالے حضرات دونوں جلدوں کے صرف انڈیکس ہی پڑھ لیں تو پھٹڑ ک اٹھیں گے کہ شاید ہی مرزائیت کا پھیلا ہوا کوئی ایسا وہم ہو جس کا اس کتاب میں جواب موجود نہ ہو۔ مرزا قادیانی کے اوہام باطلہ کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیا گیا ہے۔ جگہ جگہ مرزا قادیانی کو اس کی اپنی تحریروں کی زنجیر میں جکڑا گیا ہے۔ تحریر میں تلخی نام کی کوئی چیز آپؐ کو نہ ملے گی۔ دلائل گرم الفاظ نرم کا حسین و جمیل مرقع ہے۔ اللہ رب العزت کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوں مصنف مرحوم پر جنہوں نے مرزا قادیانی کو چاروں شانے چت کیا ہے۔ مصنف موصوف صوبہ جات دکن کے مذہبی امور

کے صدر الصدور (چیف جسٹس) جہاندیدہ عالم دین اور دینی و دنیوی علوم کے ماہر تھے۔ مرزا قادیانی کی تردید میں قدرت کا عطیہ تھے۔ کتاب کو لکھے ہوئے ایک صدی بیتنے کو ہے۔ اس کے بعد اس عنوان پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مگر یہ کتاب حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔ ("قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کی سرگزشت" صفحہ ۸۸ مرتبہ مولانا اللہ وسایا۔)

۲۔ مفاہیح الاعلام:

آپ کی شرہ آفاق کتاب افادۃ الافہام کی فہرست مضامین جو کہ ۶۸ صفحات پر مشتمل تھی اسے علیحدہ شائع کیا گیا۔ یہ فہرست بجائے خود ایک قیمتی کتاب ہے اور گرانقدر معلومات کا انمول خزانہ ہے۔

۳۔ انوار الحق:

۱۳۲۲ھ میں ۱۱۲ صفحات پر مشتمل رد قادیانیت کے سلسلہ میں آپ کی یہ شرہ آفاق کتاب منصفہ شہود پر آئی۔ تردید مرزائیت کے سلسلہ میں جو دسترس تامہ شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ خاں کو حاصل تھی اس کا ایک زمانہ معترف ہے۔ آپ نے مرزا قادیانی کی گرفت کس اچھوتے انداز میں فرمائی ہے اس کا مظہر اتم یہ کتاب ہے۔ اس میں مرزا قادیانی کے اوہام و وساوس کا بڑی خوبصورتی سے رد کیا گیا ہے۔ مولوی قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں ختم نبوت زمانی، ختم نبوت مکانی، اور بالعرض، جیسی بھول بھلیاں ڈال کر ختم نبوت کی ایسی توجہیہ کی جن سے اجرائے نبوت کا ثبوت ملنے کا خدشہ ہے تو آپ نے تحذیر الناس کی ان مشکوک عبارات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا۔

"بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں آپ کا کیا نقصان تھا۔ کیا اس میں بھی کوئی شرک و بدعت رکھی تھی جو طرح طرح کے شاخسانے نکالے گئے۔"

یہ تو بتائیے کہ ہمارے حضرت نے آپ کے حق میں ایسی کونسی بدسلوکی کی تھی جو اس کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ فضیلت خاصہ بھی مسلم ہونا مطلقاً ناگوار ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ تمام نبیوں کے خاتم ہیں تو کمال تشویش ہوئی کہ فضیلت خاصہ ثابت ہوتی جاتی ہے۔

جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دین اسلام میں نہ ملا تو فلاسفہ معاندین کی طرف رجوع کیا۔ اور مکان ذاتی کی شمشیر دودم (دودھاری تلوار) ان سے لے کر میدان میں آکھڑے ہوئے۔ (انوار احمدی از مولانا انوار اللہ خان صاحب)

آپ مزید تحریر فرماتے ہیں۔

”افسوس کہ اس ذہن میں یہ بھی نہ سوچا کہ معتقدین سادہ لوح کو اس خاتم فرضی کا انتظار کتنے کنوئیں جھنکائے گا۔ مقلدین سادہ لوح کے دلوں پر اس تقریر نامعقول کا اتنا اثر تو ضرور ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی خاتمیت میں کسی قدر شک پڑ گیا۔ چنانچہ بعض اتباع نے اس بنا پر الف لام خاتم النبیین سے یہ بات بنائی کہ حضرت صرف ان نبیوں کے خاتم ہیں جو گزر چکے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ کے بعد بھی انبیاء پیدا ہونگے اور ان کا خاتم کوئی اور ہوگا۔ معاذ اللہ اس تقریر نے یہاں تک پہنچا دیا کہ قرآن کا انکار ہونے لگا۔ ذرا سوچئے تو حضور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے سلسلے میں یہ سارے احتمالات حضور ﷺ کے روبرو نکالے جاتے تو حضور ﷺ پر کس قدر شاق گزرتا۔“ (انوار احمدی از مولانا انوار اللہ خان صاحب)

مَلَا فِتْنُونَ

بیشک سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں (استائن)

امیر ملت حضرت پیر جماعت علی شاہؒ

(۱۸۴۰-۱۹۵۱ء)

حضرت پیر جماعت علی شاہؒ برصغیر کے ان علماء کی صفِ اول میں شامل ہیں جنہوں نے قادیانیت کو اس کی پیدائش کے دن سے ہی لکارنا اور پچھاڑنا شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۵۱ء میں جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی وفات سے چند روز قبل ڈاکٹر نے آپ کی عمر شریف دریافت کی تو آپ نے فرمایا ”ایک سو دس اور بیس کے درمیان“ اس سے صرف اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۸۳۰ اور ۱۸۴۰ء کے درمیان ہوئی (سیرت امیر ملت صفحہ ۴۶ از سید اختر حسین شاہ علی پوری۔) آپ نے نہایت کم عمری میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ بچپن ہی سے آپ کو اتباع شریعت کی فکر دامنگیر رہتی۔ جس عمر میں بچے پر نماز فرض نہیں ہوتی اسی عمر میں آپ پابندِ صلوٰۃ تھے نیز اپنے ہم عمر بچوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم کرتے رہتے تھے۔ آپ حافظِ حدیث بھی تھے ایک دفعہ دورانِ خطاب آپ نے خود اعلان فرمایا کہ مجھے دس ہزار احادیث بمعہ اسناد یاد ہیں جس کا جی چاہے امتحان لے لے۔ (ایضاً صفحہ ۶۴)۔ مذاہب باطلہ کا رد اور مسلک حقہ اہل سنت کی ترویج و اشاعت کر نیوالا یہ عظیم سپوت تقریباً سوا صدی تک آفتاب بن کر چمکنے کے بعد بقضائے الہی ۳۰-۳۱ اگست ۱۹۵۱ء کی درمیانی رات گیارہ بجے لاکھوں مسلمانوں کو سو گوار چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی کے پاس جا پہنچا (ایضاً ۵۰۲)۔

گمراہ و باطل فرقوں کا رد آپ کی زندگی کا اہم مشن تھا خصوصاً قادیانیت و بانئ قادیانیت کو تو آپ آڑے ہاتھوں لیتے تھے۔ ردِ قادیانیت کے سلسلے میں آپ کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا محمد عالم آسی (مصنف شہرہ آفاق کتاب الکاویۃ علی الغاویۃ) رقم طراز ہیں۔ ”ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں جو کوششیں حافظ پیر سید جماعت علی شاہ نے کیں وہ تاریخ کا ایک اہم باب ہیں آپ نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی اور ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بارہا مرزا قادیانی کو لکارا مگر وہ راہ فرار اختیار کرتا رہا۔ بالاخر حضرت قدس سرہ العزیز کی بددعا کے نتیجہ میں لقمہء اجل بنا“ (الکاویۃ علی

ذیل میں ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں آپ کی طرف سے کی جانے والی کوششوں کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۲۷/ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو مرزا قادیانی بذاتِ خود اپنے حواریوں کے انبوه کثیر کے ساتھ سیالکوٹ میں اپنے مذہب کی تشہیر و اشاعت کے لئے وارد ہوا۔ ان دنوں یہاں مرزائیت کا بڑا شہرہ تھا۔ ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر کا سپرنٹنڈنٹ مرزائی تھا۔ لہذا مرزا قادیانی کو اپنے مشن میں کامیابی و کامرانی کی غالب امید تھی۔ حضرت امیر ملت قدس سرہ فوراً سیالکوٹ پہنچے اور مختلف بازاروں، محلوں اور مسجدوں میں بڑے پیمانے پر جلسے منعقد کیے اور تقریباً ایک ماہ تک سیالکوٹ میں قیام فرما کر اپنے مخصوص مجاہدانہ انداز میں خطاب فرماتے رہے۔ آپ دلائل قاہرہ کے ساتھ ختم نبوت کے مسئلے کو تفصیلاً سمجھاتے ہوئے دینِ مبین اور عقائدِ حقہ پر قائم رہنے کی تاکید فرماتے تھے۔ آپ اکثر ارشاد فرماتے کہ

”دوسری نئی چیزوں کے اختیار میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن دین اپنا وہی پرانا رکھو۔“

دورانِ قیام سیالکوٹ تمام اخراجات آپ نے اپنی جیب مبارک سے برداشت کئے۔ مرزا قادیانی کو مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جس قدر لوگ اس کی بیعت کے لئے تیار تھے وہ اسکی ذلت و رسوائی دیکھ کر بدظن ہو گئے اور حضرت امیر ملت قدس سرہ کے حلقہء ارادت سے وابستہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مرزا قادیانی کو پھر تازیت سیالکوٹ کا رخ کرنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ (”برکاتِ علی پور شریف“ از پیر خیر شاہ امرتسری، امرتسر ۱۳۲۶ھ ص ۹، ”سیرتِ امیر ملت“ مطبوعہ ۱۹۷۵ء ص ۲۳۵، ”ایمان پرور یادیں“ ص ۳۷۔)

سیالکوٹ کے اس عظیم معرکہ کے دوران ایک اہم واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ مرزا قادیانی کے ایک پیروکار مولوی عبدالکریم لنگڑا نے اپنے کیمپ کے اندر معراج النبی ﷺ پر لیکچر دیتے ہوئے بکواس کی کہ

”لوگ کہتے ہیں براق آیا براق آیا۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ جب ایڑیاں اور گھٹنے رگڑتے ہوئے وہی نبی (ﷺ) مکہ سے بھاگ کر پہاڑوں اور غاروں میں چھپتا پھرتا تھا تو اس وقت براق کیوں

نہ آیا؟“

جب یہ گستاخانہ کلمات حضرت امیر ملت قدس سرہ نے اپنی جلسہ گاہ میں سنے تو آپ نے دورانِ تقریر پر جوش لہجے میں فرمایا

”وہ شخص بے دین ہے جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی کی ہے۔ وہ بہت جلد ذلت کی موت سے مارا جائے گا۔“

دوسرے دن ایک صاحبِ نظر شخص نے مولوی عبدالکریم کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ مجھے حضرت امام زین العابدینؑ نے پنچہ مارا ہے۔ اور اس وقت وہ یوں دکھائی دے رہا تھا کہ شانہ سے لے کر کمر تک پنکا باندھے ہوئے دیوار سے سہارا لے کر کھڑا ہے اور انتہائی کرب کی حالت میں ہے۔

اس خواب کی تعبیر یوں کی گئی کہ حضرت امیر ملت قدس سرہ دورانِ تقریر جوش میں آ کر سینہ پر اپنا ہاتھ مارا تھا جو رات کو حضرت امام زین العابدینؑ کا پنچہ بن کر ظاہر ہوا چنانچہ تھوڑے عرصہ بعد مولوی عبدالکریم سرطان (گدوں دانہ) سے ہلاک ہو گیا۔ یہ بد بخت مولوی عبدالکریم سیالکوٹ میں پیدا ہوا تھا۔ ابتدائی تعلیم مڈل تک تھی بلکہ اس میں بھی حساب کے مضمون میں فیل ہو گیا تھا۔ پھر عربی، فارسی کی پرائیویٹ تیاری کر کے وہیں مشن سکول میں مدرس فارسی متعین ہو گیا۔ ایک روز ایک پادری سے الجھ کر مستعفی ہو گیا۔ اس وقت نیچری خیال کا حامل تھا۔ بعد میں مولوی نور دین خلیفہ، اول مرزا قادیانی کی وساطت سے مرزائی ہو گیا اور قادیاں میں خطیب و امام مسجد بنا رہا۔ اور حضرت امیر ملت قدس سرہ کی بددعا سے ہلاک ہو کر سب سے پہلے قادیاں کے ”بہشتی مقبرہ“ میں دفن ہوا۔ (”الکاویۃ علی الغاویۃ“ جلد دوم از مولانا محمد عالم آسی مطبوعہ امرتسر ۱۹۳۲ء ص ۳۸۷، ۳۸۸)

۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا قادیانی اپنی اہلیہ کے علاج کے لئے لاہور میں خواجہ کمال الدین لاہوری کے مکان پر وارد ہوا تو اپنا دام فریب بھی پھیلانے لگا۔ ان کے ساتھیوں نے لاہور شہر کے مختلف گوشوں میں تبلیغی کام شروع کر دیا تو اہالیان لاہور نے حضرت امیر ملت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرزائیت کی بیخ کنی کی درخواست کی۔ آپ لاہور تشریف لائے اور آتے ہی برانڈر تھ روڈ پر خواجہ کمال الدین کے مکان کے سامنے والے باغ (اب باغ والی جگہ پر اسلامیہ کالج واقع ہے) میں ایک بہت بڑا

اسٹیج قائم کیا۔ اور اسٹیج کے ساتھ ہی لنگر پکانے کا انتظام کیا تاکہ عوام و خواص بروقت کھانا کھا سکیں۔ اس جگہ کئی روز تک مجالس و عظ و تقریر ہوتی رہیں اور معتقدات مرزائیت کی تردید کی جاتی رہی۔ حضرت امیر ملت قدس سرہ نے مقامی علماء کے علاوہ بہت سے بیرونی علماء کو بھی مدعو کر کے مرزائیت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

ان جلسوں سے حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ٹونکی (ف ۱۹۲۰ء) مولانا پروفیسر اصغر علی روجی (۱۹۵۳ء) جیسے مشہور زمانہ علماء کے علاوہ حضرت امیر ملت قدس سرہ کے خلفاء مثلاً حضرت مولانا محمد حسین قصوری (ف ۱۹۲۷ء) مولانا امام الدین رائے پوری (ف ۱۹۵۲ء) مولانا محمد شریف کوٹلوی (ف ۱۹۵۱ء) مولانا نور الحسن سیالکوٹی (ف ۱۹۵۵ء) مولانا پیر خیر شاہ امرتسری (ف ۱۹۲۰ء) اور مولانا غلام احمد انگر امرتسری (ف ۱۹۲۷ء) خطاب فرماتے تھے۔

حضرت امیر ملت نے مرزا قادیانی کو مقابلہ میں آ کر اپنی صداقت کا ثبوت دینے کی دعوت دی اور پانچ ہزار روپے کے انعام کا اعلان بھی فرمایا لیکن مرزا قادیانی کو مقابلہ میں آنے کی سکت نہ تھی لہذا نہ آ سکا۔

مرزا قادیانی کو بتایا گیا کہ پیر جماعت علی شاہ صاحب لاہور میں اس مقصد کے لئے آئے ہیں کہ مرزا بھاگ جائے۔ مرزا قادیانی بولا یہ شخص وہ نہیں جو بھاگ جائے بلکہ اگر وہ بارہ ۱۲ برس بھی رہے تو قدم نہ ہلے گا۔ یہ خبر کسی نے حضرت امیر ملت کو پہنچادی تو آپ نے فرمایا ”اگر وہ بارہ ۱۲ برس ٹھہر سکتا ہے تو ہم چوبیس ۲۴ برس کا ڈیرا جمائیں گے مگر مرزا کا تو خدائی فیصلہ ہو چکا ہے۔“

جب مرزا قادیانی اپنے جھوٹے دعوؤں اور بے شمار لاف زنیوں کے باوجود میدان میں نہ آیا تو آپ نے ۲۲ مئی ۱۹۰۸ء کو ہندوستان کے عظیم مسلمان فرمانروا حضرت اورنگ زیب عالمگیر کی بنا کردہ شاہی مسجد (المعروف بادشاہی مسجد لاہور) میں ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد کیا۔ اس جلسے میں برصغیر کے نامور علماء بھی موجود تھے۔ لاکھوں مسلمانوں نے آپ کی امامت میں نماز جمعہ ادا کی۔ بعد نماز جلسے کا آغاز ہوا جس میں شمس العلماء مولانا مفتی محمد عبداللہ ٹونکی (استاذ گرامی حضرت امیر ملت) پروفیسر اور

کالج لاہور مولانا پروفیسر اصغر علی روجی ودیگر بہت سے علمائے کرام نے خطاب فرمایا۔ آخر میں آپ نے صدارتی تقریر میں فرمایا:

”مرزا قادیانی تو حضرت امام حسینؑ پر اپنی فوقیت جتاتا ہے۔ لیکن میں حضرت امام حسینؑ کا غلام ہوں، وہ تو اعلان کرنے پر بھی مقابلے کے لئے نہ آیا میری عادت پیش گوئی کرنے کی نہیں ہے۔ البتہ اس سے قبل نومبر ۱۹۰۴ء میں ایک دفعہ مرزا کے مقابلے میں میری زبان سے چند کلمات بطور پیش گوئی کے نکل گئے تھے۔ جس کا ایک ایک لفظ اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد مرزا کا حواری عبدالکریم ذلت کی موت مر گیا۔ اب پھر میرے دل میں بار بار خیال آ رہا ہے جس کو میں باوجود کوشش کے ضبط نہیں کر سکتا۔ اور وہ خیال یہ ہے کہ مرزا قادیانی عنقریب ذلت اور رسوائی کی موت مرے گا۔ اور تم اس کی موت اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ میری اس پیش گوئی کو مرزا کی پیش گوئی کی طرح مت سمجھنا۔“ اس کے بعد آپ نے مزید ارشاد فرمایا۔

”جب تک مرزا یہاں سے چلا نہ جاوے۔ میں لاہور سے نہیں جاؤں گا۔“

حضرت پیر مہر علی گولڑویؒ بھی اس جلسہ میں تشریف لائے تھے۔ جلسہ کے اختتام پر انہوں نے

حضرت امیر ملت قدس سرہ سے کہا کہ۔

”شاہ صاحب! میں تو واپس جاتا ہوں، آپ اپنا کام جاری رکھیں۔“

حضرت امیر ملت نے ان سے کہا۔

”آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر کیسے تشریف لے جائیں گے۔؟“

حضرت گولڑویؒ نے فرمایا۔

”میں گھر سے شکار کرنے آیا تھا مگر مجھے معلوم ہوا کہ یہ شکار میرے مقدر میں نہیں ہے بلکہ

آپ کے لئے مقدر ہے۔ اس لئے آپ ٹھہریں اور اپنا کام کرتے رہیں۔“

چنانچہ اگلے دن حضرت گولڑویؒ واپس گولڑہ شریف تشریف لے گئے۔

آپ نے مرزا قادیانی کو ہر طرح سے للکارا۔ اسے دعوت دی کہ وہ میدان میں آ کر اپنے

دعاویٰ کو سچا ثابت کرنے، مناظرہ کر لے یا مباہلہ کر لے۔ پانچ ہزار روپیہ کا انعام وصول کر لے اگر مرزا

قادیانی میدان میں نہیں آسکتا تو ہم اس کے پاس جانے کو تیار ہیں مگر مرزا قادیانی کو کوئی بات بھی ماننے کی جرأت نہ ہو سکی۔

آخر کار ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء بروز پیر رات کے جلسہ میں لاہور و بیرون لاہور کے ہزاروں مسلمانوں کے ٹھانٹھیں مارتے ہوئے سمند سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”ہم نے مرزا کا بہت انتظار کیا ہے لیکن وہ سامنے نہیں آیا۔ پیشگوئی کرنا میری عادت نہیں لیکن میں یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ مرزا قادیانی کا خدائی فیصلہ ہو چکا ہے خدا کے فضل و کرم سے وہ میرے مقابلے میں نہیں آئے گا کیونکہ میرا نبی (ﷺ) سچا ہے۔ اور میں صدق دل سے اس سچے نبی ﷺ کا غلام ہوں۔ آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ چوبیس ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے میں ہمیں اس جھوٹے نبی سے نجات عطا فرمائے گا۔“

جب آپ نے یہ پیش گوئی فرمائی تو ہزاروں مسلمانوں نے یک زبان ہو کر آمین کی صدا میں بلند کیں۔ یہ پیش گوئی آپ نے رات دس بجے فرمائی اور ۲۶ مئی کو صبح دس بجکر دس منٹ پر مرزا جی آنجھانی ہو گئے۔ مولانا روم نے سچ فرمایا ہے۔

گفتہء گفتہء اللہ بود گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

مرزا قادیانی اکثر اپنی تحریروں میں بیضے کی موت کو عذاب خداوندی سے تعبیر کیا کرتا تھا چنانچہ آسمان کا تھوکا منہ پر آیا۔ جس رات حضرت امیر ملت قدس سرہ نے پیش گوئی فرمائی تھی اسی رات تھوڑی دیر بعد مرزا قادیانی کو ہیضہ ہوا۔ نصف شب گزرنے تک مرض نے شدت اختیار کر لی۔ مرنے سے چھ گھنٹے قبل زبان بند ہو گئی، نجاست منہ کے راستے نکلتی رہی اور اسی حالت میں (۲۶ مئی ۱۹۰۸ء صبح دس بجکر دس منٹ پر) خاتمہ ہو گیا۔ مرزا قادیانی کی تاریخ وفات ہے۔

لَقَدْ دَخَلَ فِي قَعْرِ جَهَنَّمَ ۱۳۲۶ھ

جس وقت حضرت امیر ملت قدس سرہ نے مرزا قادیانی کی ہلاکت کی پیش گوئی فرمائی تھی تو لوگوں نے اسے پوری اہمیت نہ دی مگر جب پوری ہو گئی تو حد درجہ حیران ہوئے۔ اس پیش گوئی کا مرزا یوں نے آج تک ذکر نہیں کیا۔ مولوی مفتی محمد عبداللہ ٹوٹکی (ف ۱۹۲۰ء) نے فرمایا کہ ”ہم پہلے تو

اس پیشینگوئی کو معمولی سمجھتے تھے۔ آخر وہ تو سب سے بڑھ کر نکلی ("الکاویہ علی الغاویہ جلد دوم" ص ۳۸۶ تا ۳۸۵ "سیرت امیر ملت" ص ۲۳۲ تا ۲۳۹ "مہر منیر از مولانا فیض احمد فیض ص ۲۰۶" "برکات علی پور" ص ۱۵۸ "صوفیائے نقشبند" ص ۳۵۶۔ ماہنامہ "شمس الاسلام" بھیرہ ضلع سرگودھا جنوری ۱۹۳۳ء ص ۱۱۔)

حضرت امیر ملت قدس سرہ نے جب مرزا قادیانی کی ہلاکت کی خبر سنی تو فوراً سجدہ شکر بجالائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مسلمانوں کے ایمان کو محفوظ رکھا۔ اپنے حبیب پاک ﷺ کی صداقت ظاہر فرمائی اور مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھا۔

مرزا قادیانی کی ہلاکت کی خبر آنا فانا پورے لاہور میں پھیل گئی۔ مسلمانوں نے جگہ جگہ مسجدوں، بازاروں اور محلوں میں شکرانہ کے جلسے منعقد کئے۔ ان بیشتر جلسوں میں حضرت امیر ملت خود شریک ہوئے اور اپنے مواعظِ حسنہ سے لوگوں کو مستفیض فرماتے رہے۔ اس سلسلے میں تین روز تک اسلامیہ کالج (ریلوے روڈ) کے میدان میں جلسے منعقد ہوتے رہے جن میں لاتعداد لوگ شریک ہوتے رہے بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ لاہور شہر کا کوئی گھر ایسا نہ ہوگا جس کے ایک دو افراد نے ان جلسوں میں شرکت نہ کی ہو۔ اس کے بعد اکناف و اطراف لاہور میں بڑے بڑے جلسے ہوئے۔ تقریباً ہر جلسے میں علمائے کرام کی تقریروں کے بعد حضرت امیر ملت قدس سرہ کا خصوصی خطاب ہوتا تھا۔ ان تمام جلسوں میں بے شمار لوگ قادیانی عقائد سے تائب ہو کر دوبارہ مسلمان ہوئے اور ان میں سے اکثر و بیشتر نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ سلسلہ عالیہ میں داخل ہونے والوں کی تعداد ہر روز اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ آپ سٹیج پر کھڑے ہو کر سب کو داخل سلسلہ فرماتے تھے۔ ("سیرت امیر ملت" ص ۲۳۹۔)

مرزا قادیانی کی ہلاکت کے بعد بھی حضرت امیر ملت ردِ مرزا ایت میں جوش و خروش سے سرگرم عمل رہے اور دلائلِ قاہرہ سے ختم نبوت کے مسئلے کو ثابت فرماتے رہے۔ مرزائیوں نے بوکھلا کر آپ کے خلاف ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کر کے اعلائے الحق سے باز رکھنے کی سعی نامشکور کی مگر نہ تو آپ پریشان ہوئے اور نہ ہی آپ کی سرگرمیوں میں سرِ مفرق آیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نصرت و

کامیابی آپ کے شامل حال رہی ہے۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

ایک دفعہ رعیہ خاص ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں حضرت امیر ملت قدس سرہ خطاب فرما رہے تھے کہ محمد علی جو لاہا مرزائی ساکن سترہاہ نے حضور سید عالم ﷺ کی شان اقدس میں بے ادبی کے کچھ الفاظ کہے۔ حضرت اقدس ایسی گستاخی کی کب تاب لا سکتے تھے۔ آپ نے خود اس کو زود کوب کیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے مسلمان بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور اس بد بخت اور خبیث جو لاہے کو سخت سزا دی۔

مرزائی تو پہلے ہی آپ کی حق گوئی و بیباکی سے ذلیل و خوار ہو کر بدلہ لینے کی فکر میں تھے۔ اس واقعہ سے وہ نہایت ہی ذلیل حرکتوں پر اتر آئے اور تحصیلدار رعیہ ("رعیہ خاص" ان دنوں "تخصیل" ہوا کرتی تھی اور "تخصیل دار" ہندو تھا) کی عدالت میں ایک جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا کہ۔

"یہ شخص (حضرت امیر ملت قدس سرہ) مسلمانوں کو گاؤ کشی پر برا بیچتے کرتا ہے، حکومت برطانیہ کے خلاف بہت کچھ کہتا رہتا ہے۔ محمد علی جو لاہا نے اسے ان حرکتوں سے ٹوکا تو اس نے محمد علی کو سخت زود کوب کیا۔"

ماسٹر خواجہ محمد کرم الہی ایڈووکیٹ سیالکوٹ (ف ۱۹۵۹ء) خلیفہ مجاز حضرت امیر ملت و سیکرٹری مرکزی انجمن خدام الصوفیہ ہند) اور سیالکوٹ کے دیگر یارانِ طریقت نے سیالکوٹ کے انگریز ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں تبدیلی مقدمہ کی درخواست پیش کی۔ اس نے درخواست قبول کرتے ہوئے ایک انگریز مجسٹریٹ کی عدالت میں مقدمہ منتقل کر دیا۔ سب سے پہلے حضرت اقدس امیر ملت کی حاضری عدالت کا معاملہ زیر بحث آیا۔ خواجہ کمال الدین وکیل مرزائی کو چونکہ آپ سے خصوصی عداوت و خصومت تھی بدیں وجہ اس نے زور دیا کہ "یہ شخص معمولی حیثیت کا مالک ہے۔ اس کا عدالت میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ حضرت امیر ملت کی طرف سے کئی وکیل پیروی کر رہے تھے۔ انہوں نے اور ماسٹر محمد کرم الہی ایڈووکیٹ نے یہ موقف اختیار کیا کہ۔

"آپ مسلمانوں کے بہت بڑے مقتدا اور رہنما ہیں۔ آپ کے کئی لاکھ معتقدین سارے

ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کو حاضری عدالت سے مستثنیٰ کیا جائے۔“ انگریز مجسٹریٹ نے فریقین کے وکلاء کے تفصیلی دلائل سننے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ”شاہ صاحب نہایت قابلِ تعظیم اور بزرگ ہستی ہیں۔ ان کی شان اس سے ارفع ہے کہ وہ ایسے چھوٹے مقدمہ میں عدالت میں بلائے جائیں لہذا حکم کیا جاتا ہے کہ شاہ صاحب عدالت میں حاضر نہ ہوں اور ان کی طرف سے وکیل پیروی کرے۔“

محمد علی جو لاہانے مرزائی جماعت کی مدد سے سیشن جج کی عدالت میں نگرانی کی درخواست دے دی۔ وہاں سے بھی مقدمہ خارج ہوا تو مرزائیوں نے ہائی کورٹ سے رجوع کیا اور زور دیا کہ ”آپ کا دوران مقدمہ حاضر عدالت ہونا لازم قرار دیا جائے۔“ فریقین کی طرف سے قابل وکیل اور لائق بیرسٹر پیروی کر رہے تھے۔ آپ کی طرف سے کئی بیرسٹر بلا معاوضہ پیش ہوتے تھے جن میں سر میاں محمد شفیع بیرسٹر (ف ۱۹۳۲ء) بھی شامل تھے۔ بحث بھی انہوں نے ہی کی تھی۔ ہائی کورٹ میں بھی حضرت اقدس کو کامیابی ہوئی اور آپ کو حاضری عدالت سے مستثنیٰ رکھا گیا۔ جب اس اقدام میں مرزائیوں نے ہائی کورٹ تک منہ کی کھائی تو اصل مقدمہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مگر سیالکوٹ کے مجسٹریٹ نے اصل مقدمہ میں بھی خارج کر دیا۔ اس کے بعد مرزائیوں کو دوبارہ اپیل کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور ذلیل و خوار ہو کر خاموش بیٹھ رہے۔ (”سیرت امیر ملت“ ص ۲۵۰، ۲۵۱)

بار بار ذلیل و خوار ہونے کے بعد مرزائیوں نے حضرت امیر ملت کے منہلے صاحبزادے حضرت پیر سید خادم حسین شاہ (ف ۱۹۵۱ء) کے خلاف ایک فوجداری مقدمہ دائر کر دیا تاکہ اپنی بار بار کی تذلیل کا بدلہ لیا جاسکے۔ صاحبزادہ صاحب اس وقت اور نیٹل کالج لاہور میں مولوی فاضل کا امتحان دے رہے تھے۔ اس مقدمہ کی پیروی کے لئے حضرت اقدس تقریباً ایک سال تک مسجد پٹولیاں (اندرون لاہور) دروازہ لاہور) میں قیام فرما رہے۔ مرزائیوں کی خواہش تھی کہ آپ کو طرح طرح سے پریشان کر کے تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ ختم کر دیا جائے مگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ مسجد پٹولیاں میں قیام کے زمانے میں آپ کا فیض عام جاری رہا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ جوق در جوق حاضر ہوتے اور اپنے دامن میں فیوض و برکات سمیٹ کر لے جاتے۔ بے شمار لوگ سعادت بیعت سے بھی مشرف ہوئے۔ آپ کا لنگر بڑے وسیع پیمانے پر قائم تھا۔ ہر رات آپ وعظ و تقریر فرماتے جس میں دور و نزدیک

کے لوگ شرکت کے لئے آتے اور فیض یاب ہوتے۔

مقدمہ کی پیروی کے لئے حضرت مولانا محرم علی چشتی (ف ۱۹۳۳ء) آپ کی طرف سے وکیل تھے دوسرے وکلاء بھی موجود تھے لیکن بحث میاں سر محمد شفیع بیرسٹرنے کی اور پہلے کی طرح اب بھی وہ کسی قسم کے محتنانہ کے طلبگار نہ ہوئے۔ ماسٹر کرم الہی ایڈووکیٹ مقدمہ کی پیروی کے لئے سیالکوٹ سے برابر آیا کرتے تھے۔ مؤخر الذکر نے جو خدمات انجام دیں وہ آپ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

جس رات کی صبح فیصلہ سنایا جانا تھا وہ رات حضرت امیر ملت قدس سرہ نے حضور داتا گنج بخشؒ

کے دربار گوہر بار میں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی آپ نے خادم حاجی عبداللہ امرتسری کو حکم دیا کہ

”آج فیصلے کی تاریخ ہے، زردہ پلاؤ کی دیکھیں چڑھا دو۔“

حاجی صاحب نے عرض کیا کہ ”بری ہونے کا فیصلہ ہو جائے تو دیکھیں چڑھائیں گے۔“ آپ نے ارشاد فرمایا۔

”تم ابھی سے کام شروع کر دو اللہ تعالیٰ بری کرے گا۔“

چنانچہ انگریز جج نے باعزت بری ہونے کا فیصلہ سنایا تو حق کا بول بالا اور دشمنوں کا منہ کالا

ہو گیا۔ جب فیصلے کی اطلاع حضرت امیر ملت قدس سرہ کو پہنچائی گئی تو آپ کے ساتھ سب لوگ سجدہ

شکر بجالائے۔ خوشیاں منائی گئیں، خیرات کی گئی۔ سارا دن اور رات زردہ و پلاؤ کا عام لنگر جاری رہا۔

(سیرت امیر ملت، ص ۲۵۱، ۲۵۲۔)

گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت امیر ملت نے بادشاہی مسجد لاہور کے جلسہء

عام میں اعلان فرمایا تھا کہ۔

”اگر مرزائی اپنے دین کو سچا ثابت کر دیں تو پانچ ہزار روپے انعام دوں گا۔“

یہ اعلان اخبارات میں بھی شائع ہوا اور اشتہارات کی شکل میں بھی عام کیا گیا۔ مگر کبھی کسی

نے انعام حاصل کرنے کی جرأت نہ کی۔ البتہ ایک دفعہ مرزائیوں کی طرف سے اشتہار تقسیم کئے گئے

کہ ”ہم اپنا مسلمان ہونا ثابت کرتے ہیں، پہلے تم روپیہ بنک میں جمع کراؤ۔“ اس وقت حضرت اقدس

علی پور سیداں شریف سے سیالکوٹ تشریف لیجا رہے تھے۔ جب ٹرین سیالکوٹ اسٹیشن پر پہنچی تو بہت

سے اشتہار اس سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں ڈال دیئے گئے جس میں آپ سفر فرما رہے تھے۔ اشتہار دیکھا تو مطالبہ کا علم ہوا۔ چنانچہ دوسرے دن ہی بنک میں روپیہ جمع کروا دیا گیا، مگر مرزائیوں کو میدان میں آنی کی جرأت نہ ہو سکی ("سیرت امیر ملت" ص ۲۵۲، ۲۵۳)

فتنہ ارتداد کے دور میں بھی آپ متواتر ردِ مرزائیت میں مصروف کار رہے۔ جھوٹے نبی کی جھوٹی نبوت پر ضرب کاری لگاتے رہے کیونکہ آپ کی زبانِ اقدس پر ہر وقت "قال اللہ" اور قال الرسول ہی ہوتا تھا۔

حضرت امیر ملت قدس سرہ نے ۱۹۲۵ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس مراد آباد کے موقع پر اپنے صدارتی خطبے میں بھی مرزائیت پر ضرب کاری لگائی تھی۔ اس اجلاس میں مرزائیوں کے خلاف ایک قرارداد منظور کی گئی جو درج ذیل ہے۔

"یہ اجلاس عام جو سوات کروڑ مسلمانان ہند کا قائم مقام اور ہر حصہ ملک کے علمائے اہلسنت و جماعت پر مشتمل ہے۔ مرزائیوں کی صدائے احتجاج کی بنا پر لیگ آف نیشنز اور گورنمنٹ آف انڈیا کو توجہ دلاتا ہے کہ "حکومت افغانستان" کا اہلاکِ قادیانیاں مذہبی مسئلہ ہے۔ اس میں کسی حکومت کی مخالفانہ آواز صریح مذہبی مداخلت ہوگی جس کو مسلمان کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ لہذا لیگ اور گورنمنٹ کو اس مسئلہ میں ہرگز دخل نہ دینا چاہئے"۔ (ماہنامہ "اشرفی" کچھوچھ شریف (انڈیا) بابت مئی ۱۹۲۵ء ص ۲۰ ماہنامہ "ترجمان اہلسنت کراچی" سنی کانفرنس ملتان نمبر "ص ۶۸-۶۷۔)

آل انڈیا سنی کانفرنس مراد آباد منعقدہ ۱۷-۱۸-۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء کو خطبہ صدارت کے دوران ہی گمراہ فرقوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا قادیانی کے جھوٹا اور گمراہ ہونے پر بحث کرتے ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔

"اب ہندوستان میں جہاں ہر وقت آزادی مذہب کی ڈینگ ماری جاتی ہے ہر روز نئے نئے مذہب حشرات الارض کی طرح پیدا ہو رہے ہیں۔ مرزا قادیانی کے دعویٰ پیغمبری کے بعد کئی ایک پیروان مرزا نے پیغمبری کے دعوے کئے۔ مرزا قادیانی پہلے سیالکوٹ کی کچھری میں اہمدی کے عہدے پر ملازم تھا۔ وہاں سے مختار کاری کا امتحان دیا جس میں ناکامی ہوئی۔ پھر آہستہ آہستہ مریم عیسیٰ مسیح

مہدی نبی، کل نبیوں کا چھوڑا، معاذ اللہ، خدا کا بیٹا، خدا کا پیدا کرنے والا وغیرہ پھر کرشن گوپال بن کر اس جہان سے سدھارا۔

نیز سچے اور جھوٹے نبی کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

(۱) سچا نبی کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوتا، اس کا علم لدنی ہوتا ہے۔ وہ روحِ قدس سے تعلیم پاتا ہے۔ بلا واسطہ اس کی تعلیم و تعلیم خداوندِ قدوس سے ہوتی ہے۔ جھوٹا نبی اس کے برخلاف ہوتا ہے۔

(۲) ہر سچا نبی اپنی عمر کے چالیس سال گزرنے کے بعد یکدم بحکم رب العالمین مخلوق کے روبرو دعویٰ نبوت کر دیتا ہے اور انی رَسُوْلُ اللّٰہِ کے الفاظ سے دعویٰ کرتا ہے بتدریج اور آہستہ آہستہ کسی کو درجہ نبوت نہیں ملا کرتا۔ جو نبی ہوتا ہے وہ پیدائش سے نبی ہوتا ہے۔ جھوٹا نبی اس کے برخلاف آہستہ آہستہ دعویٰ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ پہلے محدث، مجدد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

(۳) حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور خاتم الانبیاء ﷺ تک جتنے نبی ہوئے۔ تمام کے نام منفرد تھے۔ کسی سچے نبی کا نام مرکب نہ تھا۔ برعکس اس کے جھوٹے نبی کا نام مرکب ہوا۔

(۴) سچا نبی کوئی ترکہ نہیں چھوڑتا۔ سچا نبی اولاد کو محروم الارث نہیں کرتا۔ جھوٹا نبی ترکہ چھوڑ کے مرتا ہے اور اولاد کو محروم الارث کرتا ہے۔ (ماہنامہ ”انوار الصوفیہ“ قصور بابت اپریل مئی ۱۹۶۱ء ص ۳۳۔ ماہنامہ ”ضیائے حرم“ لاہور (ختم نبوت نمبر) دسمبر ۱۹۷۴ء ص ۴۵ ”ایمان پرور یادیں“ از مولوی اللہ وسایا مطبوعہ ملتان ۱۹۸۶ء ص ۳۶۔)

اعلان کے اختتام پر آپ نے مرزا قادیانی کے پیروکاروں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

”مرزائی جو مرزا قادیانی کے پیرو ہیں، ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں۔ اس طرح وہ حضور علیہ

الصلوة والتسلیم کے مدارج رسالت و نبوت میں کمی کرنے والے ہیں۔ یہ حضور ﷺ کے مدارج مرزا

قادیانی کے لئے مانتے ہیں۔ پھر ان سے اہل سنت و جماعت کس طرح اتفاق کر سکتے ہیں؟ ہم نے ان کو

نہیں چھوڑا بلکہ وہ خود ہم سے علیحدہ ہو کر گمراہ ہو گئے۔ نہایت حیرت و استعجاب کی بات ہے کہ مرزائی خود

سرکارِ دو عالم ﷺ کی غلامی کو چھوڑ کے اور کی غلامی اختیار کریں۔ اسپر بھی ان کو مسلمان سمجھا جائے!

انفاق تو وہ خود کرتے ہیں۔ جماعتِ ناجیہ کو خود انہوں نے چھوڑا۔ بموجب فتویٰ اہل سنت و جماعت وہ

خود دین اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو گئے اور چاہِ ضلالت میں جا گرے ہیں۔ بے وفائی تو انہوں نے خود کی جو راہِ راست سے پھسل گئے۔ طوقِ غلامی نبی آخر الزمان ﷺ انہوں نے گلے سے اتار دیا۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ بعض نادان دوست ہم کو کہتے ہیں کہ ان سے اتفاق کرو۔ نا اتفاقی کے مرتکب وہ ہیں اور شکایت الٹی ہماری!

گلہ ہم سے ہے بے وفائی کا کیا طریقہ ہے آشنائی کا

(سیرت امیر ملت ص ۶۱۸-۶۱۹، ملفوظات امیر ملت ص ۱۸۹ تا ۱۹۱ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس (۲۱۳، ۲۱۴)

انجمن خدام الصوفیہ ہند کے سیکرٹری جنرل خواجہ محمد کرم الہی ایڈووکیٹ نے ۱۲ دسمبر ۱۹۲۸ء کو

روزنامہ ”سیاست“ لاہور میں ایک بیان شائع کیا جس میں تحریر کیا تھا کہ

”مرزا کی جماعت ابتدا سے حضرت قبلہء عالم روحی فداح (حضرت امیر ملت) اور آپ کے

غلاموں کی مخالفت پر کمر بستہ رہی ہے۔ ۱۹۲۶ء کے سالانہ جلسہ انجمن خدام الصوفیہ کے موقعہ پر مرزا

قادیانی کے چند معتقد علی پور شریف آئے۔ ان کی نیت فساد اور شرارت کی تھی۔ چنانچہ ان میں سے ایک

نے مرزا کے اعتقادات اور الہامات کا ذکر کرنا شروع کر دیا۔ ایک مولوی صاحب نے جلسے میں مرزا کے

اعتقادات کی تردید کی ایمان کی حقیقت بیان کی اور مسئلہ ختم نبوت پر مکمل روشنی ڈالی۔ اس موقعہ پر حضرت

قبلہء عالم امیر ملت نے اعلان فرمایا کہ ”مرزا کے ایمان کو صحیح ثابت کرنے والے کو دس ہزار روپے انعام

دیا جائے گا“۔ اس کے بعد سے سیالکوٹ کی مرزائی جماعت اور حضرت قبلہء عالم کے غلامان سیالکوٹ

کے مابین اشتہار بازی ہوتی رہی ہے۔ اب ان کے مطالبہ پر ہم نے دس ہزار روپے امپیریل بینک

سیالکوٹ میں جمع کرا کے اعلان کر دیا ہے اور دعوت دی ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود مرزا کے ایمان کو سچا

ثابت کریں مگر مخالفین اس اعلان کے بعد سے خاموش ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سب کو سکتہ ہو گیا ہے۔ کوئی

سامنے نہ آیا جو اپنا مدعا ثابت کر سکتا اور اتنا بڑا انعام حاصل کرتا“ (سیرت امیر ملت صفحہ ۲۵۳)

مندرجہ بالا تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا اور اس کے حواریوں کو کبھی بھی سامنے آ کر اپنا

موقف اور عقیدہ ثابت کرنے کی جرأت نہ ہو سکی اور ہمیشہ حق کا بول ہی بالا رہا۔

حضرت امیر ملت قدس سرہ کی رد مرزائیت کی خدمات کا اعتراف خود انصاف پسند مرزائیوں نے بھی کیا ہے۔ آپ کے نبیرہ اعظم ”جوہر ملت حضرت پیر سید اختر حسین شاہ (ف ۱۹۸۰ء) روایت فرماتے ہیں کہ

”ایک بار ریل میں ایک مرزائی سنیر سب حج میرے ہم سفر تھا اس نے باتوں باتوں میں کہا کہ ”ہندوستان میں تین طاقتوں نے بیک وقت اپنے اپنے عقائد کی تبلیغ کا کام شروع کیا تھا۔ (۱) انگریزوں نے عیسائیت کی (۲) مرزائے اپنے مذہب کی اور (۳) شاہ صاحب (امیر ملت) نے دین حق کی تبلیغ شروع کی۔ انگریز کے پاس بہت زیادہ دولت، طاقت اور حکومت تھی۔ مرزائے بھی چندہ جمع کر کے بڑی دولت جمع کر لی تھی اور تنخواہ دار مبلغین کی ایک مستقل جماعت قائم کی تھی اس کے برعکس شاہ صاحب اکیلے ہی سرگرم عمل تھے۔ آپ کے پاس کوئی سرمایہ بھی نہ تھا، آپ نے چندہ بھی نہیں جمع کیا اور مبلغین کی جماعت کو بھی ملازم نہیں رکھا مگر میں اپنے سیکلٹ کے علاقے پر ہی غور کرتا ہوں تو نظر آتا ہے کہ بدو ملہی کا صرف ایک زمیندار سدھ صاحب عیسائی ہوا ہے۔ اور چوہدری عنایت اللہ ترہگ کا ذیلدار اور میرے والد صاحب اور صرف چند گھر گھنٹیا لیاں کے مرزائی ہوئے ہیں۔ علاقے کے باقی تمام لوگ جو لاکھوں کی تعداد میں ہیں، شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور اپنے دین پر قائم رہے۔“

حضرت جوہر ملت فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی تقریر سن کر کہا کہ ”یہ اللہ کا دین ہے جو کوئی اللہ کے بھروسے پر کام کرتا ہے اور اسباب ظاہر کا پابند نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اسے کامیاب فرماتے ہیں۔“ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَاِنَّ جِزْبَ اللّٰهِ هُمْ الْغَالِبُونَ (المائدہ: ۵۶)

آگاہ رہو کہ بے شک خدا کی جماعت ہی کو غلبہ حاصل ہوا کرتا ہے۔“ (سیرت امیر ملت صفحہ ۲۵۳-۲۵۴)

حضرت امیر ملت قدس سرہ کی ان بے مثال مذہبی اور دینی خدمات سے متاثر ہو کر حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ (ف ۱۹۸۴ء) سجادہ نشین آلو مہار شریف نے یوں خراج تحسین پیش کیا تھا۔

”حضرت امیر ملت قبلہء عالم کی نوجوانی کے زمانے میں تمام ملک ہندوستان میں کفر و ظلمت کا دور دورہ تھا۔ اور اسلام کو کسی ایسی اولوالعزم ہستی کا انتظار تھا جو تاریکیوں کو مٹا کر نور ایمان سے دلوں کو

روشن کر دے۔ کفر والجاد کا عقاب ہر طرف شکار کی تلاش میں سرگرم پرواز تھا۔ اور ڈرے سہے کلمہ گو گوشہ نشینی میں عافیت سمجھ رہے تھے۔ اگر ایمان کی بجلی کبھی گمراہی کے تاریک پردوں کو چاک کرتی تو اپنی شہرہ چشمی کی وجہ سے خلقت اس روشنی سے فیض پانے سے محروم رہتی۔ عوام الناس عادات و اخلاق اور اعمال و افعال کے لحاظ سے کفر میں ایسے رنگے ہوئے تھے کہ اسلامی شان و امتیاز سے یکسر بیگانہ تھے۔ غیر اسلامی رسوم و شعائر کو دین و ایمان سمجھ بیٹھے تھے اور صبغة اللہ کے خداوندی رنگ کا ان کو احساس ہی نہ رہا تھا۔ کفر و شرک کے پجاری رشد و ہدایت سے نبرد آزما تھے۔ اور ہندوستان سے اسلام کا نام مٹا دینے پر کمر بستہ۔ غرض پورا برصغیر شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک اسپین میں اسلام کے آخری دور سے مماثل نظر آتا تھا۔

ایسے وقت میں جبکہ روشیں ویرن اور آجوائیں خشک ہو چکی تھیں۔ کہ اچانک ابر رحمت نمودار ہوا۔ گلزارِ عالم میں آثارِ حیات ہویدا ہوئے۔ اس کا تقاطر بہار آفریں مردہ زمین کو حیاتِ جاوداں بخشنے والا تھا۔ انسانیت کے پڑمردہ چہرے پر رنگِ شباب نکھرنے لگا۔ بادِ خزاں کے ہزیمت خوردہ درختوں کی عریاں شاخوں کو از سر نو خلعتِ برگ و بار عطا ہوا کہ وہ آفتابِ عالم طلوع ہوا۔ اس غیر اعظم نے شب و روز سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ان سرنگوں مسلمانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کو بینا و روشن کر دیا۔ اور ان کے ظلمت کدوں میں پہنچ کر ان کے تاریک ترین گوشوں کو منور کر دیا۔ ان سیاہ ذروں کو تابندہ ستارے بنا دیا۔ اپنی تمازتِ عالم تاب سے پڑمردہ دلوں کو گرمایا اور تازہ خون پیدا کیا۔ خوابیدہ احباب کو جگایا اور ہوشیار کیا۔ اور میدانِ عمل میں لاکھڑا کیا اور ان سے کام لیا۔ حالانکہ اس وقت نہ کوئی واعظ تھا نہ وعظ سننے والا نہ جلسہ تھا نہ جلوس نہ انجمن تھی اور نہ کارکن۔ صرف حضرت امیر ملت قبلہ، عالم ہی سب کچھ تھے۔ اور آپ نے ایک دن تنہا احیاءِ دین کا بیڑا اٹھایا تھا۔ (”سیرت امیر ملت“ ص ۱۵۳، ۱۵۵)

رومرزائیت کے بارے میں حضرت امیر ملت قدس سرہ کی خدماتِ جلیلہ کی چند جھلکیاں آپ نے ملاحظہ فرمائی ہیں ورنہ آپ کی خدمات کا احاطہ کرنے کے لئے کئی دفتر درکار ہوتے۔ برصغیر میں حضرت امیر ملت ہی کی وہ شخصیت ہے جس نے میدانِ عمل میں مرزائیت کا مقابلہ کر کے اس کا ناطقہ بند کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مرزائی سب سے زیادہ دشمنی کا مظاہرہ بھی آپ کے ساتھ ہی کرتے تھے۔

مرزائی آپ سے اس حد تک مخالفت و مخالفت رکھتے تھے کہ انہوں نے آپ کی مخالفت کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ فتنہ ارتداد کے خطرناک موقع پر حضرت امیر ملت نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ فرقہ مرزائیہ نے اس فتنے میں حد درجہ بے غیرتی کا ثبوت دیا تھا اور اپنی معاندانہ کاروائیوں سے فساد کے اندر ایک اور فساد برپا کر دیا تھا۔ جو اسلامی جماعتیں شدھی کو روکنے میں سرگرم عمل تھیں۔ ان سب سے بد بخت مرزائیوں کی مخالفت تھی لیکن خاص طور پر وہ حضرت امیر ملت کے دشمن تھے۔ اور آپ کے ارسال کردہ مبلغین کے لئے مزاحمتوں کا سبب بنتے تھے مگر خدا کے فضل سے وہاں بھی ہر موقع پر ان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور آپ کے مبلغین باوجود ان کی مخالفت و مخالفت کے کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ ("سیرت امیر ملت" ص ۲۵۴۔)

الغرض حضرت امیر ملت قدس سرہ تادم واپس مرزائیت کی تردید میں ہمہ وقت مشغول رہے۔ ۱۹۵۱ء میں آپ کی رحلت ہوئی اور ۱۹۵۳ء میں ملکی سطح پر تحریک ختم نبوت چلی۔ اس تحریک میں آپ کے فرزند اکبر اور سجادہ نشین اول سراج الملت حضرت پیر سید حافظ محمد حسین شاہ صاحب (ف ۱۹۶۱ء) سب سے چھوٹے صاحبزادے شمس الملت حضرت پیر سید نور حسین شاہ صاحب۔ (ف ۱۹۷۸ء) اور جوہر ملت پیر سید اختر حسین شاہ صاحب (ف ۱۹۸۰ء) نے بھر پر کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۴ء میں جب "تحریک ختم نبوت" ساحل کامیابی سے ہمکنار ہوئی، ملک کے سب سے بڑے با اختیار ادارے قومی اسمبلی نے مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا تو میں نے چشم تصور سے دیکھا کہ حضرت امیر ملت قدس سرہ کی روح انور اس دن خوشی سے پھولے نہ سماتی تھی اور اپنی اولادِ امجاد سے ارشاد فرما رہی تھی کہ۔

"میرے بیٹو! میں نے زندگی بھر حق و صداقت کا ساتھ دیا ہے اور جابر سے جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ لہذا تم ہر اس تحریک کو کچل دو ہر اس جماعت کیخلاف جہاد کرو اور ہر اس شخص کو کیفر کردار تک پہنچا دو جو ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتا اور جو جناب رسالت مآب ﷺ کی نبوت پر ڈاکے ڈالتا ہے۔

میرے بچو! تم پر تحفظ ختم نبوت کا دوہرا فرض ہے کیونکہ تم امتِ رسول ہو اور آلِ رسول بھی۔

جاؤ! میدانِ عمل میں نکل کر ہر اس ہاتھ کو قلم کر دو جو توہینِ رسالت کے لئے اٹھتا ہے۔ ہر اس زبان کو کاٹ کر رکھ دو جو گستاخیِ رسول کے لئے کھلتی ہے اور ہر اس تنظیم کو ملیا میٹ کر دو جس کا مقصد ”دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کرنا“ نہیں ہے۔

اٹھو! کمر ہمت باندھ کر نعرہٴ تکبیر و رسالت بلند کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دو! میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔“

حضرت امیر ملت قدس سرہ کے اس ارشادِ گرامی پر عمل کرنے کے لئے تمام صاحبزادگان نے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ اس وقت حضورِ فخر ملت حضرت پیر سید حافظ محمد افضل حسین شاہ صاحبِ سجادہ نشین، میدانِ عمل میں مصروفِ کار ہیں اور دنیا کے اسلام کو صرف ایک ہی درس دے رہے ہیں کہ

توتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کر دے

(اقبال)

نوٹ:- حضرت امیر ملت کی قادیانیت کے خلاف جدوجہد کو قلمی زبان دینے پر میں جناب صادق قسوری صاحب کے تعاون کا شکر گزار ہوں۔ (زاہد)



علامہ شبیر احمد ہاشمی

(پ: ۱۹۳۹ء)

قبلہ سید شبیر احمد ہاشمی صاحب ۱۹۳۹ء کو ضلع اوکاڑہ تحصیل دیہ پاپور کے قصبہ جمال کوٹ کی نواحی بستی بہادر والی میں پیر اکبر علی شاہ کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی علوم اپنے والد محترم سے حاصل کرنے کے بعد جامع فریدیہ (سابقہ دارالعلوم عربیہ) ساہیوال میں فاتح عیدائیت ابوالنصر مولانا منظور احمد شاہ صاحب کی شاگردی اختیار کر لی بعد ازاں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع اوکاڑہ میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۶۰ء میں فقیہہ اعظم علامہ مفتی محمد نور اللہ نعیمی سے سند حدیث حاصل کی۔ ۱۹۶۸ء میں جامعہ فریدیہ ساہیوال میں تعلیم و تربیت کا آغاز کر دیا۔ ۱۹۶۹ء میں جامع مسجد داؤد آباد بوریوالہ میں خطابت کا آغاز کیا۔ اہل پتوکی کے پرزور اصرار پر ۱۹۷۹ء میں آپ پتوکی تشریف لے آئے اور جامع مسجد مینار رضا پتوکی میں خطیب مقرر ہوئے۔

۱۹۵۸ء میں روزنامہ جمہورستان ساہیوال میں نشان فطرت کے نام سے کالم لکھنے سے صحافت کا آغاز فرمایا۔ ۱۹۷۰ء میں جمعیت علماء پاکستان پنجاب کے سیکٹری اطلاعات مقرر ہوئے اور عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء کے دوران آپ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت ضلع دہاڑی کے صدر منتخب ہوئے ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو سانحہ ربوہ پیش آیا تو آپ کی قیادت میں بوریوالہ میں مکمل ہڑتال ہوئی۔ یہ ہڑتال پاکستان بھر میں قادیانیت کے خلاف اپنی نوعیت کی پہلی باقاعدہ ہڑتال تھی۔ اس کے بعد ملک بھر میں ہڑتالوں کا سلسلہ چل نکلا آپ نے ہڑتال والے دن افتخار شہید چوک بوریوالہ میں عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اور فتنہ قادیانیت کی تخریب کاریوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے مسلسل سات گھنٹے تک پر جوش و علمی خطاب فرمایا:-

بوریوالہ کے نواحی گاؤں چٹھیا نوالہ کا نمبردار قادیانی تھلے ۵۷ء میں آپ کی مساعی جمیلہ سے

مذکورہ گاؤں کا نمبر دار مسلمان بنایا گیا اور قادیانی نمبر دار سے نمبر داری سرکاری طور پر لے لی گئی۔
تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء کے دوران آپ نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں بلکہ
پانچ سو افراد نے آپ کی قیادت میں گرفتاری پیش کی۔
۱۹۵۸ء سے لیکر آج تک آپ مختلف رسائل و جرائد سے وابستہ رہے ہیں اور اپنے زور قلم
سے قادیانیت کی خوب خبر لے رہے ہیں۔ ان دنوں آپ ماہنامہ ”ندائے اہل سنت“ لاہور کے رئیس
التحریر ہیں۔

آپ فطری طور پر شاعر بھی ہیں نظم، نعت غزل وغیرہ ہر طرح کی شاعری کرتے ہیں۔ آپ کا
کلام ”دل لخت لخت“ کے نام سے عنقریب طبع ہونے والا ہے۔ آپ کے کلام میں عقیدہ ختم نبوت ورد
قادیانیت کے عنوان سے اکثر نظمیں، نعتیں اور اشعار پڑھنے کو ملتے ہیں۔
تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء کے دوران آپ جب بور یوالا میں مقیم تھے تو آپ کی خطابت اور تعلیم تربیت
کے اثر سے مسلمانوں میں اتنا شعور پیدا ہو گیا تھا کہ انکے رویہ سے خائف ہو کر تمام کے تمام قادیانی
بور یوالا سے نقل مکانی کر گئے۔ رد قادیانیت پر ملکہ حاصل ہونے کی بدولت ۱۹۷۴ء میں آپ کو خطیب ختم
نبوت کا لقب عطا ہوا۔

۱۹۸۳ء میں پتوکی شہر میں ایک قادیانی نے گھر گھر جا کر قادیانیت کی تبلیغ کا سلسلہ شروع کر
دیا۔ آپ کو پتہ چلا تو آپ نے اس کا تعاقب کیا۔ قادیانی مبلغ سب سے زیادہ زور وفات عیسیٰ ثابت
کرنے پر صرف کرتا تھا۔ ایک دن آپ کا اس سے آسنا سامنا ہو گیا۔ آپ نے علمی بحث دربارہ حیات
دو فوات مسیح کرنا چاہی مگر قادیانی لاجواب ہو کر فرار ہو گیا۔ بعد ازاں ۷ جون ۱۹۸۳ء کو آپ نے پتوکی میں
حیات مسیح کانفرنس کا اہتمام کر کے ملک کے نامور اور جید علمائے دین کو دعوت خطاب دی۔ کانفرنس میں
خطاب کرتے ہوئے مولانا عبدالستار خان نیازی نے فرمایا پتوکی میں حیات مسیح کانفرنس کا انعقاد عالم
اسلام کا پہلا واقع ہے۔

۱۹۹۹ء کے آغاز میں الفہیم اکیڈمی اچھرہ لاہور نے ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کو غوث گوڑہ حضرت پیر
مہر علی شاہ گوڑوی کی قیادت میں ہونیوالے جلسہ اسلامیہ کی روداد شائع کرنے کا پروگرام بنایا تو اس روداد

کو "برق مہریہ" کا نام دے کر اسکی مفصل علمی تقدیم آپ نے تحریر فرمائی۔

"فتنہ قادیانیت اور اسکا تعاقب" کے عنوان سے کئی سو صفحات پر مشتمل قلمی مسودہ بندہ نے

آپکی لائبریری میں دیکھا ہے جسے آپ انشاء اللہ عنقریب طبع کروا رہے ہیں۔

۱۹۹۸ء میں چوکی میں مسلم قادیانی اختلافات کی آگ بھڑک اٹھی تو آپ کے حسن تدبیر نے اس پر قابو

پالیا بلکہ قادیانیت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک قادیانی (صدر جماعت قادیاں چوکی) یہ لکھنے اور ماننے پر

مجبور ہو گیا کہ ہمارا شعائر اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور آئندہ ہم شعائر اسلام استعمال کرنے سے گریزاں

رہیں گے۔

ستمبر اکتوبر ۲۰۰۰ء میں جب آپ یورپ کے تبلیغی دورہ پر تھے وہاں قادیانیوں نے ایک اشتہار شائع کیا

جسمیں اپنی مصنوعات کی تشہیر کی آڑ میں فتنہ قادیانیت کی تبلیغ کی کوشش کی گئی تھی۔ آپ نے فوراً نوٹس لیا۔

۲۹ ستمبر ۲۰۰۰ء کو جوابی اشتہار شائع فرمایا۔ جس میں قادیانیوں کو دعوت مناظرہ دی گئی تھی۔ بعد ازاں آپ

نے "قادیانی کون؟" کے عنوان سے ایک کتاب تحریر فرمادی جس میں قادیانیوں کا اصل چہرہ انکی اپنی

تحریروں کی روشنی میں دکھایا گیا ہے۔ نیز یورپ میں قادیانی مذہب کی تشہیر کے سلسلہ میں قادیانیوں کی

چالوں سے عوام الناس کو آگاہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے علم و فضل میں مزید برکت عطا

فرمائے۔ آمین۔

آفتاب ولایت حضرت میاں شیر محمد شرچپوریؒ

۱۸۶۲
(۱۸۶۵ء-۱۹۲۸ء)

قبلہ عالم شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرچپوری رحمۃ اللہ علیہ میاں عزیز الدین شرچپوری کے گھر ۱۸۶۲ء میں شرچپور شریف میں پیدا ہوئے۔ (خزینہ معرفت ایڈیشن ۲ صفحہ ۹۳)

بچپن میں بہت باحیاط تھے، خوشنویسی کا بہت شوق تھا۔ اکثر قرآن پاک کی کتابت کیا کرتے تھے۔ ظاہری و باطنی علوم سے آپ مالا مال تھے۔ بڑے بڑے علماء حاضر ہوتے تو خمیدہ سر دوزانو ہو کر بیٹھتے اور آپ کے علوم و معارف سے مستفید ہوتے۔ آنے والے ہر عقیدت مند کو آپ شریعت مطہرہ کی پیروی کا سختی سے حکم فرماتے۔ آپ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ نے کئی نایاب کتب چھپوا کر تقسیم فرمائیں اور متعدد مساجد تعمیر کرائیں۔ ۳ ربیع الاول بمطابق ۲۰ اگست ۱۹۲۸ء بروز سوموار آپ کا انتقال ہوا۔ اور شرچپور شریف میں ہی آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ (آفتاب ولایت صفحہ ۱۲۰۔ احمد علی شرچپوری)

رد قادیانیت کے سلسلہ میں آپ کے مندرجہ ذیل حالات و واقعات میسر آسکے ہیں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

پیر کرم شاہ صاحب سکنہ بھوپن کلاں نزد حافظ آباد اعلیٰ حضرت میاں صاحب شرچپوری کے مریدین باصفا میں سے تھے۔ انہوں نے مولف سے بیان کیا کہ ایک زمیندار مردان علی نامی صاحب ثروت تھا مگر تھا بڑا آزاد خیال۔ نیچری قسم کے اعتقادات رکھتا تھا۔ مرزائیت کی طرف مائل تھا اور وقتاً فوقتاً قادیان بھی جایا کرتا تھا۔ ایک بار کسی شخص کے ساتھ اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد کی خدمت میں ایک مسئلہ لے کر حاضر ہوا۔ اس کی نیت یہ تھی کہ اگر اعلیٰ حضرت شرچپوری سے بھی یہ عقدہ حل نہ ہو تو قادیان جا کر مرزا غلام احمد کی بیعت کر لوں گا۔ پیر کرم شاہ کا بیان ہے کہ وہ میاں صاحب کی صرف ایک ہی نگاہ سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا اور اپنی زبان سے کہنے لگا ”مرزا جھوٹا، مرزا جھوٹا، مرزا جھوٹا“ اس اقرار

کے بعد جب وہ ہوش میں آیا تو فوراً اپنے خیالات فاسدہ سے تائب ہوا، اللہ اکبر۔ ("خزینہ کرم" ص ۵۲۱ تالیف نور احمد مقبول بی۔ اے۔)

بے اثر ہیں سینکڑوں نغمے نہ ہو گردل میں سوز

ایک نالہ سے بدل جاتا ہے رنگ انجمن (مولف)

اگرچہ آپ بریلوی مکتب فکر کے ایک جید عالم اور مایہ ناز صاحب سجادہ تھے مگر عقیدہ ختم نبوت سے قلبی محبت اور قادیانیت سے نفرت کی بدولت رقتہ مرزائیت کے سلسلہ میں کام کرنے والی شخصیات خواہ کسی بھی مکتبہ فکر سے وابستہ ہوں آپ ان سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں مثلاً

سید انور شاہ کشمیری آپ کے پاس بطور زیارت تشریف لائے تو آپ نے بڑے عزت و احترام سے اسے اپنے ساتھ بٹھایا اور کافی دیر گفتگو فرماتے رہے۔ اور فرمایا کہ آپ جیسے مجاہد ختم نبوت سے ملاقات کے بعد مجھے نجات کی امید ہو گئی ہے۔ جب سید انور علی شاہ کشمیری واپس جانے لگے تو سڑک تک ان کے ساتھ آئے اور انہیں الوداع کہہ کر واپس گئے۔ (دفاع ختم نبوت صفحہ ۹۶۔ از طاہر رزاق)

سید عطاء اللہ شاہ بخاری آپ سے ملنے کے لئے شرقپور تشریف لائے۔ ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا اور آپ اپنے حجرہ میں تشریف لے جا چکے تھے۔ خدام نے ملاقات کی اجازت نہ دی تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری بددل ہو کر واپس لوٹ گئے اتنے میں میاں صاحب حجرہ سے باہر تشریف لائے اور پوچھا "عطاء اللہ شاہ نام کا کوئی آدمی ہے" خدام نے عرض کی کہ آیا تھا واپس چلا گیا ہے آپ نے آدمی کو دوڑایا اور عطاء اللہ شاہ کو واپس بلوا کر اس سے بغل گیر ہوئے اور فرمایا "تمہارا مقام بہت بلند ہے" (کاروان ختم نبوت کے چند نقوش صفحہ ۱۶۷ از طاہر رزاق)

روزنامہ نوائے وقت کے ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۱ء کے جمعہ میگزین میں لاہور کے یادگار چہرے کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا۔ صاحب مضمون نے اپنے بزرگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک اخبار "لاہور پنچ" کا ذکر کیا ہے پھر ۱۸۹۸ء کے اخبار "لاہور پنچ" کی خبریں بطور نمونہ پیش کی ہیں۔ ان میں ایک خبر ہے کہ "میاں شیر محمد صاحب شرقپوری گذشتہ سات روز سے بادشاہی مسجد لاہور میں قیام پذیر تھے

لیکن مرزا غلام احمد قادیانی مناظرے کے لئے نہیں آیا لہذا آپ کل واپس شرقپور شریف تشریف لے جا رہے ہیں“ (روزنامہ نوائے وقت جمعہ میگزین ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۱) اس خبر سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ آپ نے مرزا قادیانی کو مناظرے کے لئے چیلنج دیا تھا مگر اسے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

ایک دفعہ آپ نے مراقبہ کیا اور دیکھا کہ مرزا قادیانی کی شکل قبر میں باولے کتے کی سی ہے اور باولے پن کا اس پر دورہ پڑا ہوا ہے۔ اس کا منہ دم کی طرف ہے، بھونکتے ہوئے گول چکر کاٹ رہا ہے۔ منہ سے پانی نکل رہا ہے اور بار بار اپنی دم اور ٹانگوں کو کاٹتا ہے۔ اس کشف کا فقیر نے ایک بزرگ کے سامنے ذکر کیا۔ فوراً تڑپ اٹھے اور فرمایا خدا گواہ ہے واقعتاً یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ واقعتاً مرزا قادیانی کی حالت ایسی ہی ہونی چاہئے۔ (تذکرہ مجاہدین ختم نبوت صفحہ ۱۵۲ از مولانا اللہ وسایا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَنْتَ قَوْلٌ سَرِیۡسٌ
وَمِنَ اللّٰهِ نَبَیۡکَ

اللہ کے راستے میں سب سے پہلے کرو

حضرت مولانا ظہور احمد بگوییؒ

(۱۹۰۱ء تا ۱۹۴۵ء)

قبلہ عالم مولانا ظہور احمد بگویی رحمۃ اللہ علیہ ملت کے ان مایہ ناز سپوتوں میں سے ایک تھے جن کی زندگی کی ہر صبح اسلام کی سر بلندی اور کامرانی سے رنگین اور ہر شام مسلمانوں کی سیاسی معاشرتی، معاشی اور اخلاقی زبوں حالی کی وجہ سے مغموم نظر آتی تھی۔ آپ کے دم قدم سے کئی تحریکوں نے جنم لیا اور آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

آپ خاندان بگویہ کے شہرہ آفاق عالم اعلیٰ حضرت مولانا عبدالعزیز بگویی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے (علماء و مشائخ بگویہ کی دینی و ملی خدمات صفحہ ۱۷) دینی تعلیم کے اساتذہ میں مولانا محمد ذاکر بگویی، محمد یحییٰ بگویی، مولانا معین الدین اجمیری اور مولانا محمد حسین شامل ہیں۔

ملی و مذہبی امور میں آپ کی حق گوئی اور بے باکی کسی مصلحت کا شکار نہ ہوتی تھی دنیا کی کوئی طاقت آپ کے عزائم اور مساعی کو کبھی خرید سکی نہ جھکا سکی۔ آپ کثیر المطالعہ اور وسیع معلومات کے مالک تھے۔ ملک ہند کا ہر معقول جریدہ آپ کی میز کی زینت بنتا تھا اور آپ خود ماہنامہ شمس الاسلام کے مدیر تھے۔

دین حنیف کی خدمت اور گمراہ فرقوں کے تعاقب میں آپ نے جس خلوص جانفشانی اور ذہانت سے کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ باطل فرقوں کے مقابلہ میں حمایت حق کے جذبہ سے سرشار ہو کر جس بے جگری، جرأت و ہمت سے کام لے کر آپ نے جہاد شروع کیا تھا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ تمام ہندوستان بلکہ بیرون ہند ملک برما وغیرہ میں بھی آپ نے کامیاب دورے کر کے مرزائیت اور شیعت کے خلاف شعلہ بار اور سبق آموز تقریریں فرمائیں جن سے ان باطل گروہوں کی تمام مساعی اور ان کے پھیلانے ہوئے جال بے کار ہو کر رہ گئے۔ خصوصاً شمالی پنجاب کے مسلمانوں کو مرزائیت

و شیعیت سے محفوظ رکھنے کے لئے آپ نے مسلسل شب و روز سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اور ہر معرکہ میں پہنچ کر ان کا رد کیا۔ آپ اتحاد بین المسلمین کے زبردست داعی تھے۔ آپ کی ساری زندگی تردید مذاہب باطلہ میں صرف ہوئی۔ ۲۹ مارچ ۱۹۳۵ء کو آپ کل ہند تنظیم اہل سنت کے اجلاس میں شرکت فرما کر واپس تشریف لارہے تھے کہ سخت بخار ہونے کی وجہ سے راستہ ہی میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (علماء و مشائخ بگویہ کی دینی و ملی خدمات صفحہ ۲۴) آپ کا دربار عالیہ خانقاہ بگویہ بھیرہ شریف میں ہے۔

میسر معلومات کی روشنی میں فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے سلسلہ میں آپ کی طرف سے کئی گئی خدمات کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

برق آسمانی بر خرمین قادیانی:-

ستمبر ۱۹۳۲ء میں قادیانیوں نے سرگودھا، بھیرہ اور شاہ پور میں اپنے باطل مذہب کی تبلیغ زور شور سے شروع کر دی۔ عالی مرتبت مولانا ظہور احمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے کرام کی ایک جماعت کے ہمراہ قادیانیوں کا تعاقب کیا، تقریر و تحریر، مناظرہ و مباحثہ ہر میدان میں قادیانیت کو چیت گرا کر ذلیل و خوار کیا۔ اپنے انہی معرکہ ہائے حق و باطل کا خلاصہ آپ نے ”برق آسمانی بر خرمین قادیانی“ کے عنوان سے دسمبر ۱۹۳۲ء میں شائع فرما دیا۔ کتاب کے سرورق پر نام کتاب کے نیچے آپ نے کتاب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

”جس میں اعمالنامہ مرزا، سوانح مرزا و خلفائے مرزا کے علاوہ ستمبر ۱۹۳۲ء کے اندر مرزائیوں کے ساتھ بھیرہ، سلانوالی، چک ۳۷ جنوبی میں مناظروں کی روئداد اور ضلع شاہ پور میں مرزائیوں کے تعاقب کی مفصل کیفیت درج کی گئی ہے۔“

کتاب کے حصہ اول میں آپ نے ”سوانح مرزا از زبان مرزا“ المعروف بہ اعمالنامہ مرزا کے عنوان سے مرزا قادیانی کی اپنی تحریروں کی روشنی میں کتاب کے صفحہ نمبر ۵ سے ۴۰ تک مرزا قادیانی کی شخصیت، اس کے اعمال و افعال، اس کا مذہب، اس کی انگریز نوازی، اسلام سے غداری،

عقائد اسلام سے انحراف اور مرزا قادیانی کی ساری زندگی کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے اور حضرت صاحب کی طرف سے دیئے گئے حوالہ جات ملاحظہ کرنے کے بعد ہی اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کا مرزائیت کے بارے میں کتنا وسیع اور تحقیقی مطالعہ تھا۔ بطور نمونہ جب میں نے چند حوالہ جات کو اصل مرزائی کتب میں ڈھونڈا تو میں قبلہ جناب مولانا صاحب کی علمی ثقافت و ذہانت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں سکون ابدی عطا فرمائے (آمین)

کتاب کے حصہ دوم میں قادیانی خلیفہ اول حکیم نور الدین عرف نور و بھیروی کے چیدہ چیدہ حالات و واقعات درج کئے ہیں جنہیں پڑھ کر حکیم نور الدین کی شخصیت اور قادیانیت سے اس کی اندھی عقیدت بے جا محبت اور اس کے نتیجہ میں اس کی گمراہی کی وجوہات اظہر من شمس ہو جاتی ہیں۔

حصہ سوم صفحہ ۶۹ تا ۱۰۱ میں آپ نے قادیانی حوالہ جات کی روشنی میں قادیانیوں کے مختلف فرقوں کا اجمالی تذکرہ فرمایا ہے آپ نے گیارہ قادیانی فرقوں کا تعارف کروایا ہے اور ان کی بنیاد و قیام کی مختصر وجوہات بیان فرمائی ہیں جن میں ہوس زرسب میں مشترک ہے۔

آپ کی عبقری فراست پر قربان جائیے آپ نے ۱۹۳۲ء میں فرمایا تھا قادیانی سیاست میں داخل ہو کر کسی وقت بھی مسلمانوں کو دھوکہ دے سکتے ہیں آپ کے اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیے ”اب مرزا محمود نے سیاسیات میں عملی حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔ اس کے مرید ظفر اللہ مفتی محمد صادق مسلم لیگ و مسلم کانفرنس کے ہر اجلاس میں شریک ہوتے ہیں۔ اور سیاسیات سے متعلق مسلمانوں کو مشورے دیتے ہیں۔ مسلمانوں کو ایسے خطرناک مفسدین سے ہوشیار رہنا چاہیے ممکن ہے یہ لوگ آئندہ زمانہ میں سکھوں کی طرح اپنی علیحدہ سیاسی حیثیت گورنمنٹ سے منظور کرائیں اور اپنی تعداد بڑھا کر مسلمانوں کے لئے مستقل خطرہ ثابت ہوں۔ یہ پولیٹیکل گرگٹ کئی رنگ بدل رہے ہیں۔ (صفحہ ۷۷۔ برقی آسمانی)

۱۹۳۷ء میں تقسیم ہند کے وقت اسی ظفر اللہ خان نے آپ کے خدشہ کو عین سچ ثابت کر دیا جب اس نے اپنی قادیانی آبادی کو مسلمانوں سے علیحدہ شمار کرنے کی درخواست باونڈری کمیشن کو دے دی اور گورداس پور کا ضلع ہندوستان کے حوالے کروا دیا۔

کتاب کے حصہ چہارم میں آپ نے قادیانیوں کے ساتھ اہل اسلام کے چند اہم مناظروں

کی روئیداد اور خلاصے تحریر فرمائے ہیں۔ قادیانیوں نے جب ضلع سرگودھا و شاہ پور میں مرزائیت کی باقاعدہ منظم تبلیغ کا آغاز کیا تو آپ نے فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے ایک وفد ترتیب دیا۔ اس وفد میں مولانا محمد حسین کولوتارڑوی، مولانا محمد شفیع، خود اعلیٰ حضرت ظہور احمد بگوی اور مولانا عبدالرحمن صاحب شامل تھے۔ اس وفد نے یکم ستمبر ۱۹۳۲ء سے دس اکتوبر ۱۹۳۲ء تک قادیانیوں کے ساتھ دس مقامات پر مناظرے و مباحثے کئے اور ہر دفعہ بفضلِ خدایہ وفد کامران ہوا۔ قادیانی گروہ ہر بار خائب و خاسر رہا۔ (برق آسمانی بر خرمن قادیانی از مولانا ظہور احمد بگوی صفحہ ۱۰۲)

حضرت قبلہ علامہ ظہور احمد بگوی نے تو تمام معرکوں کی تفصیل تحریر فرمائی ہے جسے پڑھنے سے آپ اور آپ کے رفقاء خاص کی فتنہ قادیانیت پر مضبوط گرفت اور قادیانی مناظرین کا ہر محاذ پر لا جواب ہو کر بھاگ جانا دیکھ کر علمائے اسلام کی عزت و تکریم دل میں مزید بڑھ جاتی ہے۔ ان معرکہ ہائے حق و باطل کا اجمالاً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ معرکہ میانی:-

مولانا غلام مرتضیٰ میانوی مرزائیت کے لئے شمشیر برہنہ تھے۔ آپ نے قادیانی خلیفہ اول حکیم نور الدین عرف نورو بھیروی کولاہور میں شکست فاش سے دوچار کر دیا تھا اس طرح مناظرہ ہریا میں جلال الدین شمس قادیانی کی گت بنائی تھی (تفصیل کے لئے آپ کی تصنیف النظر رحمانی علی راس قادیانی ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے۔) آپ کی وفات کے بعد قادیانیوں نے پھر سے شاہ پور میانی میں تبلیغی مرکز قائم کرنا چاہنا نچہ قادیان سے جو وفد قادیانی مناظرین کا ضلع شاہ پور میں وارد ہوا۔ علماء اسلام سے اس کا سب سے پہلا ٹکراؤ میانی میں ہی ہوا۔ قادیانی وفد ۳۱ اگست ۱۹۳۲ء کو میانی وارد ہوا اور یکم ستمبر کو مسلمان علماء کرام جن میں مولانا ظہور احمد بگوی، مولانا محمد حسین کولوتارڑوی اور مولانا محمد شفیع صاحب خوشابی شامل تھے بھی میانی پہنچ گئے۔ قادیانی مبلغین کو میدانِ مناظرہ میں آنے کی جرات نہ ہوئی۔ مذکورہ علمائے کرام نے دو دن تک قیام فرمایا اور شاندار جلسے منعقد کیے جن میں اثباتِ ختم نبوت و تردید قادیانیت کے سلسلہ میں خطابات ہوئے۔ مورخہ ۲ ستمبر کو یہ وفد کامیاب و کامران ہو کر قادیانی وفد کے تعاقب میں بھیرہ پہنچ گیا۔ (برق آسمانی بر خرمن قادیانی صفحہ ۱۰۳)

۲۔ معرکہ بھیرہ:

بھیرہ کے قادیانی ایک ماہ سے مسلمانوں کو یہ کہہ کر مرعوب کر رہے تھے کہ ہمارے مرکزی مبلغین عنقریب آرہے ہیں جو تمہارے مولویوں کو مناظرہ و مباحثہ میں خائب و خاسر کر دیں گے مگر جب قادیانی گیدڑ بھیرہ وارد ہوئے اور انہوں نے مولنا ظہور احمد بگویؒ مولنا محمد حسین کولوتار ڈویؒ جیسے اللہ کے شیر دیکھے تو ان کے دل بیٹھ گئے۔ فوراً قادیان تاریں بھیجیں نئے مبلغین منگوائے اور مناظرہ کی منادی کرادی۔ مرزائیوں نے منادی تو کرادی مگر اب مقابلہ پر آنے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ مسلمانوں نے زبردست اشتعال دلایا تو بالآخر مورخہ ۲۵ تا ۲۷ ستمبر ۱۹۳۲ء تین دن تک مناظرہ ہوا تینوں دن قادیانی خائب و خاسر رہے۔ مولنا ظہور احمد بگویؒ نے مسلمانوں کی جانب سے صدر مناظرہ کے فرائض سرانجام دیئے۔ جبکہ مناظر ابوالقاسم مولنا محمد حسین کولوتار ڈویؒ تھے تینوں دن مولنا محمد حسین صاحب نے حق نمائندگی ادا کر دیا اور قادیانیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ ایک قادیانی فضل داد متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا (برق آسمانی بر خرمن قادیانی صفحہ ۱۱۸) کئی مذہب سنبھل گئے۔ شہر بھر میں مسلمانوں نے جشن منایا اور قادیانی ایسے سوگ میں ڈوبے کہ اپنی مسجد میں نماز مغرب و عشاء کی اذان بھی نہ دے سکے۔ غیر مسلم اہل علم نے بھی مناظرہ بھیرہ پر اپنی آراء کا اظہار مختلف اخبارات و رسائل کے ذریعے کیا، مسلمانوں کے طرز استدلال کی تعریف فرمائی اور قادیانی دجال کو بودا قرار دیا۔

۳۔ معرکہ خوشاب:

قادیانی وفد بھیرہ سے شکست کھا کر ۹ ستمبر کو خوشاب چلا گیا۔ مولنا ظہور احمد بگویؒ بھی اپنا وفد لے کر دس ستمبر کو ان کے تعاقب میں خوشاب پہنچ گئے۔ شرائط مناظرہ طے ہو گئیں۔ ہزار ہا مسلمان مناظرہ سننے کے لئے مقررہ جگہ پر پہنچ گئے مسلمان مناظرین مولنا ظہور احمد بگویؒ کی قیادت میں مناظرہ گاہ تشریف لے آئے مگر مرزائی مناظرین نہ آئے اور نقص امن کا بہانہ بنا کر راہ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں کی طرف سے ہر طرح کی ضمانت امن پیش کی گئی مگر مرزائی مناظرین نے منہ چھپانے میں ہی عافیت سمجھی۔

۴۔ معرکہ مجوکہ:

خوشاب سے شکست کھا کر قادیانی مبلغین نے مجوکہ کی طرف رخت سفر باندھا۔ مجوکہ تحصیل خوشاب میں قادیانیوں کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ مسلمان رات ایک بجے تک خوشاب میں جشن فتح مناتے رہے۔ اور رات ایک بجے جشن سے فارغ ہو کر عوام اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو اللہ کے شیر اپنے بھاگے ہوئے شکار کے تعاقب کو روانہ ہو گئے۔ وقت اتنا سنگین تھا کہ علمائے کرام نے رات بھی چین سے بسر نہ کی۔ اور رات ایک بجے ہی مولانا ظہور احمد بگویی کی قیادت میں مسلمان مناظرین بذریعہ کشتی مجوکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مورخہ ۱۵ اگست کو مرزائی مبلغین شرائط مناظرہ طے کرتے ہوئے ہی بھاگ گئے اور مسلمانوں نے جشن فتح منایا۔

۵۔ معرکہ سلانوالی

مجوکہ سے بھاگ کر قادیانی مبلغین نٹھوکا، ساہی وال سے ہوتے ہوئے سلانوالی پہنچے۔ مسلمان علمائے کرام نے حسب سابق مولانا ظہور احمد بگویی صاحب کی قیادت میں ان کا تعاقب جاری رکھا۔ اور ۱۸، ۱۹، ۲۰ ستمبر کو قادیانیوں کے ساتھ فیصلہ کن مناظرہ ہوا۔ مولانا ظہور احمد صاحب بگویی کی زیر سرپرستی مولانا ابوالقاسم محمد حسین صاحب کولوتار رڑوی و مولانا محمد شفیع صاحب خوشابی نے حیات مسیح اور ختم نبوت پر ایسے دلائل دیئے کہ مرزائی مناظر محمد سلیم، عبدالرحمن مہسوت ہو گئے اور فحش کلامی پر اتر آئے۔ پولیس نے مداخلت کر کے امن وامان قائم رکھا۔ اس طرح سلانوالی و گردنواح سے قادیانیت کی ترقی کی رفتار رک گئی۔

۶۔ معرکہ سرگودھا:

مسلمان علماء کرام قادیانی مبلغوں کا مسلسل پیچھا کرتے ہوئے مورخہ ۲۱ ستمبر کو سرگودھا پہنچے۔ قادیانی وفد اپنا ڈوراہ و دیگر سامان سرگودھا ریلوے پلیٹ فارم پر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ (صفحہ ۱۴۲)

۷۔ معرکہ چک نمبر ۳۷ جنوبی

مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۲ء کو قادیانی وفد سرگودھا سے بھاگ کر چک نمبر ۳۷ جنوبی چلا گیا اور اپنے

تبلیغی جلسہ کا اعلان کرادیا۔ ۲۶ ستمبر کو مسلمان علمائے کرام بھی اپنے شکار کے تعاقب میں پہنچ گئے۔ مورخہ ۲۷ ستمبر کو بعد نماز ظہر مولنا ابوالقاسم محمد حسین صاحب کا مناظرہ سلیم قادیانی کے ساتھ حیات مسیح علیہ السلام کے موضوع پر ہوا۔ جس میں مولنا ابوالقاسم صاحب کو شاندار فتح نصیب ہوئی۔ مورخہ ۲۸ ستمبر کو صبح نو بجے سے بارہ بجے تک مولنا احمد دین گلکھروٹی و مولوی نذیر احمد قادیانی کے مابین اجرائے نبوت پر مناظرہ ہوا جس میں مولنا احمد دین صاحب نے ایسے ٹھوس دلائل دیئے کہ مرزائی مناظر نے شکست تسلیم کر لی اور دوسرا مناظرہ بعنوان ”ختم نبوت“ کرنے سے معذوری ظاہر کر دی۔

بعد دوپہر تین بجے مولنا لال حسین اختر و سلیم قادیانی کے مابین دعاوی مرزا پر زبردست مناظرہ ہوا۔ مولنا لال حسین اختر نے قادیانی دعاوی پر ۳۶ اعتراضات کئے جن کا جواب مد مقابل نہ دے سکا۔ اس طرح اس مناظرہ میں بھی مسلمانوں کو عظیم الشان فتح نصیب ہوئی اور جشن فتح کے طور پر مولنا ظہور احمد بگوی کی زیر قیادت ایک عظیم الشان جلسہ کا اہتمام کیا گیا جس میں مولنا ظہور احمد بگوی کی یادگار قادیانیت شکن تقریر ہوئی۔

۸۔ معرکہ مڈھرا نچھا

مسلمان علمائے کرام سے پے در پے شکست کھانے کے بعد قادیانیوں نے ڈپٹی سپرینٹنڈینٹ کی خدمت میں درخواست دے دی کہ نقص امن کا اندیشہ ہے لہذا مولنا ظہور احمد بگوی کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا جائے۔ مولنا کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے۔ مسلمان عوام و خواص میں تشویش کی لہر پیدا ہو گئی اور مولنا کو مشورہ دیا گیا کہ آپ مڈھرا نچھا کا دورہ ملتوی کر دیں۔ مگر آپ نے تائید ربانی پر بھروسہ کرتے ہوئے پروگرام ملتوی کرنے سے انکار کر دیا۔ اور پروگرام کے مطابق آپ ۳۰ ستمبر کو بعد نماز ظہر سرگودھا سے روانہ ہو کر عصر کے وقت منزل مقصود مڈھرا نچھا پہنچ گئے۔ میرزائیوں نے سوچتے کئے کہ آپ کو گرفتار کروایا جائے مگر آپ اور دیگر علمائے اسلام نے شاندار جلسہ عام منعقد کر کے قادیانیت کا پوسٹ مارٹم کیا۔ قادیانیت کے چہرے پر اوس پڑ گئی اور مرزائی مناظرین کو مناظرہ کا نام لینے کی جرأت نہ ہوئی۔

۹۔ معرکہ کوٹ مومن:

مڈھ رانجھا سے مولانا محمد حسین کولوتارڑویؒ و مولانا محمد شفیع صاحب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے جبکہ مولانا ظہور احمد بگوییؒ مولانا عبدالرحمن صاحب کے ہمراہ کوٹ مومن چلے آئے کیونکہ آپ کو خبر ملی تھی کہ قادیانی کوٹ مومن میں اپنے باطل مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو کوٹ مومن کی جامع مسجد میں عظیم الشان جلسہ عام منعقد ہوا جس میں مولانا بگوییؒ اور مولانا عبدالرحمن صاحب میانویؒ نے ختم نبوت، حیات مسیح اور دعاوی مرزا پر مدلل تقاریر فرمائیں اور اھالیان کوٹ مومن پر مرزائی مذہب کی حقیقت کا اظہار ہو گیا۔

۱۰۔ معرکہ چک نمبر ۹ شمالی

مسلسل سوامہینہ کی غیر حاضری کے بعد اعلیٰ حضرت ظہور احمد بگویی صاحب جب بھیرہ تشریف فرما ہوئے تو آپ کے علم میں یہ بات آئی کہ مورخہ ۲۲ ستمبر کو قادیانی مبلغین نے چک نمبر ۹ شمالی میں تبلیغ کی تھی جس کے نتیجے میں چار اشخاص مرزائی مذہب قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔ یہ خبر سن کر آپ تڑپ اٹھے فوراً چک نمبر ۹ شمالی کی طرف رخت سفر باندھا۔ آپ آٹھ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو چک نمبر ۹ شمالی تشریف فرما ہوئے۔ دو روز تک متواتر آپ نے تقاریر فرمائیں۔ مرزائی مبلغ جو مستقل چک نمبر ۹ میں رہائش پذیر تھا بیماری کا بہانہ بنا کر گھر سے باہر نہ نکلا۔ آپ کی تقاریر سے اہلیان چک نمبر ۹ شمالی کے دل قادیانیت سے بیزار ہو گئے۔ جن چار اشخاص کے بارے میں خبر ملی تھی کہ وہ قادیانی ہو رہے ہیں وہ بھی تائب ہو کر مسلمان ہو گئے۔

آپ کی دن رات کی مساعیٰ جمیلہ سے شاہ پور و گردونواح سے مرزائیت کا مکمل طور پر استیصال ہو گیا، علمائے اسلام و مشاہیر امت نے آپ کی شبانہ روز کاوشوں کی دل کھول کر داد دی تعریفی خطوط تحریر فرمائے اور ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ نمونہ کے طور پر مولانا غلام محمد گھوٹویؒ شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور کا مکتوب گرامی ”برقی آسمانی برخرمن قادیانی“ کے صفحہ ۱۵۹ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ جو آپ نے ۳۰ ستمبر ۱۹۳۲ء کو مولانا بگوییؒ کی خدمت میں ارسال فرمایا تھا۔

مجاہد ختم نبوت مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۰۰ء-۱۹۷۰ء)

تحریک پاکستان و تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے عظیم رہنما مولانا عبدالحامد بدایونی ۱۹۰۰ء میں اپنے ننھیال کے ہاں دہلی میں پیدا ہوئے (تذکرہ اکابر اہلسنت جلد اول صفحہ ۲۰۲ از علامہ عبدالحکیم شرف قادری)۔ بالکل ایام طفلی میں تھے کہ والد صاحب داغ مفارقت دے گئے۔ عظیم والدہ نے بڑی محنت و جاں فشانی سے تربیت فرمائی۔ آپ علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے نہ صرف بدایوان بلکہ پورے ہندوستان میں آپ کے خاندان کی عزت و تکریم کی جاتی تھی۔ مسلک اہل سنت کی ترویج اور فرق باطلہ کی تردید میں اس خاندان کی مساعی جمیلہ ناقابل فراموش ہے آپ مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری کے لیے اپنے سینہ میں بڑی تڑپ رکھتے تھے اسی سلسلہ میں آپ نے تحریک خلافت، تحریک پاکستان اور تحریک فلسطین میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ شعلہ بار خطیب تھے۔ آپ کی شعلہ نوائی نے ہی مسلمانان برصغیر کو اپنے حقوق کے حصول کی جنگ لڑنے پر آمادہ کیا۔ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کے سلسلہ میں جو اجلاس ہوا تھا آپ نے اسمیں علماء و مشائخ اہل سنت کی نمائندگی کرتے ہوئے قرارداد کی حمایت میں تاریخی خطاب فرمایا:۔ قائد تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادریؒ کی وفات حسر آیات کے بعد آپ کو اتفاق رائے سے جمعۃ علمائے پاکستان کا مرکزی صدر منتخب کر لیا گیا اور آپ تاحیات اس عہدہ جلیلہ پر متمکن رہ کر ہر لحاظ سے اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے (اکابر تحریک پاکستان جلد اول صفحہ ۱۰۹ از محمد صادق قصوری)۔ ۲۰ جولائی ۱۹۷۰ء کو بوجہ فالج آپ اس دار فانی سے کوچ فرما گئے (تذکرہ علمائے اہل سنت جلد اول صفحہ ۲۰۸ از محمد عبدالحکیم شرف قادری)۔

آپ کی زندگی کا مشن مسلک اہل سنت کی ترویج اور فرق باطلہ کی تردید تھا۔ اس سلسلہ میں قادیانیت کو تو آپ نے ہر وقت آڑے ہاتھوں لیا۔ آپ مسلم لیگ کے عظیم راہنماؤں میں شمار ہوتے

۹۔ معرکہ کوٹ مومن:

مڈھرا، ننھا سے مولانا محمد حسین کولوتارڑویؒ و مولانا محمد شفیع صاحب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے جبکہ مولانا ظہور احمد بگوییؒ مولانا عبدالرحمن صاحب کے ہمراہ کوٹ مومن چلے آئے کیونکہ آپ کو خبر ملی تھی کہ قادیانی کوٹ مومن میں اپنے باطل مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ مورخہ ۱۱۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو کوٹ مومن کی جامع مسجد میں عظیم الشان جلسہ عام منعقد ہوا جس میں مولانا بگوییؒ اور مولانا عبدالرحمن صاحب میانوئیؒ نے ختم نبوت، حیات مسیح اور دعاوی مرزا پر مدلل تقاریر فرمائیں اور اہالیان کوٹ مومن پر مرزائی مذہب کی حقیقت کا اظہار ہو گیا۔

۱۰۔ معرکہ چک نمبر ۹ شمالی

مسلسل سوامہینہ کی غیر حاضری کے بعد اعلیٰ حضرت ظہور احمد بگوییؒ صاحب جب بھیرہ تشریف فرما ہوئے تو آپ کے علم میں یہ بات آئی کہ مورخہ ۲۲ ستمبر کو قادیانی مبلغین نے چک نمبر ۹ شمالی میں تبلیغ کی تھی جس کے نتیجہ میں چار اشخاص مرزائی مذہب قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔ یہ خبر سن کر آپ تڑپ اٹھے فوراً چک نمبر ۹ شمالی کی طرف رخت سفر باندھا۔ آپ آٹھ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو چک نمبر ۹ شمالی تشریف فرما ہوئے۔ دو روز تک متواتر آپ نے تقاریر فرمائیں۔ مرزائی مبلغ جو مستقل چک نمبر ۹ میں رہائش پذیر تھا بیماری کا بہانہ بنا کر گھر سے باہر نہ نکلا۔ آپ کی تقاریر سے اہلیان چک نمبر ۹ شمالی کے دل قادیانیت سے بیزار ہو گئے۔ جن چار اشخاص کے بارے میں خبر ملی تھی کہ وہ قادیانی ہو رہے ہیں وہ بھی تائب ہو کر مسلمان ہو گئے۔

آپ کی دن رات کی مساعیٰ جمیلہ سے شاہ پور و گردونواح سے مرزائیت کا مکمل طور پر استیصال ہو گیا، علمائے اسلام و مشاہیر امت نے آپ کی شبانہ روز کاوشوں کی دل کھول کر داد دی تعریفی خطوط تحریر فرمائے اور ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ نمونہ کے طور پر مولانا غلام محمد گھوٹویؒ شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور کا مکتوب گرامی ”برق آسمانی بر خرمین قادیانی“ کے صفحہ ۱۵۹ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ جو آپ نے ۳۰ ستمبر ۱۹۳۲ء کو مولانا بگوییؒ کی خدمت میں ارسال فرمایا تھا۔

مجاہد ختم نبوت مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۰۰ء-۱۹۷۰ء)

تحریک پاکستان و تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے عظیم رہنما مولانا عبدالحامد بدایونی ۱۹۰۰ء میں اپنے ننھیال کے ہاں دہلی میں پیدا ہوئے (تذکرہ اکابر اہلسنت جلد اول صفحہ ۲۰۲ از علامہ عبدالحکیم شرف قادری)۔ بالکل ایام طفلی میں تھے کہ والد صاحب داغ مفارقت دے گئے۔ عظیم والدہ نے بڑی محنت و جاں فشانی سے تربیت فرمائی۔ آپ علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے نہ صرف بدایوان بلکہ پورے ہندوستان میں آپ کے خاندان کی عزت و تکریم کی جاتی تھی۔ مسلک اہل سنت کی ترویج اور فرق باطلہ کی تردید میں اس خاندان کی مساعی جمیلہ ناقابل فراموش ہے آپ مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری کے لیے اپنے سینہ میں بڑی تڑپ رکھتے تھے اسی سلسلہ میں آپ نے تحریک خلافت، تحریک پاکستان اور تحریک فلسطین میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ شعلہ بار خطیب تھے۔ آپ کی شعلہ نوائی نے ہی مسلمانان برصغیر کو اپنے حقوق کے حصول کی جنگ لڑنے پر آمادہ کیا۔ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کے سلسلہ میں جو اجلاس ہوا تھا آپ نے انہیں علماء و مشائخ اہل سنت کی نمائندگی کرتے ہوئے قرارداد کی حمایت میں تاریخی خطاب فرمایا۔ قائد تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادریؒ کی وفات حسر آیات کے بعد آپ کو اتفاق رائے سے جمعۃ علمائے پاکستان کا مرکزی صدر منتخب کر لیا گیا اور آپ تاحیات اس عہدہ جلیلہ پر متمکن رہ کر ہر لحاظ سے اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے (اکابر تحریک پاکستان جلد اول صفحہ ۱۱۰۹ از محمد صادق قصوری)۔ ۲۰ جولائی ۱۹۷۰ء کو بوجہ فالج آپ اس دار فانی سے کوچ فرما گئے (تذکرہ علمائے اہل سنت جلد اول صفحہ ۲۰۸ از محمد عبدالحکیم شرف قادری)

آپ کی زندگی کا مشن مسلک اہل سنت کی ترویج اور فرق باطلہ کی تردید تھا۔ اس سلسلہ میں قادیانیت کو تو آپ نے ہر وقت آڑے ہاتھوں لیا۔ آپ مسلم لیگ کے عظیم راہنماؤں میں شمار ہوتے

تھے۔ مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۴۴ء میں آپ نے قرارداد منظور کرانا چاہی جس کی رو سے کوئی بھی قادیانی یا لاہوری وغیرہ مسلم لیگ کا ممبر نہ بن سکے مگر اس وقت کے سیاسی حالات میں آپ کامیاب نہ ہو سکے۔ (اکابر تحریک پاکستان جلد اول صفحہ ۱۱۰ از صادق قسوری روزنامہ انقلاب لاہور ۳ اگست ۱۹۴۴ء)

قیام پاکستان کے بعد جب مرزائیوں نے کل پرزے نکالنے شروع کئے تو دیگر اہل دل مسلمانوں کی طرح آپ بھی بے چین ہو گئے اور اس مکروہ فتنہ کے استحصال کے لئے ہر ممکن کوشش فرمائی۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلی تو اس میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا انتہائی علالت اور کمزوری کے باوجود آپ تحریک ختم نبوت میں حصہ لینے کی پاداش میں فروری ۵۳ء سے لے کر جنوری ۵۴ء تک کراچی اور سکھر کی جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ بارہا حکومت کی طرف سے پیش کش ہوئی کہ اگر آپ معافی نامہ تحریر فرمادیں تو رہائی مل سکتی ہے مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرا فرق نہ آیا۔

مولانا اللہ وسایا (دیوبندی) نے تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے سلسلہ میں آپ کی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے ”حضرت مولانا بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا سب سے بڑا مشن عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت تھا۔ چنانچہ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں آپ نے بڑا نمایاں حصہ لیا۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کی حمایت اور مرزائیت کی تردید کی پاداش میں حکومت نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ایک سال تک سکھر اور کراچی کی جیلوں میں نظر بند رہے۔ قید و بند کی سخت صعوبتوں کو بڑی جواں مردی سے برداشت کیا۔ آپ کی مدبرانہ فراست نے تحریک کو پورے ملک میں مقبول بنایا ۱۹۵۲ء میں جب پاکستان کا پہلا دستور تشکیل دیا جا رہا تھا تو خواجہ ناظم الدین وزیراعظم پاکستان کی خواہش پر مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری نے کراچی میں اس سے ملاقات کی۔ وزیراعظم نے دستور پر دستخط کرنے کو کہا تو آپ دونوں راہنماؤں نے بلا جھجک پر زور انداز میں ظفر اللہ خان قادیانی کی وزارت خارجہ سے علیحدگی کا مطالبہ کیا اس دوران وزیراعظم سے تلخی بھی ہو گئی مگر آپ دونوں حضرات اپنا مطالبہ تسلیم کرائے بغیر دستور پر دستخط کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔“

تسلیم کر لو یا پوری مسلم امت مسلمہ کی طرف سے راست اقدام کا سامنا کرنے لیے تیار ہو

جاؤ۔ (تحریک ختم نبوة ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۳۰ از مولانا اللہ وسایا صاحب)

قائد تحریک ختم نبوة مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادریؒ کی خواہش پر الٹی میٹم کے ختم ہونے سے چند روز قبل کراچی میں چند جلسہ ہائے عام ہونا ضروری سمجھے گئے چنانچہ ان جلسوں کے انعقاد کی ذمہ داری مولانا بدایونی پر ڈالی گئی جو آپ نے بطریق احسن نبھائی۔ الٹی میٹم کی میعاد ۲۲ فروری ۱۹۵۳ء کو ختم ہو رہی تھی ۲۱ فروری ۱۹۵۳ء کو مجلس عمل کے ایک وفد نے خواجہ ناظم الدین سے آخری ملاقات کی اس ملاقات میں خواجہ ناظم الدین اس بات پر راضی ہو گیا کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے متعلق غور کر سکتا ہے البتہ ظفر اللہ خان کو وزارت سے نکالنا انکے بس کاروگ نہیں اس پر مولانا عبدالحامد بدایونی کے سوا تقریباً تمام ارکان وفد رضامند ہو گئے آپ اس لیے اپنے مطالبے پر ڈٹ گئے کہ تمام خرابیوں کی جڑ تو ظفر اللہ خان قادیانی ہے۔ اگر وہ حکومت میں موجود رہا تو دیگر مطالبات ماننے یا نہ ماننے سے فرق نہیں پڑے گا۔

مولانا بدایونی کراچی کے رہائشی تھے اور جمعیت علمائے پاکستان سندھ کے صدر ہونے کے ناطے اہم مقام رکھتے تھے چنانچہ خواجہ ناظم الدین وزیراعظم پاکستان سے مجلس عمل کے وفد کی ملاقاتیں اکثر و بیشتر آپ ہی کے توسط سے ہوا کرتی تھیں۔

۲۳-۲۵-۲۶ فروری ۱۹۵۳ء کو آرام باغ کراچی میں مجلس تحفظ ختم نبوة کے زیر اہتمام جلسہ عام منعقد ہوا اس جلسہ عام میں بھی مولانا بدایونی نے حکومتی ایوانوں کو ہلا دیا۔ ۲۶ فروری ۱۹۵۳ء رات کو جب مجلس عمل کے زیر اہتمام منعقدہ تین روزہ کانفرنس ختم ہوئی تو حکومت نے غیر دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوری قیادت کو گرفتار کر لیا۔ ۲۶ اور ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کی درمیانی رات ان گرفتار شدگان میں مولانا عبدالحامد بدایونی بھی شامل تھے۔ ماسٹر تاج الدین انصاری جو کہ قیدی راہنماؤں میں شامل تھے انہوں نے برملا اعتراف کیا ہے کہ مولانا بدایونی کی وجہ سے کراچی سنٹرل جیل میں انکے ساتھ ساتھ باقی تمام راہنماؤں سے بھی اچھا سلوک کیا گیا (تذکرہ علمائے اہل سنت جلد اول صفحہ ۲۰۸ از علامہ عبدالحکیم شرف قادری)

تھے۔ مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ ۱۹۴۴ء میں آپ نے قرارداد منظور کرانا چاہی جس کی رو سے کوئی بھی قادیانی یا لاہوری وغیرہ مسلم لیگ کا ممبر نہ بن سکے مگر اس وقت کے سیاسی حالات میں آپ کامیاب نہ ہو سکے۔ (اکابر تحریک پاکستان جلد اول صفحہ ۱۱۰ از صادق قسوری روزنامہ انقلاب لاہور ۳ اگست

(۱۹۴۴ء)

قیام پاکستان کے بعد جب مرزائیوں نے کل پرزے نکالنے شروع کئے تو دیگر اہل دل مسلمانوں کی طرح آپ بھی بے چین ہو گئے اور اس مکروہ فتنہ کے استحصال کے لئے ہر ممکن کوشش فرمائی۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوة چلی تو اس میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا انتہائی علالت اور کمزوری کے باوجود آپ تحریک ختم نبوة میں حصہ لینے کی پاداش میں فروری ۵۳ء سے لے کر جنوری ۵۴ء تک کراچی اور سکھر کی جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ بارہا حکومت کی طرف سے پیش کش ہوئی کہ اگر آپ معافی نامہ تحریر فرمادیں تو رہائی مل سکتی ہے مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرا فرق نہ آیا۔

مولانا اللہ وسایا (دیوبندی) نے تحریک ختم نبوة ۱۹۵۳ء کے سلسلہ میں آپ کی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے ”حضرت مولانا بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا سب سے بڑا مشن عقیدہ ختم نبوة کی حفاظت تھا۔ چنانچہ تحریک ختم نبوة ۱۹۵۳ء میں آپ نے بڑا نمایاں حصہ لیا۔ تحریک تحفظ ختم نبوة کی حمایت اور مرزائیت کی تردید کی پاداش میں حکومت نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ایک سال تک سکھر اور کراچی کی جیلوں میں نظر بند رہے۔ قید و بند کی سخت صعوبتوں کو بڑی جواں مردی سے برداشت کیا۔ آپ کی مدبرانہ فراست نے تحریک کو پورے ملک میں مقبول بنایا ۱۹۵۲ء میں جب پاکستان کا پہلا دستور تشکیل دیا جا رہا تھا تو خواجہ ناظم الدین وزیراعظم پاکستان کی خواہش پر مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری نے کراچی میں اس سے ملاقات کی۔ وزیراعظم نے دستور پر دستخط کرنے کو کہا تو آپ دونوں راہنماؤں نے بلا جھجک پر زور انداز میں ظفر اللہ خان قادیانی کی وزارت خارجہ سے علیحدگی کا مطالبہ کیا اس دوران وزیراعظم سے تلخی بھی ہو گئی مگر آپ دونوں حضرات اپنا مطالبہ تسلیم کرائے بغیر دستور پر دستخط کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

تسلیم کر لو یا پوری مسلم امت مسلمہ کی طرف سے راست اقدام کا سامنا کرنے لیے تیار ہو

جاؤ۔ (تحریک ختم نبوة ۱۹۵۳ء صفحہ ۲۴۰ از مولانا اللہ وسایا صاحب)

قائد تحریک ختم نبوة مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادریؒ کی خواہش پر الٹی میٹم کے ختم ہونے سے چند روز قبل کراچی میں چند جلسہ ہائے عام ہونا ضروری سمجھے گئے چنانچہ ان جلسوں کے انعقاد کی ذمہ داری مولانا بدایونی پر ڈالی گئی جو آپ نے بطریق احسن نبھائی۔ الٹی میٹم کی میعاد ۲۲ فروری ۱۹۵۳ء کو ختم ہو چکی تھی ۲۱ فروری ۱۹۵۳ء کو مجلس عمل کے ایک وفد نے خواجہ ناظم الدین سے آخری ملاقات کی اس ملاقات میں خواجہ ناظم الدین اس بات پر راضی ہو گیا کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے متعلق غور کر سکتا ہے البتہ ظفر اللہ خان کو وزارت سے نکالنا انکے بس کاروگ نہیں اس پر مولانا عبدالحامد بدایونی کے سوا تقریباً تمام ارکان وفد رضامند ہو گئے آپ اس لیے اپنے مطالبے پر ڈٹ گئے کہ تمام خرابیوں کی جڑ تو ظفر اللہ خان قادیانی ہے۔ اگر وہ حکومت میں موجود رہا تو دیگر مطالبات ماننے یا نہ ماننے سے فرق نہیں پڑے گا۔

مولانا بدایونی کراچی کے رہائشی تھے اور جمعیت علمائے پاکستان سندھ کے صدر ہونے کے ناطے اہم مقام رکھتے تھے چنانچہ خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان سے مجلس عمل کے وفد کی ملاقاتیں اکثر و بیشتر آپ ہی کے توسط سے ہوا کرتی تھیں۔

۲۳-۲۵-۲۶ فروری ۱۹۵۳ء کو آرام باغ کراچی میں مجلس تحفظ ختم نبوة کے زیر اہتمام جلسہ عام منعقد ہوا اس جلسہ عام میں بھی مولانا بدایونی نے حکومتی ایوانوں کو ہلا دیا۔ ۲۶ فروری ۱۹۵۳ء رات کو جب مجلس عمل کے زیر اہتمام منعقدہ تین روزہ کانفرنس ختم ہوئی تو حکومت نے غیر دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوری قیادت کو گرفتار کر لیا۔ ۲۶ اور ۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کی درمیانی رات ان گرفتار شدگان میں مولانا عبدالحامد بدایونی بھی شامل تھے۔ ماسٹر تاج الدین انصاری جو کہ قیدی راہنماؤں میں شامل تھے انہوں نے برملا اعتراف کیا ہے کہ مولانا بدایونی کی وجہ سے کراچی سنٹرل جیل میں انکے ساتھ ساتھ باقی تمام راہنماؤں سے بھی اچھا سلوک کیا گیا (تذکرہ علمائے اہل سنت جلد اول صفحہ ۲۰۸ از علامہ عبدالحکیم شرف قادری)

مولانا عبدالستار انصاری چشتیؒ

(۱۹۳۵ء--۱۹۸۵ء)

مولانا حاجی عبدالستار انصاری رحمۃ اللہ علیہ (آپ کے بارے میں زیادہ تر معلومات پندرہ روزہ ”المصطفیٰ“ گوجرانوالا ۲۲ اکتوبر تا چھ نومبر ۱۹۸۵ء سے اخذ کی گئی ہیں) ۱۵ اگست ۱۹۳۵ء کو محلہ مہربان پورہ امرتسر (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ والد محترم کا نام میاں مہنگا تھا۔ قیام پاکستان کے وقت آپ بمعہ اکابرین خاندان امرتسر سے ہجرت کر کے حافظ آباد ضلع گوجرانوالا چلے آئے۔ تحریک پاکستان کے دوران آپ طالب علم تھے۔ پیر عبدالغفور ہزارویؒ کے حلقہ ارادت میں آپ اگست ۱۹۵۷ء کو داخل ہوئے۔ علاوہ ازیں سرمایہ اہل سنت مولانا بشیر احمد حافظ آبادی سے آپ کے نہایت قریبی و قلبی تعلقات تھے۔ یہ مولانا بشیر احمد حافظ آبادی اور مولانا پیر عبدالغفور ہزارویؒ کی نگاہ فیض اور تربیت کا شہرہ تھا کہ آپ کسی مدرسہ کے باقاعدہ فارغ التحصیل نہ ہونے کے باوجود ایک شیریں بیان اور نکتہ آفرین خطیب بن کر ابھرے۔ جامعہ مسجد چشتیہ قادریہ حافظ آباد کے تادم واپسین خطیب رہے۔ آپ بلا مبالغہ عاشق رسول ﷺ جید عالم دین، بے باک سماجی و سیاسی لیڈر اور انتھک کارکن تھے۔ ۱۹۷۷ء میں بھٹو حکومت کے خلاف بننے والے قومی اتحاد کے آپ حافظ آباد کے بلا مقابلہ صدر منتخب ہوئے۔ اپنے موقف کے اظہار اور بھٹو حکومت کے نامناسب اقدامات پر کھلے بندوں تنقید کی وجہ سے آپ بارہا جیل گئے آپ کو بے باکانہ اظہار خیال، منفرد انداز خطابت اور مسلک اہل سنت کی بھرپور ترجمانی کی بدولت ”لسان سنیت“ کا خطاب ۱۹۸۰ء میں عطا ہوا۔ مولانا بشیر احمد حافظ آبادی کی وفات کے بعد شہر حافظ آباد میں عید میلاد النبی کے جلسے جلوسوں کی قیادت و راہنمائی آپ کے حصہ میں آئی۔ آپ نے شہر بھر میں محافل میلاد کا وسیع تر سلسلہ شروع کرادیا۔ آپ شہر کی سماجی تنظیم ”جمعیت الانصار“ کے بھی صدر تھے۔ شہر کے سیاسی و سماجی امور میں آپ گرم جوشی سے حصہ لیتے تھے۔ ۱۵ اگست ۱۹۸۵ء کو اہل سنت کا آفتاب عالم تاب دل کا دورہ پڑھنے سے غروب ہو گیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ذیل میں آپ کی ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں کی

☆ صدر این جی اوسی سی ضلع شیخوپورہ

☆ صدر انجمن تحفظ حقوق شہریاں نکانہ صاحب (انجمن کے منشور میں آپ کی کوششوں سے یہ بات شامل کی گئی ہے کہ نکانہ صاحب کا ہر شہری بلا امتیاز مذہب و نسل انجمن کا ممبر و عہدہ دار بن سکتا ہے لیکن قادیانی و لاہوری مرزائی نہ انجمن ہذا کے رکن بن سکتے ہیں نہ عہدہ دار۔ کیونکہ بقول ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ "قادیانی ملک و ملت اور مذہب کے غدار ہیں۔ جب یہ ملک کے غدار ہیں تو انہیں کس طرح ہم شہری حقوق دے سکتے ہیں چنانچہ آپ کی کوششوں سے قادیانیوں کا انجمن تحفظ حقوق شہریاں سے ہر طرح کا رابطہ ختم کر دیا گیا ہے۔"

☆ سابق چیرمین زکوٰۃ و عشر کمیٹی تحصیل نکانہ صاحب (۱۰ سال تک چیرمین رہے)

☆ سابق سیکرٹری جنرل تحریک تکمیل پاکستان

☆ ناظم اعلیٰ عالمی دعوت اسلامی پاکستان

☆ سیکرٹری جنرل آف پاکستان بھٹہ مالکان ایسوسی ایشن

☆ صدر آل پاکستان رحمانی برادری ایسوسی ایشن

☆ جنرل سیکرٹری حرکۃ الانصار پاکستان

☆ ممبر سوشل ویلفیئر کونسل لاہور ڈویژن لاہور

☆ ممبر ڈویژنل امن کمیٹی لاہور

☆ ممبر اتحاد بین المسلمین کونسل پنجاب

☆ ممبر انسداد جرائم کمیٹی ضلع شیخوپورہ

☆ ممبر امن کمیٹی ضلع شیخوپورہ

☆ ممبر انسداد منشیات کمیٹی ضلع شیخوپورہ

آپ فرماتے ہیں کہ اگرچہ بچپن سے ہی ذہن مذہبی و سماجی امور کی انجام دہی کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا لیکن ایک واقعہ نے میری اندرونی کاپلٹ دی اور مجھے آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کے سلسلہ میں کام کرنے کی طرف مائل کر دیا۔ واقعہ بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

مولانا عبدالستار انصاری چشتیؒ

(۱۹۳۵ء--۱۹۸۵ء)

مولانا حاجی عبدالستار انصاری رحمۃ اللہ علیہ (آپ کے بارے میں زیادہ تر معلومات پندرہ روزہ ”المصطفیٰ“ گوجرانوالا ۲۲ اکتوبر تا چھ نومبر ۱۹۸۵ء سے اخذ کی گئی ہیں) ۱۵ اگست ۱۹۳۵ء کو محلہ مہربان پورہ امرتسر (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ والد محترم کا نام میاں مہنگا تھا۔ قیام پاکستان کے وقت آپ بمعہ اکابرین خاندان امرتسر سے ہجرت کر کے حافظ آباد ضلع گوجرانوالا چلے آئے۔ تحریک پاکستان کے دوران آپ طالب علم تھے۔ پیر عبدالغفور ہزارویؒ کے حلقہ ارادت میں آپ اگست ۱۹۵۷ء کو داخل ہوئے۔ علاوہ ازیں سرمایہ اہل سنت مولانا بشیر احمد حافظ آبادی سے آپ کے نہایت قریبی و قلبی تعلقات تھے۔ یہ مولانا بشیر احمد حافظ آبادی اور مولانا پیر عبدالغفور ہزارویؒ کی نگاہ فیض اور تربیت کا ثمرہ تھا کہ آپ کسی مدرسہ کے باقاعدہ فارغ التحصیل نہ ہونے کے باوجود ایک شیریں بیان اور نکتہ آفرین خطیب بن کر ابھرے۔ جامعہ مسجد چشتیہ قادر یہ حافظ آباد کے تادم واپسین خطیب رہے۔ آپ بلا مبالغہ عاشق رسول ﷺ جید عالم دین، بے باک سماجی و سیاسی لیڈر اور انتھک کارکن تھے۔ ۱۹۷۷ء میں بھٹو حکومت کے خلاف بننے والے قومی اتحاد کے آپ حافظ آباد کے بلا مقابلہ صدر منتخب ہوئے۔ اپنے موقف کے اظہار اور بھٹو حکومت کے نامناسب اقدامات پر کھلے بندوں تنقید کی وجہ سے آپ بارہا جیل گئے آپ کو بے باکانہ اظہار خیال، منفرد انداز خطابت اور مسلک اہل سنت کی بھرپور ترجمانی کی بدولت ”لسان سلیمت“ کا خطاب ۱۹۸۰ء میں عطا ہوا۔ مولانا بشیر احمد حافظ آبادی کی وفات کے بعد شہر حافظ آباد میں عید میلاد النبی کے جلسے جلوسوں کی قیادت و راہنمائی آپ کے حصہ میں آئی۔ آپ نے شہر بھر میں محافل میلاد کا وسیع تر سلسلہ شروع کرادیا۔ آپ شہر کی سماجی تنظیم ”جمعیت الانصار“ کے بھی صدر تھے۔ شہر کے سیاسی و سماجی امور میں آپ گرم جوشی سے حصہ لیتے تھے۔ ۱۵ اگست ۱۹۸۵ء کو اہل سنت کا آفتاب عالم تاب دل کا دورہ پڑھنے سے غروب ہو گیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ذیل میں آپ کی ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں کی

☆ صدر این جی اوسی سی ضلع شیخوپورہ

☆ صدر انجمن تحفظ حقوق شہریاں نکانہ صاحب (انجمن کے منشور میں آپ کی کوششوں سے یہ بات شامل کی گئی ہے کہ نکانہ صاحب کا ہر شہری بلا امتیاز مذہب و نسل انجمن کا ممبر و عہدہ دار بن سکتا ہے لیکن قادیانی و لاہوری مرزائی نہ انجمن ہذا کے رکن بن سکتے ہیں نہ عہدہ دار۔ کیونکہ بقول ڈاکٹر علامہ محمد اقبال "قادیانی ملک و ملت اور مذہب کے غدار ہیں۔ جب یہ ملک کے غدار ہیں تو انہیں کس طرح ہم شہری حقوق دے سکتے ہیں چنانچہ آپ کی کوششوں سے قادیانیوں کا انجمن تحفظ حقوق شہریاں سے ہر طرح کا رابطہ ختم کر دیا گیا ہے۔)

☆ سابق چیرمین زکوٰۃ و عشر کمیٹی تحصیل نکانہ صاحب (۱۰ سال تک چیرمین رہے)

☆ سابق سیکرٹری جنرل تحریک تکمیل پاکستان

☆ ناظم اعلیٰ عالمی دعوت اسلامی پاکستان

☆ سیکرٹری جنرل آف پاکستان بھٹہ مالکان ایسوسی ایشن

☆ صدر آل پاکستان رحمانی برادری ایسوسی ایشن

☆ جنرل سیکرٹری حرکت الانصار پاکستان

☆ ممبر سوشل ویلفئر کونسل لاہور ڈویژن لاہور

☆ ممبر ڈویژنل امن کمیٹی لاہور

☆ ممبر اتحاد بین المسلمین کونسل پنجاب

☆ ممبر انسداد جرائم کمیٹی ضلع شیخوپورہ

☆ ممبر امن کمیٹی ضلع شیخوپورہ

☆ ممبر انسداد منشیات کمیٹی ضلع شیخوپورہ

آپ فرماتے ہیں کہ اگرچہ بچپن سے ہی ذہن مذہبی و سماجی امور کی انجام دہی کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا لیکن ایک واقعہ نے میری اندرونی کایا پلٹ دی اور مجھے آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کے سلسلہ میں کام کرنے کی طرف مائل کر دیا۔ واقعہ بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

”۸۲-۱۹۸۱ء میں میں اپنی بالکل نئی گاڑی پر لاہور سے نکانہ صاحب آ رہا تھا۔ نکانہ صاحب کے قریب پہنچ کر اچانک گاڑی بے قابو ہوئی اور درخت سے جا ٹکرائی۔ گاڑی مکمل طور پر تباہ ہو گئی لیکن مجھے اللہ کے فضل سے کوئی قابل ذکر چوٹ نہ آئی۔ چند ہی دن بعد مجلس تحفظ ختم نبوت نکانہ صاحب کے صدر جناب متین خالد صاحب سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھے مجلس تحفظ ختم نبوت کی سرپرستی فرمانے کی گزارش کی۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید اللہ تعالیٰ مجھ سے کوئی اہم کام لینا چاہتے ہیں اس وجہ سے مجھے حادثہ سے محفوظ و مامون رکھا گیا ہے۔ بلا جھجک ہاں کر دی بلکہ ان کا شکریہ ادا کیا کہ مجھے اس اہم ترین سعادت سے نوازا۔ تب سے اب تک میں نے خود کو عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت کے تعاقب کے لئے مالی و جسمانی ہر طرح سے وقف کر چھوڑا ہے۔“

آپ سے راقم الحروف کی شناسائی بھی مجلس تحفظ ختم نبوت سے تعلق واسطہ کی وجہ سے ہی ہوئی۔ نکانہ صاحب کا ہر فرد بشر اس بات کا گواہ ہے کہ فتنہ قادیانیت کے تعاقب و خاتمہ کے لئے آپ کی کوششیں آپ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

اگرچہ آپ بنیادی طور پر بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں لیکن عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نکانہ صاحب کے پلیٹ فارم پر آپ بلا تمیز مسلک دیوبندی، وہابی وغیرہ سے مل جل کر کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کی سرپرستی میں مجلس تحفظ ختم نبوت نکانہ صاحب نے اتنے کارہارے نمایاں سرانجام دیئے ہیں کہ قادیانی ٹولہ کا موجودہ سربراہ مرزا طاہر لندن میں بیٹھا بھی اکثر آپ کا نام لے کر آپ کو کوستا ہے اور اپنی جماعت کو مجلس تحفظ ختم نبوت نکانہ صاحب برانچ سے آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کے مشورے دیتا ہے۔ جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ نے قادیانیت کو قابل ذکر نقصان پہنچایا ہے۔ آپ کے کارہائے نمایاں کا مکمل احاطہ کرنے کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے لیکن چند اہم واقعات تحریر کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

۱:- آپ کی سرپرستی و رہنمائی سے قبل عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نکانہ صاحب کوئی قابل ذکر تنظیم نہ تھی لیکن آپ کی راہنمائی، سرپرستی، امارت و مالی تعاون کی وجہ سے آج عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نکانہ صاحب دنیا بھر میں متعارف ہو چکی ہے۔ قادیانیوں کی آنکھوں میں کانٹا بن کر چبھ رہی ہے

۱۵:- تحریک ختم نبوت ۱۹۸۴ء میں آپ نے شہر نکانہ صاحب کی سربراہی فرمائی۔

۱۶:- نکانہ صاحب کے قرب و جوار کے دیہات و قصبات کے قادیانی ”حاجی عبدالحمید رحمانی“ نام سے اس طرح کانپتے ہیں جس طرح چورسپاہی کے نام سے بھاگتا ہے۔

۱۷:- آپ نے بارہا قادیانیوں کو دعوت اسلام دی ہے۔

۱۸:- آپ اپنے متعلقین کو رزق حلال کے حصول پر کاربند رہنے کی خصوصی ہدایات فرماتے رہتے ہیں۔

۱۹:- عرصہ دراز سے آپ کے دولت کدہ پر ہر پیر کے دن محفل ذکوئعت منعقد ہوتی ہے جس میں شرکت کرنے والوں کو ختم نبوت و قادیانیت پر خصوصی لیکچر دیا جاتا ہے۔

۲۰:- آپ فرماتے ہیں کہ یہ صرف ختم نبوت کے لئے کام کرنے کی برکت ہے کہ شہر بھر کی انتظامیہ و اعلیٰ عہدہ دار نہایت درجہ عزت و احترام کرتے ہیں اور ہر نیک مقصد میں مقدور بھر تعاون پیش کرتے ہیں۔

۲۱:- آپ فرماتے ہیں کہ ختم نبوت کے لئے کام کرنے کی وجہ سے مجھے سکون قلب نصیب ہوا ہے ایمان کی پختگی اعلیٰ درجہ پر پہنچ چکی ہے۔ جہاد پر غیر متزلزل ایمان قائم ہو چکا ہے اور موت کا خوف بالکل ختم ہو چکا ہے۔

۲۲:- آپ نے مزید فرمایا کہ ختم نبوت کا کام کرنے کی برکت سے دو دفعہ عملی جہاد میں شرکت کی غرض سے افغانستان جانے کا اتفاق بھی ہو چکا ہے۔

۲۳:- آپ نے فرمایا کہ فتنہ قادیانیت کا خاتمہ قادیانی نوازوں کے خاتمہ سے ممکن ہے۔ جب ہم قادیانی نواز افراد ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھو ہم اپنے مقصد (قادیانیت کا خاتمہ) میں کامیاب ہو گئے۔

۲۴:- آپ فرماتے ہیں قادیانیت، نصرانیت، یہودیت، ہنودیت سب اسلام کے خلاف متحدہ محاذ بنائے ہوئے ہیں۔ ہمیں اپنے تمام تر مسلکی گروہی اختلافات ختم کر کے متحد ہو جانا چاہیے اور متحد ہو کر اس ”سائنجے چور“ کو پکڑ کر کیفر کردار تک پہنچا دینا چاہئے۔ اپنے گویلو اختلافات بعد میں ختم کرتے رہیں گے۔ اگر ہم خدا نخواستہ متحد نہ ہو سکے تو ہم رہیں گے نہ ہمارا نام و نشان۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر سلامت باکرامت رکھے۔ آمین

”۸۲-۱۹۸۱ء میں میں اپنی بالکل نئی گاڑی پر لاہور سے نکانہ صاحب آرہا تھا۔ نکانہ صاحب کے قریب پہنچ کر اچانک گاڑی بے قابو ہوئی اور درخت سے جا ٹکرائی۔ گاڑی مکمل طور پر تباہ ہو گئی لیکن مجھے اللہ کے فضل سے کوئی قابل ذکر چوٹ نہ آئی۔ چند ہی دن بعد مجلس تحفظ ختم نبوت نکانہ صاحب کے صدر جناب متین خالد صاحب سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھے مجلس تحفظ ختم نبوت کی سرپرستی فرمانے کی گزارش کی۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید اللہ تعالیٰ مجھ سے کوئی اہم کام لینا چاہتے ہیں اس وجہ سے مجھے حادثہ سے محفوظ و مامون رکھا گیا ہے۔ بلا جھجک ہاں کر دی بلکہ ان کا شکریہ ادا کیا کہ مجھے اس اہم ترین سعادت سے نوازا۔ تب سے اب تک میں نے خود کو عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت کے تعاقب کے لئے مالی و جسمانی ہر طرح سے وقف کر چھوڑا ہے۔“

آپ سے راقم الحروف کی شناسائی بھی مجلس تحفظ ختم نبوت سے تعلق واسطہ کی وجہ سے ہی ہوئی۔ نکانہ صاحب کا ہر فرد بشر اس بات کا گواہ ہے کہ فتنہ قادیانیت کے تعاقب و خاتمہ کے لئے آپ کی کوششیں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

اگرچہ آپ بنیادی طور پر بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں لیکن عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نکانہ صاحب کے پلیٹ فارم پر آپ بلا تميز مسلک دیوبندی و صابئی وغیرہ سے مل جل کر کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کی سرپرستی میں مجلس تحفظ ختم نبوت نکانہ صاحب نے اتنے کارہارے نمایاں سرانجام دیئے ہیں کہ قادیانی ٹولہ کا موجودہ سربراہ مرزا طاہر لندن میں بیٹھا بھی اکثر آپ کا نام لے کر آپ کو کوستا ہے اور اپنی جماعت کو مجلس تحفظ ختم نبوت نکانہ صاحب برانچ سے آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کے مشورے دیتا ہے۔ جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ نے قادیانیت کو قابل ذکر نقصان پہنچایا ہے۔ آپ کے کارہائے نمایاں کا مکمل احاطہ کرنے کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے لیکن چند اہم واقعات تحریر کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

۱۔ آپ کی سرپرستی و رہنمائی سے قبل عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نکانہ صاحب کوئی قابل ذکر تنظیم نہ تھی لیکن آپ کی راہنمائی، سرپرستی، امارت و مالی تعاون کی وجہ سے آج عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نکانہ صاحب دنیا بھر میں متعارف ہو چکی ہے۔ قادیانیوں کی آنکھوں میں کانٹا بن کر چبھ رہی ہے

۱۵:- تحریک ختم نبوت ۱۹۸۲ء میں آپ نے شہر نکانہ صاحب کی سربراہی فرمائی۔

۱۶:- نکانہ صاحب کے قرب و جوار کے دیہات و قصبات کے قادیانی ”حاجی عبدالحمید رحمانی“ نام سے اس طرح کانپتے ہیں جس طرح چور سپاہی کے نام سے بھاگتا ہے۔

۱۷:- آپ نے بارہا قادیانیوں کو دعوت اسلام دی ہے۔

۱۸:- آپ اپنے متعلقین کو رزق حلال کے حصول پر کار بند رہنے کی خصوصی ہدایات فرماتے رہتے ہیں۔

۱۹:- عرصہ دراز سے آپ کے دولت کدہ پر ہر پیر کے دن محفل ذکونعت منعقد ہوتی ہے جس میں شرکت کرنے والوں کو ختم نبوت و رد قادیانیت پر خصوصی لیکچر دیا جاتا ہے۔

۲۰:- آپ فرماتے ہیں کہ یہ صرف ختم نبوت کے لئے کام کرنے کی برکت ہے کہ شہر بھر کی انتظامیہ و اعلیٰ عہدہ دار نہایت درجہ عزت و احترام کرتے ہیں اور ہر نیک مقصد میں مقدور بھر تعاون پیش کرتے ہیں۔

۲۱:- آپ فرماتے ہیں کہ ختم نبوت کے لئے کام کرنے کی وجہ سے مجھے سکون قلب نصیب ہوا ہے ایمان کی پختگی اعلیٰ درجہ پر پہنچ چکی ہے۔ جہاد پر غیر متزلزل ایمان قائم ہو چکا ہے اور موت کا خوف بالکل ختم ہو چکا ہے۔

۲۲:- آپ نے مزید فرمایا کہ ختم نبوت کا کام کرنے کی برکت سے دو دفعہ عملی جہاد میں شرکت کی غرض سے افغانستان جانے کا اتفاق بھی ہو چکا ہے۔

۲۳:- آپ نے فرمایا کہ فتنہ قادیانیت کا خاتمہ قادیانی نوازوں کے خاتمہ سے ممکن ہے۔ جب ہم قادیانی نواز افراد ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھو ہم اپنے مقصد (قادیانیت کا خاتمہ) میں کامیاب ہو گئے۔

۲۴:- آپ فرماتے ہیں قادیانیت، نصرانیت، یہودیت، ہنودیت سب اسلام کے خلاف متحدہ محاذ بنائے ہوئے ہیں۔ ہمیں اپنے تمام تر مسلکی گروہی اختلافات ختم کر کے متحد ہو جانا چاہیے اور متحد ہو کر اس ”سائنجے چور“ کو پکڑ کر کیفر کردار تک پہنچا دینا چاہئے۔ اپنے گھوٹیلو اختلافات بعد میں ختم کرتے رہیں گے۔ اگر ہم خدا نخواستہ متحد نہ ہو سکے تو ہم رہیں گے نہ ہمارا نام و نشان۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر سلامت باکرامت رکھے۔ آمین

مجاہد ملت مردِ غازی مولانا عبدالستار خان نیازی

(پ: ۱۹۱۵ء)

مردِ مومن زندہ و باخود جنگ

برخود افتد ہچو برآہو پلنگ

مجاہد ملت ضیغم اسلام بطلِ حریت مردِ غازی مولانا عبدالستار خان نیازی یکم اکتوبر ۱۹۱۵ء کو اٹک
پنیاہ تحصیل عیسیٰ خیل ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی ذوالفقار خان تھا۔ ۱۹۳۳ء میں
میٹرک پاس کر نیچے بعد لاہور میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے قائم کردہ مدرسہ اشاعت اسلام کالج میں داخلہ
لیا۔ ۲ سالہ نصاب کی تکمیل کے بعد حکیم الامتؒ سے سند فراغت حاصل کی حکیم الامت خود تو ۱۹۳۸ء میں
چلے گئے لیکن ایک مثالی مرد مومن مجاہد ملت کی صورت میں عطا کر گئے۔

مردِ محکم ز ورد لا تخف

ما بیمیداں سر بجیب او سر بکف

کار ما وابستہ تخمین و ظن

او ہمہ کردار و کم گوئید سخن

مرد سپاہی ہے وہ اس کی ذرہ لا الہ

سایہ شمشیر میں اسکی پنہ لا الہ

عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ

حلقہ آفاق میں گرمی محفل ہے وہ

جہاں دے اندر عشق دی رتی اوہ رہندے سدا کر لاندے ہو

جہاں شوق ماہی دا ہو یا اوہ خوشیاں نت مناندے ہو

عشق جہاں دے ہڈی رچیا اوہ پھر دے چپ چپاتے ہو

لوں لوں دے دچ لکھ زباناں اوہ کردے گوگی باتے ہو

آپ زمانہ طالب علمی سے ہی بڑی گرم جوش اور عملی سیاست میں زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ کو قائد اعظم کے قابل اعتماد ساتھی ہونیکا فخر و اعزاز حاصل ہے۔ قیام پاکستان کے بعد انتہائی اہم اور معزز عہدوں پر فائز رہ کر ملکی و ملی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ جناب محمد نواز شریف کی پہلی وزارت عظمیٰ کے دوران آپ مذہبی امور کے وفاقی وزیر بھی رہے ہیں۔

۱۹۵۲ء میں جب بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے رپورٹ (B.p.C. Report) پیش کی اور صدر مملکت کے مسلمان قرار دیئے جانے کے باوجود مسلمان کی تعریف نہ کی تو مولانا نیازی نے ایک جامع مسودہ آئین خلافت پاکستان پیش کیا جو اس وقت کے تمام اہم اخبارات میں شائع بھی ہوا۔ دراصل مولانا کی عملی زندگی میں یہی وہ انقلابی کارنامہ ہے جو آپ کو دوسرے علماء و قائدین سے ممتاز و مہینر کرتا ہے۔ اس مسودہ آئین میں آپ نے مسلم قومیت کی بنیاد عقیدہ ختم نبوت پر رکھی اور غیر مسلموں کے لئے ذیلی ایوان تجویز کیا۔ دوسرے لفظوں میں آپ کا مسودہ قانون بی پی سی رپورٹ پر زبردست تنقید تھی اور یہی تنقید بالآخر تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی بنیاد بنی جس میں مولانا عبدالستار خان نیازی نے مرکزی کردار ادا کیا۔ مارشل لاء حکومت کی طرف سے آپ کے لئے موت کا اعلان ہوا، ازاں بعد سزا ختم کر دی گئی اور آپ مردِ غازی کا لقب پا کر رہا ہو گئے۔

آپ مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت و نزاکت پر نہایت مؤثر انداز میں اظہار خیال فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”ہر محبت اسلام کا یہ فرض ہے کہ ختم نبوت کے مسئلہ کو دوسرے تمام مسائل پر ترجیح دے۔ اگر ہم ناموس ختم نبوت کو محفوظ رکھنے کے ذریعے اپنی بقا کا اہتمام کر لیتے ہیں تو توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قرآن، شریعت کسی اصول دین کو ضعف نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن خدا نخواستہ مستشرقین یا منافقین اس تعریف کو ہماری لوح قلب سے ذرا بھی اوجھل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں (کہ اسلام

محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو کچھ نازل ہوا اس کی غیر مشروط اتباع کا نام ہے (تو پھر نہ ناموس صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہمارا ایمان برقرار رکھنے میں مدد دے سکتا ہے، ناولائے اہل بیت ہماری نجات کے لئے کافی ہو سکتی ہے، نہ ہی قرآن کے اوراق میں ہمارے لئے ہدایت باقی رہ جاتی ہے اور نہ ہی اولیاء کرام اور مشائخ عظام کی نسبتیں جاری رہ جاتی ہیں، نہ ہی علماء کرام کی تدریس و وعظ میں اثر باقی رہ جاتا ہے۔

نہیں نہیں صرف یہی نہیں خاتم بدہن امت محمدیہ ﷺ ملل میں تقسیم ہو جاتی ہے، ملتیں حکومتوں میں بٹ جاتی ہیں اور حکومتیں گروہوں کی سازشوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ فقط اتنا ہی نہیں، خاندان ملت سے خارج ہو جاتے ہیں خود خاندان کے اندر صلہ رحمی قطع رحمی سے مبدل ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اگر خاتم النبیین ﷺ ایک نہیں تو پھر شریعت ایک نہیں۔ جب شریعت ایک نہیں تو حلال و حرام کی تمیز نہیں اور جب حلال و حرام کی تمیز نہیں تو باپ، بیٹے، ماں، بہن، خاوند، بیوی، غرض دنیا کے سب رشتے اپنی تقدیس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ختم نبوت کا انکار آسمان پر فرشتوں کا انکار ہے، زمین پر قبلہ اور حج کا انکار ہے۔ سیاست میں مسلمانوں کے غلبے اور جداگانہ وجود کا انکار ہے۔ غرض ختم نبوت کے انکار سے مسلمانوں کے مسلمان ہونے کا انکار ہے۔ یہاں پہنچ کر زبان گنگ ہو جاتی ہے، قلم ٹوٹ جاتا ہے اور الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے۔“

آپ کی ردِ مرزاہیت کے بارے میں اہم خدمات کا مختصر اذکر کیا جاتا ہے:۔ ردِ مرزاہیت کے سلسلہ میں آپ کی خدمات کو تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے تناظر میں لکھنے کے لئے تحریک ۵۳ء پر اجمالی نظر ڈالنا بہت مفید رہے گا۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کا مختصر پس منظر:

۱۷-۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو جہانگیر پارک کراچی میں قادیनों نے ایک جلسہ عام منعقد کیا۔ اس جلسہ عام میں پاکستان کے قادیانی وزیر خارجہ ظفر اللہ خان نے ”زندہ اسلام اور مردہ اسلام“ کے عنوان سے تقریر کرتے ہوئے اسلام کو مردہ اور قادیانیت کو زندہ اسلام کہہ ڈالا۔ مسلمان عوام مشتعل

ہو گئے۔ پولیس نے عوام پر لاشمی چارج کیا مگر عوام پولیس کا ظلم و تشدد برداشت کر کے بھی جلسہ کو درہم برہم کرنے اور بالاخر ختم کروانے میں کامیاب ہوئے۔

اس قادیانی جلسہ کی صدائے بازگشت کے طور پر ۳ جون ۱۹۵۲ء کو تھیوسوفیکل ہال کراچی میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں پہلی مرتبہ مندرجہ ذیل تین مطالبات متعین کئے گئے اور طے پایا کہ ان مطالبات کی منظوری کا طریقہ کار طے کرنے کے لئے ایک آل مسلم پارٹیز کنونشن بلا یا جائے۔ مطالبات یہ تھے:

۱۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ پاکستان کے غیر مسلم قادیانی وزیر خارجہ ظفر اللہ خان سے وزارت واپس لی جائے۔

۳۔ تمام کلیدی آسامیوں سے قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔

آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن بورڈ کی تجویز پر مولانا احتشام الحق تھانوی نے ۱۶-۱۷-۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن طلب کر لیا۔ کنونشن میں مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے ڈیڑھ پونے دو سو کے قریب علمائے کرام اور اہنمائے عظام نے شرکت فرمائی۔ اس کنونشن کے دوسرے اجلاس منعقدہ ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں اور حکومت کے رویہ سے متعلق آٹھ قراردادیں پاس ہوئی۔ مولانا عبدالحامد بدایونی کی سربراہی میں پانچ علمائے کرام پر مشتمل ایک وفد بھی تیار کیا گیا جو اپنے مطالبات کی منظوری کے لئے آخری بار خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان سے ملاقات کرے۔ وفد کی سربراہی مولانا عبدالحامد بدایونی نے فرمائی۔ اس وفد نے خواجہ ناظم الدین صاحب سے ۲۲ جنوری ۱۹۵۳ء کو ملاقات فرمائی اور ان کو اپنی پرانی ملاقاتوں کے حوالہ سے یاد کرایا کہ ہم لوگ کب سے آپ کے دولت کدہ کے چکر لگا رہے ہیں اور آپ ہمیں ہر بار حسین و دلفریب وعدوں پر ٹر خا رہے ہیں۔ اب ہمارے مطالبات منظور کر لو ورنہ ایک ماہ بعد ہم آپ کے خلاف احتجاجاً راست اقدام کرنے پر مجبور ہونگے۔ لیکن خواجہ صاحب نے مطالبات ماننے سے صاف انکار کر دیا اور وہی پرانا بہانہ دہرایا کہ اگر ظفر اللہ خان کو ناراض کیا گیا تو امریکہ ناراض ہو کر ہماری پشت پناہی چھوڑ دے گا اور ہم کشمیر کے محاذ پر اکیلے رہ جائیں گے۔ راہنمایان مجلس عمل اور عوام دونوں کو معلوم تھا کہ ایک ماہ کا الٹی میٹم گزر جائے گا مگر

وزیر اعظم صاحب مطالبات تسلیم نہ کریں گے چنانچہ ہر دو گروہوں نے حکومت کے خلاف زبردست احتجاج کی تیاریاں شروع کر دیں۔

۲۳-۲۵-۲۶ فروری ۱۹۵۳ء کو آرام باغ کراچی میں مجلس عمل کی طرف سے جلسہ عام کا انعقاد ہوا۔ جلسہ تین راتوں جاری رہا اور ہر وقت حکومت کی طرف سے صلح صفائی یا مطالبات مانے جانے کا انتظار کیا جاتا رہا مگر حکومت کا ارادہ کچھ اور ہی تھا۔ چنانچہ ۲۶ فروری کی رات (۲۶ اور ۲۷ فروری کی درمیانی رات) کو قائدین مجلس عمل جلسہ ختم ہونے کے بعد دفتر ختم نبوت میں آ کر سونے کی تیاری فرما رہے تھے کہ پولیس نے گرفتار کر لیا۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کا باقاعدہ آغاز۔

۲۷-۲۶ فروری ۱۹۵۳ء کی درمیانی رات جب حکومت نے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی قیادت کو گرفتار کر لیا تو عوام بھر گئے اور گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کراچی میں تو گرفتاریاں ہونا ہی تھیں۔ زندہ دلان لاہور انتہائی زیادہ مشتعل ہو گئے ہزاروں کی تعداد میں رضا کار ایک ہی دن میں گرفتاری پیش کرنے کے لئے حاضر ہو گئے۔ حکومت کا خیال تھا کہ جب اعلیٰ قیادت گرفتار کر لی گئی تو عوام خود بخود خاموش ہو جائیں گے۔ مگر یہ حکومت کی خام خیالی تھی۔ قائدین تحریک نے عوام کو اتنا متاثر کر رکھا تھا کہ ان کے گرفتار ہوتے ہی عوام سڑکوں پر نکل آئے اور اپنے مطالبات کے حق میں گرفتاریاں پیش کرنے لگے۔ مجلس عمل کا پروگرام تھا کہ صوبائی حکومت سے ٹکر نہ لی جائے بلکہ معاملہ مرکزی حکومت کا ہے لہذا مرکزی حکومت سے احتجاج کرنے کے لئے تمام رضا کار قافلوں کی شکل میں کراچی جائیں اور گرفتاریاں پیش کریں مگر اس پروگرام کی تشہیر نہ ہو سکی تھی چنانچہ لوگوں نے لاہور کا رخ کر لیا لاہور میں گرفتاریاں شروع ہو گئیں چنانچہ تحریک کا مرکز کراچی کی بجائے لاہور بن گیا۔ اور لاہور کے تمام اہم بازاروں اور مساجد میں جلسے جلوس شروع ہو گئے۔ تحریک کا مرکز مسجد وزیر خاں بن گیا کیونکہ تحریک کے اصل قائد مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادریؒ جو کہ گرفتار ہو چکے تھے اسی مسجد کے خطیب تھے اور اب آپ کے نو عمر صاحبزادے مولانا خلیل احمد قادریؒ تحریک کی قیادت کر رہے تھے۔ چنانچہ پورے پنجاب کا رخ

”جامعہ مسجد وزیر خان لاہور“ کی جانب ہو گیا۔ عوام نے گرفتاریاں پیش کرنی شروع کر دیں حکومت گرفتار شدگان کو بجائے جیل بھیجنے کے لاہور سے بیس پچیس میل دور ویران علاقوں میں چھوڑ دیتی اور وہ بے چارے پیدل سفر کرتے ہوئے دوبارہ لاہور پہنچ کر حکومت کی کمینگی کا ڈھنڈورا پیٹتے۔ ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء کو مولانا مودودی کے مکان پر ایک میٹنگ ہوئی مولانا مودودی کے انکار کے بعد تحریک کی قیادت باقاعدہ طور پر مولانا خلیل احمد قادری، مولانا عبدالستار نیازی، مولانا بہا الحق قاسمی اور مولانا احمد علی لاہوی نے سنبھال لی ۲ مارچ ۱۹۵۳ء کو لاہور میں فوج طلب کر لی گئی اور دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی۔ ۳ مارچ کو پولیس نے عوام پر زبردست لٹھی چارج کیا۔ مظاہرین لٹھی چارج ہونے پر سڑک پر لیٹ گئے اسی دوران ڈی ایس پی فردوس شاہ نے ایک نوجوان کو جس کے گلے میں حمائل شریف لٹکی ہوئی تھی ٹھوکر ماری حمائل شریف دور جا گری۔ بس پھر کیا تھا عوام میں جوش و خروش اور زیادہ بھڑک اٹھا لوگوں نے قرآن پاک کی بے حرمتی برداشت نہ کی اور مشتعل ہو گئے۔ قائدین تحریک نے عوام کو سنبھالا اور پرسکون و خاموش کرایا۔ اسی روز دو اہم واقعات اور ہوئے۔ ایک تو چوک والنگراں والے جلوس میں ہی ایک معصوم بچے کو پولیس نے اس قدر پیٹا کہ وہ جا بحق ہو گیا اور پولیس ننھے شہید کی لاش ہضم کر گئی دوسرے چند مرزائی نوجوان فوجی وردی میں ملبوس جیپ میں سوار ہو کر آئے اور جہاں کہیں لوگوں کا ہجوم یا جلسہ جلوس نظر آتا یہ جیپ ان پر اندھا دھند فائرنگ کرتی ہوئی گزر جاتی۔ ۴ مارچ کو عوام ۳ مارچ کو ہونیوالے تینوں واقعات کی بدولت سخت مشتعل ہو کر نکلے۔ اسی دوران مذکورہ ڈی ایس پی فردوس شاہ مسجد وزیر خان کے قریب عوام کے ہتھے چڑھ گیا اور لوگوں نے اسے قتل کر کے لاش گندے نالے میں پھینک دی۔ اب ایک طرف بھرے ہوئے عوام تھے دوسری طرف سرکاری حکم کی پابند مسلح پولیس اور فوج تھی۔ عوام پر ظلم کی انتہا کر دی گئی لیکن عوام اپنے کسی بھی مطالبے سے دستکش ہونے کو تیار نہ تھے۔ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے آپس میں اختلافات تھے چنانچہ دونوں گروپ ایک دوسرے سے مشورہ بھی نہ کرتے تھے۔ نتیجتاً بے گناہ عوام کا قتل جاری رہا ۵ مارچ کو تو ظلم اپنی انتہا تک پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ اس ظلم کے خلاف تمام سرکاری اداروں نے بھی ہڑتال کر دی۔ اس پس منظر میں مجاہد ملت کا کردار ملاحظہ فرمائیے:

۳ مارچ ۱۹۵۳ء کو مولانا نیازی نے اپنا مرکزی دفتر مسجد وزیر خان لاہور میں قائم کیا۔ آپ

کی کوشش یہ تھی کہ تحریک تشدد کی راہ اختیار نہ کرے اس لئے آپ نے تمام رضا کاروں کو یہی ہدایت دی کہ پرامن اور منظم رہنا ہے۔ تصادم اور کسی قسم کی بھی گڑبڑ سے گریز کرنا ہے۔ نعرے مثبت ہونے چاہئیں

مثلاً

(۱) ظفر اللہ خاں کو وزرات خارجہ سے برطرف کیا جائے۔

(۲) قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔

(۳) آئین میں ترمیم کی جائے۔

(۴) قادیانیوں کو کلیدی آسامیوں سے ہٹایا جائے۔

مولانا نیازی نے لاہور میں اجتماعات کیلئے دو مراکز بنا رکھے تھے۔ ایک دہلی دروازہ جہاں دن کو جلسہ ہوتا تھا دوسرے مسجد وزیر خان جہاں نماز عشاء کے بعد جلسہ ہوتا تھا۔ لوگ پنجاب اور سرحد سے قافلہ در قافلہ مسجد وزیر خان میں آرہے تھے۔ مولانا نے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد مسجد وزیر خان میں ایک مجلس عمل قائم کر دی تاکہ تحریک کو مؤثر بنایا جاسکے۔ کراچی میں ایک سویلین سرکاری افسر سے مولانا کا رابطہ تھا جو تحریک کے متعلق ان کو حکومت کے عزائم اور پالیسیوں سے قبل الوقت خبردار کر دیتا تھا۔ وہ صاحب محکمہ خوراک میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ انہی نے مولانا کو پیغام بھیجا کہ کراچی میں پانچ پانچ آدمیوں کی گرفتاریاں پیش کرنے کی بجائے لاہور میں تحریک چلائیں۔

۴ مارچ ۱۹۵۳ء کی صبح کو مولانا نے ایک ایک سوزنا کاروں کے تین جتھے مسجد وزیر خان میں ترتیب دیئے۔ ان میں سے ایک جتھے کو ضلع کچہری ایک کو سیکرٹریٹ اور ایک کو گورنر ہاؤس روانہ کیا۔ جتھے کی صورت یہ ہوتی تھی کہ پچتر ۵۷ آدمی اس کے اندر ہوتے تھے اور ان کے گرد پچیس ۲۵ آدمیوں کا گھیرا ہوتا تھا تاکہ کوئی غیر آدمی اندر آ کر تخریبی کاروائی نہ کر سکے۔ ان جتھوں کو ہدایت کی تھی کہ پرامن رہیں اور پولیس سے متصادم نہ ہوں۔ اگر پولیس راستہ میں حائل ہو تو راستہ بدل لیں۔ جتھوں کے لئے مثبت نعرے تیار کئے گئے تھے اور انہیں ہدایت تھی کہ آپ لوگوں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد کرتے جانا ہے۔ اگر لاشی چارج کیا جائے تو لاشیاں کھاؤ مگر بڑھتے جاؤ۔ گولی چلے تو منتشر ہو کر گلیوں کے اندر چلے جاؤ اور اگلے چوک میں پھر جمع ہو جاؤ۔ چنانچہ ایک جتھے بخیر و عافیت ضلع کچہری پہنچ گیا۔

سول سیکرٹریٹ والا جتھہ بھی گرفتاریوں کے بعد اپنی منزل تک پہنچ گیا اور اس نے وہاں کام بند کر دیا۔ گورنر ہاؤس جانے والا جتھہ جب چوک دالنگراں میں پہنچا تو پولیس نے لاٹھی چارج کر دیا جیسا کہ ابھی گزشتہ صفحات میں ذکر ہوا ہے۔ لاٹھی چارج ہونے پر جتھے میں شامل سب رضا کار زمین پر لیٹ گئے۔ پولیس نے بے تحاشا لٹھیاں برسائیں ایک نوجوان نے گلے میں حائل شریف لٹکا رکھی تھی۔ فردوس علی شاہ ڈی ایس پی نے اس نوجوان کو ایسی بری ٹھوک ماری کہ حائل شریف دور جا گری نوجوان تڑپ کر حائل شریف اٹھانے کو اٹھا تو ظالم اور بد بخت ڈی ایس پی نے پورے زور سے ڈنڈے برسائے۔ اس پر لوگ مشتعل ہو گئے۔ مختصر یہ کہ یہ جتھہ گورنر ہاؤس نہ پہنچ سکا۔ کچھ لوگ گرفتار ہو گئے اور کچھ واپس لوٹ آئے جبکہ دوسرے دونوں جلوس بخیریت منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ مولانا نیازی نے اپنا ہیڈ کوارٹر مسجد وزیر خان کو بنا رکھا تھا مسجد کے جنوبی حصے میں واقع ایک حجرے میں بیٹھ کر مولانا نیازی رضا کاروں کو ہدایات دیا کرتے تھے ان کی ڈیوٹیاں لگاتے تھے۔ مغرب کی نماز میں شریک ہونے والے مولانا نیازی آخری آدمی ہوتے تھے۔ پولیس والوں نے یہ سیکم بنائی کہ جب لوگ نماز پڑھ رہے ہوں تو مولانا نیازی پر ہلہ بول کر انہیں گرفتار کر لیا جائے اس سے تحریک خود بخود ختم ہو جائیگی۔

پولیس والوں نے مسجد کی کچھلی جانب سے سیڑھیاں لگا کر اندر اترنا چاہا تو رضا کاروں نے مولانا نیازی کو اطلاع کر دی۔ مولانا نے رضا کاروں سے کہا کہ اس وقت کوئی مسجد کے اندر نہ آنے پائے۔ رضا کاروں نے سیڑھی پر چڑھ کر مسجد کے اندر آنی کی کوشش کر نیوالے سپاہی کو سیڑھی سمیت پوری قوت سے واپس دھکیل دیا۔ وہ سیڑھی سمیت دور جا کر مولانا نیازی کو اندازہ ہو چکا تھا۔ اب تحریک فیل ہو جائیگی کیونکہ اس میں تشدد آ گیا تھا۔ ڈی ایس پی کے قتل کے بعد تحریک پر امن نہیں رہی تھی۔ پھر ایک مصیبت یہ بھی ہوئی کہ کچھ لوگ اس تحریک کے ذریعے اپنا سیاسی کیریئر بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور اس قسم کا پروپیگنڈہ کر رہے تھے کہ مولانا نیازی نے اپنی متوازی خلافت قائم کر لی ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہ تھی۔

فردوس شاہ کے قتل کے بعد مولانا نیازی نے جلسہ میں اس کی تعزیت کی اور کہا کہ ہمیں اس کی موت کا افسوس ہے کہ وہ بیچارہ مارا گیا۔ اس کے باوجود میاں ممتاز محمد خاں دولتاناہ وزیر اعلیٰ پنجاب نے

اس قتل کو ایک سپلاٹ کرنے کا منصوبہ بنا لیا ہے۔ لاہور میں رائے نصر اللہ خاں نامی ایک ایم ایل اے ہوتے تھے۔ انہوں نے مولانا نیازی کو اطلاع دی کہ آپ کے خلاف فردوس شاہ کے قتل کا مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔ اس پر مولانا نیازی نے کہا جو اللہ کو منظور ہے وہی ہوگا۔ مولانا نے فردوس شاہ کی موت پر تعزیتی ریزولیشن منظور کرنے کے علاوہ رضا کاروں کو بھی پرامن رہنے کی ہدایت کر دی تھی۔

فردوس شاہ کے قتل کے واقعہ کے بعد پولیس نے مجاہدین پر بے تحاشا تشدد کیا اور بے حد فائرنگ کی۔ قادیانی بھی فوج اور پولیس کی وردی میں باہر سے آ کر فائرنگ میں شریک ہوئے۔ اس موقع پر مسلمان کارکنوں نے بے پناہ قربانیاں پیش کیں۔

۶ مارچ ۱۹۵۳ء کو حکومت نے شرارت کر کے ایک پوسٹر نکالا کہ آج مولانا محمد عبدالستار خاں نیازی نماز جمعہ شاہی مسجد میں پڑھائیں گے۔ ان کا مقصد مجاہدین کی قوت کو تقسیم کرنا تھا۔ مولانا نیازی نے اپنے ایک سرفروش کارکن بشیر احمد مجاہد سے کہا کہ اس پوسٹر کی تردید کرو۔ اس نے ایک ٹیکسی لی۔ اس پر لاؤڈ سپیکر لگایا اور تمام شہر میں اعلان کر کے پوسٹر کی تردید کر دی۔ اور ساتھ ہی یہ اعلان کیا کہ جمعہ کی نماز بدستور مسجد وزیر خاں میں ہی ادا کی جائے گی۔

اسی روز جمعہ سے قبل خلیفہ شجاع الدین (ف ۱۹۵۵ء) سپیکر پنجاب اسمبلی، بیگم سلمیٰ تصدق حسین اور بعض دوسرے اکابرین شہر ایک وفد کی صورت میں مولانا نیازی کے پاس گورنر پنجاب مسٹر آئی آئی چندر گپت (م ۱۹۶۰ء) کا پیغام لائے کہ صوبائی حکومت، تحریک کے مطالبات سے اتفاق کرتی ہے اور اس سلسلہ میں ایک وزیر اور ایک اعلیٰ افسر کو مرکزی حکومت سے بات چیت کرنے کے لئے کراچی بھیج دیا ہے۔ صوبائی حکومت آپ سے بات چیت کرنے کے لئے تیار ہے۔

مولانا نیازی نے ارکان وفد سے کہا کہ ہماری صلح اور بات چیت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ

(۱) ہمارے گرفتار شدہ آدمیوں کو رہا کر دیا جائے۔

(۲) قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ تسلیم کیا جائے۔

(۳) مرکزی حکومت کو قائل کرنے کے ایک آدمی ہمارا اور ایک پنجاب کا مرکزی حکومت کے ساتھ اس

سلسلے میں مذاکرات کرے۔

(۴) ہماری تحریک پر امن رہے گی، لیکن آپ کو بھی ہماری تحریک ختم کرنے کی کوششیں بند کرنا ہوں گی، اس وقت لوگوں میں اتنا مذہبی جوش تھا کہ بیگم سلمیٰ تصدق حسین کو باہر نکالنے کے لئے مولانا نیازی نے برقعہ منگوا کر اسے پہنا کر رخصت کیا۔ ورنہ ڈرتھا کہ لوگ بے پردگی کے باعث ان پر حملہ کر دیں گے۔ مولانا نیازی نے اپنے رضا کاروں کی نگرانی میں انہیں مسجد سے باہر پہنچایا۔ جمعہ المبارک کی نماز کے وقت مولانا نے ایک تحریری تقریر تیار کی جس میں آپ نے اپنا موقف پیش کیا۔ اس موقع پر مسجد کے اندر آئی ڈی کی بھاری نفری موجود تھی بلکہ انہوں نے سٹیج پر خود قبضہ کرنے اور مولانا کو سٹیج سے نیچے پھینکنے کی کوشش بھی کی۔

مولانا کی وہ ایمان افروز اور باطل سوز تقریر آج بھی لاہور کے عاشقانِ رسول کے کانوں میں گونج رہی ہے۔ مسجد وزیر خاں کے میناروں پر لاؤڈ سپیکر باندھ دیئے گئے تھے جس سے مولانا کی آواز باغبانپورہ تک کے لوگوں نے سنی۔ جنرل اعظم خاں (م ۱۹۹۴ء) ان دنوں لاہور کا جی اوسی تھا۔ مولانا نیازی نے اپنی تقریر میں اس پر واضح کیا کہ ”ہمارا عقیدہ ہمارے خون میں گردش کرتا ہے۔ ہمارے خون کے اندر ہمارے بزرگوں کی شجاعت موجود ہے۔ ہمارے بزرگوں نے جو انگریز کے چودھویں رسالے میں شامل تھا، انگریز کے حکم پر بغداد میں گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا کہ ہم ہزاروں روپے خرچ کر کے پیران پیر کے دربار میں آتے ہیں اور تم ہمیں یہاں گولی چلانے کو کہتے ہو۔ ہم یہاں گولی نہیں چلائیں گے۔ مولانا نے سلسلہء تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اور تم اس کی پاداش میں ہم پر تشدد کرنا چاہتے ہو۔“

مولانا نیازی نے مذکورہ تجاویز پر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور منظوری کا فیصلہ دیا۔ مگر ملحدوں اور بے دینوں کا مقصد علماء کو کچلنا تھا۔ اس لئے ادھر یہ بات چیت ہوئی اور ادھر وفد کے واپس لوٹتے ہی لاہور میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ مارشل لاء کے نفاذ میں سب سے زیادہ ہاتھ وزیر داخلہ سکندر مرزا (م ۱۹۶۹ء) کا تھا۔ اس صورت حال سے کارکنوں کے حوصلے پست ہو گئے مگر مولانا نیازی نے رات کو مسجد وزیر خاں میں جلسہ کا اعلان کر دیا۔ حکومت نے مسجد کی بجلی کاٹ دی۔ جس سے مقررین بھی گھبرا گئے۔ مولانا نے اس رات تاریخی تقریر کی۔ ختم نبوت کا مذہبی اور سیاسی پس منظر بیان فرمایا اور مسجد

مولانا نے لوگوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے ایک واقعہ سنایا کہ جب ابرہہ مکہ کو فتح کرنے آیا تو اس کے ساتھ فوج کا بہت بڑا لشکر اور ہاتھی تھے۔ اس نے کہا کہ مکہ کے سردار سے میری بات کراؤ۔ اس موقع پر حضور سید عالم ﷺ کے اجد امجد حضرت عبدالمطلب کی لوگوں نے اس سے بات کرائی۔ ترجمان کے ذریعے گفتگو ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا کہ تیری فوج نے میرے اونٹ پکڑ لئے ہیں۔ میرے اونٹ واپس کر دو۔ ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب سے کہا کہ میں تمہیں بڑا سمجھدار اور عقلمند آدمی سمجھتا تھا مگر آپ تو میری توقع کے خلاف نکلے ہیں۔ میں قریش کے مرکز اور تمہاری سیادت، عزت و احترام کا خاتمہ کرنے آیا ہوں اور تمہیں صرف اپنے اونٹوں کی فکر ہے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب نے ایک یادگار جواب دیا تھا کہ میں اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ اس کی حفاظت خود کریگا۔ اَنَا رَبُّ الْاَبْلِ و لِلْبَيْتِ رَبٌّ يَمْتَعُهُ۔

مولانا نے یہ مثال دیکر کہا کہ اللہ تعالیٰ ناموس رسالت کا خود محافظ ہے۔ تمہیں تو جانثاری اور وفاداری کے اظہار کا موقع ملا ہے وہ تمہارا محتاج تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان کا خود محافظ ہے۔

۷ مارچ کو مولانا نے مارشل لاء دفعہ ۱۴۴ اور رات کو کرفیو کے باوجود گرفتاریاں دینے کے لئے چار چار افراد کی ٹولیاں روانہ کیں۔ ۸ مارچ کو بھی ایسا ہی کیا گیا۔ ۹ مارچ کو پنجاب اسمبلی کا سیشن شروع ہو رہا تھا۔ مولانا پنجاب اسمبلی کے رکن تھے لہذا اس کی تیاری میں لگ گئے کیونکہ سب دوستوں کی رائے تھی کہ آپ اسمبلی میں خود جا کر ختم نبوت ریزولیشن (Resolution) پیش کریں۔

مولانا نیازی کا ان دنوں طریقہ یہ تھا کہ مسجد وزیر خاں میں رات کا جلسہ کر کے سب کارکنوں کو سلا کر چوکی پر پہرہ بٹھا کر مسجد کے جنوب مغربی مینار سے سیڑھی کے ذریعہ ایک ساتھ والے مکان میں اترتے اور ایک دوسری جگہ جا کر سوتے تھے۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد یہ واضح ہو گیا تھا کہ ان حالات میں تحریک نہیں چل سکتی۔ ۹ مارچ کو فیصلہ ہوا کہ سب لوگ گرفتاریاں پیش کر دیں۔ دریں اثناء مارشل لاء حکام مسجد کے اندر داخل ہوئے اور انہوں نے مسجد حجروں اور تالاب سے پانی نکال کر تلاشی لی اور پھر تمام لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

اب مولانا کا پروگرام یہ تھا کہ گرفتاری دینے کے بجائے پنجاب اسمبلی میں جائیں اور وہاں ختم نبوت کے سلسلے میں ارکان اسمبلی کو قائل کرنیکی کوشش کریں۔ مگر ہوا یہ کہ ادھر مولانا کے خلاف مقدمہ قتل درج کر لیا گیا اور ادھر اسمبلی کا اجلاس ۱۶ مارچ تک کے لئے ملتوی ہو گیا۔ اب سوال یہ تھا کہ گرفتاری سے بچنے کے لئے مولانا ایک ہفتہ کس طرح اور کہاں گزاریں؟۔

اندرون موچی دروازہ چیدیا نوالی مسجد کے پاس ایک سکول میں میر یعقوب نامی ایک شخص رہتے تھے۔ تقریریں کر کے مولانا کا گلابیٹھ گیا تھا اس لئے وہاں گھی گرم کر کے گھی کی گدیاں مولانا کی گردن پر باندھ کر نکور کی گئی۔ اس کے بعد انہوں نے کہا ہمارا مکان ایک قلعہ ہے آپ یہیں آ جائیں۔ یہیں سے ہم آپ کو پنجاب اسمبلی میں پہنچانے کا انتظام کر لیں گے۔ ۱۳ مارچ تک مولانا اسی مکان میں رہے۔ اس روز خبر ملی کہ اسمبلی کا اجلاس مزید ایک ہفتہ تک ملتوی کر دیا گیا ہے اور اب یہ اجلاس ۲۲ مارچ کو ہوگا۔ مولانا نے میر یعقوب سے کہا کہ اب کوئی ایسی صورت ہونی چاہئے کہ اجلاس کے دوران انہیں اسمبلی ہال میں پہنچا دیا جائے کیونکہ اسمبلی ہال سے پولیس کسی شخص کو گرفتار نہیں کر سکتی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اسمبلی ہال کے باہر پولیس کا بڑا سخت پہرہ ہے اس لئے ایسا نہیں ہو سکتا۔ مولانا نے کہا پھر ایسا کریں کہ مجھے لاہور سے باہر نکالا جائے اور باہر سے لاہور آنے والی بس میں بٹھا دیا جائے اس زمانے میں قصور وغیرہ سے آنیوالی بسیں شارع فاطمہ جناح اور چیرنگ کرا سے ہو کر اسمبلی ہاؤس کے سامنے سے گزرا کرتی تھیں۔ مولانا کا پروگرام یہ تھا کہ وہ اسمبلی ہاؤس کے بالکل سامنے اتر کر دوڑ کر اندر چلے جائیں گے۔ پھر پولیس انہیں اسمبلی ہال کے اندر سے گرفتار نہیں کر سکتی۔ اس طرح وہ اسمبلی میں اپنا موقف پیش کر سکیں گے۔

میر یعقوب صاحب چار بھائی تھے۔ میر اسلم، میر اکرم اور میر اشرف۔ انہوں نے وہاں کے عبدالرحمن نمبردار سے مل کر باہر سے آنے والے گھسیاروں کے ساتھ مولانا نیازی کو لاہور سے باہر نکالنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے ایک ریڑھ حویلی میاں خاں کے باہر سڑک پر کھڑا کر دیا گیا۔ مولانا نے دیہاتیوں کی طرح چادر باندھ لی پاؤں میں چپل تھی اور سر پر منڈا سا باندھ لیا۔ اس طرح بالکل دیہاتی بن گئے لاہور سے نکلنے کے بعد اوکاڑہ سے ہوتے ہوئے دوسرے دن پاکپتن شریف پہنچ گئے۔

۲۲ مارچ کو مولانا نیازی پاکستان سے لاہور واپسی کے خیال سے قصور پہنچے اور شیخ فضل دین گلی مہتیا نوالی کے مکان پر ٹھہرے۔ دن قصور میں گزرا۔ مولانا کا سرگرم کارکن بشیر احمد مجاہد بھی قصور پہنچ گیا۔ مولانا کا پروگرام یہ تھا کہ ۲۳ مارچ کی صبح قصور سے نکلیں گے اور بس میں بیٹھ کر اسمبلی ہاؤس پہنچ جائیں گے مگر شیخ فضل دین کے لڑکے محمد اسلم نے مخبری کر دی کہ مولانا نیازی ہمارے ہاں موجود ہیں۔ ۲۳ مارچ کی صبح مولانا فجر کی نماز کے لئے اٹھے تو پولیس پہنچ گئی اور مولانا کو گرفتار کر لیا۔ اس پر اس لڑکے محمد اسلم نے پولیس سے کہا کہ مولانا کے ساتھ ایک دوسرا آدمی بھی موجود ہے۔ چنانچہ بشیر احمد مجاہد کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

مخلصاں باشند دائم در خطر
امتحاں ہا ہست در راہ اے پسر

(مثنوی رومی سوم ۱۶۸)

پولیس مولانا اور بشیر احمد مجاہد کو قصور تھانہ میں لے گئی۔ ناشتہ وغیرہ وہیں کرایا گیا اور کار میں بٹھا کر شاہی قلعہ لاہور میں لیجا یا گیا۔ وہاں مولانا کو دس نمبر کوٹھڑی میں رکھا گیا۔ ۲۳ مارچ سے ۱۹ اپریل تک اسی سیل میں پولیس والے مولانا کا بیان ریکارڈ کرتے رہے۔ دو راتیں مسلسل جگائے رکھا اور مطلقاً سونے نہ دیا۔ ایس پی سی آئی ڈی چوہدری محمد حسین جو بعد میں ڈائریکٹر جنرل سی آئی ڈی بنے، مولانا کا بیان قلمبند کرتے رہے۔ وہ مولانا سے پوچھتے رہے کہ آپ نے فلاں فلاں تاریخ کو اپنی تقریر میں کیا کہا۔ مولانا بتاتے کہ میں نے یہ کہا یہ کہا اور میرے دلائل ایسا کہنے کے یہ تھے۔ تیسرے روز چوہدری محمد حسین کہنے لگے۔ ”مولانا ان دلائل سے تو آپ دشمن کو بھی قائل کر لیں گے۔“

مولانا کے خلاف کئی لوگوں نے گواہیاں دیں۔ ایک ڈی ایس پی راجہ فضل داد بتا دیا کرتے تھے کہ مولانا! فلاں فلاں لوگوں نے آپ کے متعلق یہ گواہیاں دی ہیں ایک بار ایک ایس پی پولیس قلعہ میں گیا اور اپنے ماتحتوں کو حکم دیا کہ مولانا کو رات بھر جگائے رکھو۔ مولانا نوافل پڑھتے ہوئے جب سجدے میں جاتے تو پولیس کے سپاہی انہیں ہلانا شروع کر دیتے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید مولانا سجدے میں سو جاتے ہیں شاہی قلعہ سے مولانا کو سنٹرل جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ مولانا کو اسی جگہ رکھا گیا جہاں بھگت

سنگھ دت کو رکھا گیا تھا۔

۱۶ اپریل ۱۹۵۳ء کو مولانا نیازی کیخلاف فوجی عدالت میں ڈی ایس پی فردوس شاہ کے قتل اور بغاوت کا کیس چلا۔ الزام یہ تھا کہ مولانا عبدالستار خاں نیازی نے پولیس کو مسجد وزیر خاں کے اندر داخل ہوتے دیکھ کر لوگوں سے کہا:

”پولیس کے کتے آگے ہیں اب جانے نہ پائیں۔“

استغاثہ نے خون آلود مٹی اٹھا کر عدالت میں پیش کی جس میں پولیس کے بقول فردوس شاہ کا خون جذب ہوا تھا۔ مولانا نے اپنی صفائی میں کہا کہ قتل مسجد وزیر خاں کے دروازے کے باہر ہوا ہے اور میں موقع پر موجود نہیں تھا، میں تو مسجد کے اندر تھا۔ وہ کونسا خطیب یا مقرر ہے جو مسجد کے دروازے میں کھڑا ہو کر تقریر کر رہا ہو جبکہ مجمع مسجد کے اندر ہو؟ پھر لاؤ ڈسپیکر بھی مسجد کے اندر نصب ہے۔ اس لئے یہ الزام غلط ہے اور یہ پولیس کا پہلا جھوٹ ہے۔ پھر استغاثہ نے عدالت میں جو خون آلود مٹی پیش کی ہے یہ بھی فرضی ہے کیونکہ جب جائے قتل کا معائنہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ فردوس شاہ کے مقام قتل پر مسجد کے باہر سیمنٹ کا فرش ہے۔ اس لئے مٹی کا ثبوت بھی جعلی ہے۔ استغاثہ اور صفائی دونوں جانب سے متعدد گواہ پیش ہوئے۔ یہ ساری کارروائی ۲۵ اپریل کو مکمل ہو گئی یعنی دس دن میں۔

مقدمہ بغاوت کے بعد مولانا نیازی کو خرابی صحت کی بنا پر ہسپتال منتقل کر دیا گیا جو جیل کے اندر ہی تھا۔ ۷ مئی کی صبح کو سپیشل ملٹری کورٹ کا ایک آفیسر اور ایک کیپٹن فیصلہ سنانے کے لئے مولانا کو لینے آئے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل مولانا نیازی کو ایک الگ کمرے میں لے گیا جہاں قتل کے الزام میں مولانا کے ساتھ نو آدمی اور بھی تھے۔ سب پر فردوس شاہ ڈی ایس پی کے قتل کا الزام تھا۔

ملٹری عدالت نے فیصلہ سنانے ہوئے کہا! ”قتل کے الزام میں ہم آپ سب کو باعزت بری کرتے ہیں۔“ مولانا نیازی کے علاوہ نو آدمی جو اس کیس میں ملوث تھے وہ چلے گئے۔ مولانا کو ملٹری والوں نے روک لیا اور کہا: ”آپ پر بغاوت کا الزام بھی ہے؟ مولانا نے جواب دیا ”ہاں الزام تو ہے۔“ اس پر انہوں نے جیب سے ایک کاغذ نکالا کہ تمہارے متعلق یہ فیصلہ ہے۔

You will be hanged by neck till you are Dead.

”تمہاری گردن پھانسی کے پھندے میں اس وقت تک لٹکائی جائے گی جب تک تمہاری موت واقع ہو جائے۔“

اس جواب میں مولانا نے فرمایا:

"Is that all? I was prepared to take more than that. If I would have got one hundred thousand lives, I would have laid down those lives for the cause of holy prophet Muhammad may the peace and glory of God be upon him.

”یہی کچھ خبر لائے ہو اگر میرے پاس ایک لاکھ جانیں ہوتیں تو میں ان سب کو محمد مصطفیٰ

ﷺ کی ذات گرامی پر قربان کر دیتا“

امتحان پاک مرداں از بلاست

تشنگانِ راتشنہ تر کردنِ رواست

آرڈر سناتے ہوئے افسر نے کہا:

افسر:- ”اس پر دستخط کر دیجئے۔“ please sign it.

مولانا نیازی:- I will sign it when I kiss the Rop

”میں جب پھانسی کے پھندے کو بوسہ دوں گا۔ اس وقت اس پر دستخط کروں گا۔“

افسر:- You will have sign it.

”تمہیں اس پر دستخط کرنے ہوں گے۔“

مولانا نیازی:-

I have already told you that I will sign it when I kiss the Rop.

I am in your cluches and am behind the bars. Take me to the Gallows and hange me.

”میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ جس وقت پھانسی کے پھندے کو بوسہ دوں گا۔ اس وقت

دستخط کروں گا۔ میں جیل میں ہوں آپ کے چنگل میں ہوں مجھے لے جاؤ اور پھانسی دے دو۔“
افسر:-

MR, Niazi !our officers will inquire from us whether you were served with the notice of death warrant.

مسٹر نیازی! ہمارے آفیسر ہم سے پوچھیں گے کہ تم نے موت کے وارنٹ کا نوٹس دیا ہے یا نہیں تو میں کیا جواب دوں گا۔“
مولانا نیازی:-

If you so fear from your officers, well, I sign it for you.

”اگر آپ کو اپنے افسران کا خوف ہے تو میں آپ کی خاطر اس پر دستخط کئے دیتا ہوں۔“
چنانچہ مولانا نیازی نے بڑی اطمینان سے اس پر دستخط کر دیئے اور دستخطوں کے ساتھ ۱۹۵۳ء کی تاریخ بھی درج کر دی۔ افسر نے آپ کی ہمت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ تم میری ہمت (Morale) کے بارے میں پوچھتے ہو وہ تو آسمان سے بھی بلند ہے تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔“

کسی کی زندگی میں اگر یہ مرحلہ آجائے تو معمولی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا خصوصی فضل و کرم فرما کر مولانا نیازی کو اس وقت بہت حوصلہ دیا۔ افسر کے جانے کے بعد مولانا جب کمرے میں اکیلے رہ گئے تو ان کا حوصلہ بہت بلند تھا۔ تائید ایزدی سے ان کو سورۃ ملک کی یہ آیت یاد آ گئی:-

”خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَ كُمْ اَيْكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک-۲)“

”اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے۔“

مولانا نیازی نے اس آیت سے یہ تاثر لیا کہ موت و حیات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ لوگ میری زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں کر سکتے۔ اگر اس مقصد کیلئے جان بھی جائے تو اس سے بڑی زندگی کیا ہو سکتی ہے۔“

اس کے ایک لمحہ بعد مولانا پر خوف کا حملہ ہوا مگر پھر فوراً یہ شعر ان کی زبان پر آ گیا۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہرزماں از غیب جانے دیگر است

مولانا وجد کی حالت میں یہ شعر بار بار پڑھتے اور جھومتے۔

در رہ حق ہر چہ پیش آید نکوست

مرحبانامہ ربانی ہائے دوست!

(جاوید نامہ۔ ۵۰)

عشق را در خون تپیدن آبروست

آرہ و چوب و رسن عیدین اوست!

(ایضاً)

مرد حق بین جذ بق خود را ندید

لا الہ می گفت و در خون می تپید!

(ایضاً)

اسی عالم میں آپ کمرے سے باہر آ گئے تو جیل سپرنٹنڈنٹ مہر محمد حیات نے یہ خیال کیا کہ

ملٹری کورٹ نے آپ کو بری کر دیا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا:

”نیازی صاحب مبارک ہو آپ بری ہو گئے!“۔

اس کا خیال تھا کہ فردوس شاہ کے قتل میں مولانا کے ساتھ نو مجرم بری ہو گئے تھے

لہذا مولانا بھی بری ہو گئے ہوں گے۔ مولانا اس کی بات سن کر مسکرائے اور کہا: ”میں اس سے بھی آگے

نکل گیا ہوں“۔ اس نے کہا کیا مطلب؟ مولانا نے فرمایا: حضور سید عالم ﷺ کے غلاموں اور عاشقوں کی

فہرست کے کسی کونے میں میرا نام بھی اب ضرور شامل ہوگا“۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلاتِ لا الہ را

(ارمغان حجاز۔ ۵۹)

مولانا کی سزائے موت کی خبر پر عالم اسلام میں سخت اضطراب پیدا ہوا اندرون ملک بھی

زبردست احتجاج ہوا۔ ادھر جیل میں قیدی آپ کو دیکھ کر روتے تھے۔ جب آپ کو پھانسی کی کوٹھڑی میں لے جایا گیا تو آپ نے لوگوں کو اطمینان دلایا اور فرمایا کہ کتنے عاشقانِ رسول (ﷺ) جامِ شہادت نوش کر رہے ہیں! اگر میں بھی اس نیک مقصد کے لئے جان دے دوں تو میری یہ خوش قسمتی ہوگی لہذا رونے کی بجائے میرے لئے استقامت کی دعا کرو۔

تحریک ختم نبوت کے دوران دیوبندی مکتبہء فکر کے مشہور عالم دین مولانا تاج محمود فیصل آبادی (ف ۱۹۸۳ء) بھی گرفتار ہو کر شاہی قلعہ لاہور میں آئے۔ ان کو مولانا نیازی کی کوٹھڑی کے قریب ہی ایامِ اسیری گزارنے کا موقع ملا۔ وہ مولانا نیازی کی شجاعت اور جگر داری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”قلعہ کی اسیری کی ابتدائی راتیں بڑی ہولناک ہوتی ہیں۔ مگر خوش قسمتی سے پہلی ہی رات میرے دل سے قلعہ کی دہشت کا فور ہو گئی اور وہ اس طرح کہ میری کوٹھڑی کی سنگین دیواروں سے ایک گرج دار آواز نکرائی۔ میں نے یہ آواز پہچان لی۔ مولانا نیازی اپنی پاٹ داری آواز میں مولانا روم کا یہ شعر پڑھ رہے تھے۔“

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما اے طیب جملہ علت ہائے ما

(روزنامہ ”نوائے وقت لاہور بابت ۲۰/ جنوری ۱۹۸۵ء)

۷ سے ۱۳ مئی ۱۹۵۳ء تک مولانا نیازی پھانسی کی کوٹھڑی میں رہے۔ آپ کا زیادہ تر وقت نماز و نوافل میں گزارتا تھا۔ جیل میں خود اذان دیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ قرآن و حدیث کے علاوہ مکتوباتِ امام ربانی آپ کے زیر مطالعہ رہتے تھے۔ اگرچہ ملٹری والوں نے مولانا کو سزائے موت سناتے ہوئے بڑا ڈرامہ کیا۔ مولانا سے سزائے موت کے پروانے پر باقاعدہ دستخط کرائے گئے۔ پھر اس کی عبارت خاصی خوفناک تھی مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں صبر و استقامت دی۔ فوجیوں نے سزائے موت سنائے جانے کے بعد مولانا کے مورال اور رویے کی بہت تعریف کی اور یہاں تک کہا کہ ہم نے ایسا بہادر آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ اس نے سزائے موت کو پامردی سے سنا۔ ہمارے جرنیل بھی ایسے بہادر نہیں ہوتے۔ شاید اسی باعث ان لوگوں کا مولانا سے جذباتی لگاؤ ہو گیا تھا۔

جان نکلجہ در جہاں اے ہوش مند

مردِ حریبیگانہ از ہر قید و بند

(جاوید نامہ ۶۳)

۱۴ مئی ۱۹۵۳ء کو سزائے موت عمر قید میں تبدیل ہو گئی تو جذباتی کارکن ایک دوسرے کو مبارک دینے اور خوشیاں منانے میں مصروف رہے۔ کسی نے بھی کاغذات مکمل کرانے کی جانب توجہ نہ دی۔ چنانچہ کوٹھی ٹوٹنے کے باوجود مولانا کو مزید ایک رات پھانسی کی کوٹھڑی میں رہنا پڑا۔ ۱۵ مئی کو مولانا سات دن اور آٹھ راتیں پھانسی کی کوٹھڑی میں گزارنے کے بعد گوروارڈ میں منتقل ہو گئے۔ یہ سنٹرل جیل لاہور کا مشہور وارڈ تھا۔

سزائے موت کو عمر قید اور پھر عمر قید کو چودہ سال قید با مشقت میں تبدیل کرنے کے بعد گورنمنٹ نے ایک آرڈر نکالا جس کے تحت مولانا اس سزا کے خلاف اپیل کر سکتے تھے۔ مگر مولانا نے اپیل نہ کی۔ جسٹس محمد شریف نے از خود سارا کیس دیکھا اور سزا کم کر کے تین سال کر دی جون ۱۹۵۴ء میں مولانا کو راولپنڈی جیل منتقل کر دیا گیا۔ فروری ۱۹۵۵ء میں واپس لاہور جیل میں لایا گیا۔ اس کے بعد مولانا نے عدالت عالیہ میں رٹ کی کہ جس قانون کے تحت ہمیں سزا دی گئی ہے اسے گورنر جنرل کی منظوری حاصل نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ مجلس آئین ساز جو قانون ساز بھی تھی پہلے توڑ دی گئی۔ یہی صورت راولپنڈی سازش کیس کی تھی جس کے تحت فیض احمد فیض (ف ۱۹۸۴ء) اور ان کے ساتھیوں پر مقدمہ چلایا گیا تھا۔ چنانچہ مولانا نے عدالت میں یہ موقف اختیار کیا کہ جس قانون کے تحت ہمیں سزا دی گئی ہے وہ قانون، قانون ہی نہیں ہے۔ یوں ۲۹ اپریل ۱۹۵۵ء کو دو سال سے زیادہ عرصہ جیل کاٹ کر مولانا ضمانت پر رہا ہوئے۔ بعد ازاں مئی ۱۹۵۵ء میں آپ کو اس کیس سے باعزت بری کر دیا گیا۔

قید کے دنوں میں مولانا نیازی صاحب کو سوت کا تنے کی مشقت دی گئی ایک روز مولانا صاحب مشقت فرماتے ہوئے بے ہنگم روئی تھا مے موٹا موٹا کات رہے تھے کہ جیل سپریٹینڈنٹ شیخ اکرم صاحب دوسرے جیل حکام کی معیت میں آ نکلے اور مولانا صاحب کو اس حالت میں دیکھ کر ذرا تھکمانہ لہجہ میں بولے۔

آپ موٹا کات رہے ہیں نیازی صاحب!

آپ نے اسی انداز میں جواب فرمایا۔

ہاں جناب تاکہ تمہاری سمجھ میں آجائے۔ (شمع ختم نبوت کے پروانوں کی باتیں۔ صفحہ ۲۳

از طاہر رزاق)

رہائی کے دو ماہ بعد شیرانوالہ گیٹ لاہور کی جامع مسجد میں مولانا نیازی نے پھر مسئلہ نبوت پر تقریر کی جس پر ”بنگال ریگولیشن ۱۸۱۸ء کے تحت نظم و نسق میں فتور ڈالنے، داخلی طور پر اضطراب پیدا کرنے اور مسلح بغاوت کے الزام میں ۸ جولائی ۱۹۵۵ء کو پیپلز ہاؤس لاہور کے اسی کمرے یعنی کمرہ نمبر ۴ بی بلاک سے گرفتار کر کے سنٹرل جیل ساہیوال میں بھیج دیا گیا۔ جہاں مولانا کو بحیثیت شاہی قیدی (State prisoner) رکھا گیا۔ اس زمانے میں ایم اے فاروقی سیکرٹری داخلہ اور سکندر مرزا (۱۹۶۹ء) وزیر داخلہ تھے۔ مولانا کو اے کلاس دی گئی۔

بنگال ریگولیشن کے خلاف چارہ جوئی کی کوئی صورت نہیں تھی، تاہم مولانا نے اپنے دوستوں کو چار پانچ کاغذوں پر دستخط کر کے دے دیئے تھے تاکہ اگر وہ چاہیں تو عدالت سے رجوع کر سکیں سابق جسٹس ذکی الدین پال، میاں محمود علی قصوری (ف ۱۹۸۷ء) آفتاب فرخ اور محمد اسماعیل بھٹی جیسے نامور قانون دانوں نے آپ کے مقدمہ کی پیروی کی اور ۲۶ جولائی ۱۹۵۵ء کو جسٹس محمد رستم خاں کیانی (ایم آر کیانی، ف ۱۹۶۲ء) نے آپ کی گرفتاری کو خلاف قانون قرار دیکر آپ کی رہائی کا حکم صادر کر دیا۔ یاد رہے کہ ساہیوال سنٹر جیل میں مولانا نیازی کو ایئر کنڈیشنر کی پیش کش کی گئی تو آپ نے کہا:

”اگر سکندر مرزا اپنی جیب خاص سے کرتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ میں قومی خزانہ پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔“

۲۹ دسمبر ۱۹۵۷ء کو پنجاب یونیورسٹی نے ”بین الاقوامی اسلامی مفاکرہ“ منعقد کیا جس میں دنیا بھر سے مستشرقین کو مدعو کیا گیا تھا۔ علامہ علاء الدین صدیقی (ف ۱۹۷۷ء) اس وقت پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات کے سربراہ تھے۔ میاں افضل حسین (ف ۱۹۷۰ء) وائس چانسلر تھے۔ ان لوگوں نے قادیانی رہنما چوہدری ظفر اللہ خاں (ف ۱۹۸۵ء) کو ہیگ سے بلوایا۔ اس نے اسلامی شریعت کے

موضوع پر خطاب کرنا تھا۔ مولانا کے نزدیک یہ بات بہت قابل اعتراض تھی۔ اول تو چوہدری ظفر اللہ خاں اسلام کی وکالت نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ مستشرقین ہر مسئلے پر بحث کر سکتے ہیں لیکن ہمارے اصول و مسلمات دین جو طے شدہ ہیں ان پر بحث نہیں کی جاسکتی۔ جیسے خدا ایک ہے، حضرت محمد ﷺ نبی آخر الزمان ہیں، قرآن حکیم الہامی کتاب ہے۔ اور تیسرے یہ کہ جہاں مقالات کا ترجمہ انگریزی اور عربی میں کیا جائے اس کے ساتھ ساتھ یہ کام اردو میں بھی ہونا چاہئے۔ چوتھا مطالبہ یہ تھا کہ اس اجتماع میں ہمارے علماء کو بھی اظہار خیال کی دعوت دی جائے۔

اس موقع پر مولانا نیازی کی کوششوں سے ”مجلس تحفظ اسلام“ کے نام سے ایک تنظیم بنائی گئی۔ لاہور ہوٹل میٹروڈ روڈ لاہور میں ہر مکتبہء فکر کے ایک سو دو علماء اکٹھے ہوئے جن میں مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری (ف ۱۹۶۱ء) صاحبزادہ فیض الحسن (ف ۱۹۸۴ء) مولانا غلام غوث ہزاروی (ف ۱۹۸۱ء) ماسٹر تاج الدین انصاری (ف ۱۹۷۰ء) شامل تھے۔ مولانا نیازی کو اس تنظیم کا صدر چنا گیا۔ مولانا نیازی نے علمائے کرام کی طرف سے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہونے والے مذاکرے میں تین طرح کے لوگ شریک ہو رہے ہیں (۱) غیر مسلم مستشرقین (۲) قادیانی (۳) پاکستان اور اسلامی ملکوں کی یونیورسٹیوں کے مسلمان پروفیسر..... ان میں سے ہمیں صرف قادیانیوں کی شرکت پر اعتراض ہے۔ ان کے علاوہ باقی سب مسلم اور غیر مسلم مستشرقین کا ہم پر جوش استقبال کریں گے۔ اور ان کی عزت افزائی کی کوشش کریں گے۔

قادیانیوں پر ہمیں شدید اعتراض اس لئے ہے کہ وہ اسلام اور پاکستان کے کھلے دشمن ہیں اور دوسری نبوت کے قائل ہیں۔ تحریک ختم نبوت کی بے مثال قربانیاں بھی اسی عقیدے کے تحفظ کیلئے کی گئی تھیں۔ قادیانی پاکستان کے بھی کھلے دشمن ہیں جیسا کہ حال ہی میں حکومت نے خود ان کے متعلق انکشاف کیا ہے۔ مسلمانوں کی سب مستند مذہبی جماعتیں ان کو خارج از اسلام قرار دے چکی ہیں اور ان کو اسلام اور پاکستان کے لئے شدید خطرے کی حیثیت سے دیکھتی ہیں۔ اس وجہ سے ہم قادیانیوں کی شرکت کے سخت خلاف ہیں۔ اس اجتماع میں قادیانیوں کو غیر مسلم مستشرقین کی نظر میں پاکستان میں عزت اور وقار کا مقام حاصل ہو جائے گا جس سے قادیانی اسلام اور پاکستان کے خلاف ناجائز فائدہ

اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ ہم مجلس مذاکرہ کے منتظمین کی اس حرکت کے خلاف نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہیں کہ انہوں نے چوہدری ظفر اللہ خان کو اسلامی قانون کے شعبہ کا صدر بنایا اور اس طرح اس کو شریعت اسلامی کا خود ساختہ ترجمان بنا کر اس کو اسلام کے نمائندے کی حیثیت دی جس سے پاکستان اور اسلام دونوں کو گزند پہنچنے کا شدید خطرہ ہے۔ ہم یونیورسٹی وائس چانسلر کی اس حرکت کی خلاف بھی شدید احتجاج کرتے ہیں۔

اس بارے میں ہمارا واضح موقف یہ ہے کہ ہم ظفر اللہ خاں اور دوسرے قادیانیوں کی شرکت کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ اجتماع اسلامی مذاکرہ ہے اور قادیانیوں کو ہم کسی طرح مسلمانوں کے امور میں مداخلت اور ان پر بحث و تنقید کا حق نہیں دیتے۔ کیونکہ وہ اس پردے میں بھی قادیانیت کی تبلیغ کریں گے جیسا کہ ہمیشہ ہوتا رہا۔

مولانا نیازی نے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا تو اخبارات میں شور مچ گیا۔ مولانا نے مطالبہ کیا کہ اول تو چوہدری ظفر اللہ خاں اس اجتماع میں نہ آئیں۔ آئیں تو اجلاس میں شریک نہ ہوں، شریک ہوں تو مسلمانوں کی طرف نہ بیٹھیں بلکہ غیر مسلم سکالروں کے ساتھ بیٹھیں، وہ اسلامی نشست کی صدارت نہیں کر سکتے۔

اس جدوجہد کا اثر یہ ہوا کہ اس مذاکرہ کے منتظمین نے مولانا اور ان کے حامی علماء کو بھی دعوت نامے بھیجے لیکن مولانا کا موقف یہ تھا کہ ہمارے تمام مطالبات کو تسلیم کیا جائے تب ہم شرکت کریں گے۔ مولانا نے اس معاملے میں بہت زور ڈالا۔ ہوم سیکرٹری اور گورنر پنجاب سردار عبدالرب نشتر (ف ۱۹۵۸ء) سے ملے۔ پھر دھمکی دی کہ تم جانتے ہو کہ ”تحریک تحفظ ختم نبوت چلانے والے لوگ ابھی تک زندہ ہیں اگر ظفر اللہ خاں یونیورسٹی میں آ گیا تو ہم یونیورسٹی ہال پر ہلہ بول دیں گے، آگ لگا دیں گے۔“

مولانا نیازی کی ان مساعی کا اثر یہ ہوا کہ مقالات کا ترجمہ اردو میں بھی کیا گیا۔ یہ بھی طے ہو گیا کہ ہمارے اصول و مسلمات دین کو مستشرقین نہیں چھیڑیں گے اور ظفر اللہ خاں بھی کانفرنس میں نہیں آئیں گے۔ منتظمین نے ظفر اللہ خاں کو آمد و رفت کا خرچہ چھ ہزار روپے دیا تھا، ٹکٹ بھیجا تھا۔ وہ

پاکستان تو آیا لیکن کانفرنس ہال میں داخل ہونے کی جرات نہ کر سکا۔ پریس والوں نے اس سے سوال کیا کہ آپ آئے تو ہیں لیکن کانفرنس ہال کے اندر کیوں نہیں گئے۔ اس نے جواب دیا کہ آپ لوگوں کو پتہ ہے کہ یہاں پراجیکٹیشن ہے۔ تحریک ختم نبوت پر جس شخص نے لاہور میں آگ لگا دی تھی وہ لوگوں کو بھڑکا رہا ہے۔ مصلحت اسی میں ہے کہ میں نہ جاؤں۔

اس موقع پر علماء نے مکمل اتحاد و یکجہتی کا ثبوت دیا۔ مولانا نیازی کی ولولہ انگیز قیادت میں علماء نے سردھڑ کی بازی لگا دی اور یوں اسلام دشمن اور نام نہاد مفکرین کی سازشیں ناکام ہو گئیں۔ جب بھی علماء کرام جمع ہوئے، مسئلہ مشترکہ ہو اور مولانا نیازی جیسا نہ کہنے والا لیڈر قائد بنا تو پھر بات بن ہی گئی۔

ربوہ ریلوے سٹیشن پر ۲۹ مئی ۱۹۷۳ء کو نیشنل میڈیکل کالج ملتان کے طلباء جو کہ مری اور سوات وغیرہ کے تفریحی دورہ سے واپس آ رہے تھے پر قادیانیوں نے مسلح حملہ کر دیا جس سے طلبہ شدید زخمی ہو گئے نتیجہ پورے ملک میں تحریک شروع ہو گئی اور بالاخر قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دیئے گئے اس طرح ملت اسلامیہ کا تقریباً سو سالہ پرانا مطالبہ پورا ہو گیا جب تحریک ختم نبوت ۱۹۷۳ء چلی تو مولانا نیازی ایک بار پھر سر بکف ہو کر میدان عمل میں اترے۔ اپوزیشن کی تمام دینی و سیاسی جماعتوں پر مشتمل ”آل پاکستان مجلس عمل تحفظ ختم نبوت“ کی تشکیل ہوئی تو آپ کو مرکزی نائب صدر منتخب کیا گیا۔ آپ نے ملک گیر دورے فرما کر قادیانی مکر و فریب کے جال کو تار تار کر کے مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول ﷺ اور تحفظ ناموس رسالت کے جذبے کی شمع فروزاں کی۔ مقام مصطفیٰ ﷺ کے کیلئے کعبے کو گرانے والے ابرہہ کی جماعت کو یہ بتا دیا کہ غلامان محمد ﷺ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا نہ ہو جائے۔

۹ جون ۱۹۷۳ء کو ملک کی اٹھارہ دینی و سیاسی جماعتوں کا ایک مشترکہ اجلاس لاہور میں منعقد ہوا جس میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ اگر حکومت نے مجلس عمل کے مطالبات جمعرات ۱۳ جون تک تسلیم نہ کئے تو ۱۴ جون بروز جمعہ المبارک ملک گیر ہڑتال کی جائیگی۔ یہ کنونشن صبح دس بجے سے تین بجے سہ پہر تک جاری رہا۔ بعد میں مولانا نیازی نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کنونشن کے فیصلوں کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا کہ کنونشن میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ صدر اور

وزیر اعظم کے حلف کو پیش نظر رکھتے ہوئے قادیانی فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیکر قادیانیوں کو کلیدی آسامیوں سے فوراً ہٹائے کیونکہ ختم نبوت کے نام پر قائم کردہ ملک میں ختم نبوت کے باغی کلیدی آسامیوں پر فائز نہیں رہ سکتے۔

مولانا نیازی نے اپنی پریس کانفرنس میں بتایا کہ کنونشن نے مطالبہ کیا ہے کہ حکومت کو اس امر کا موقعہ نہ دیا جائے کہ وہ کہے کہ مجلس عمل اپنے مطالبات منوانے کیلئے تشدد پر اتر آئی ہے مولانا نے حکومت کو متنبہ کیا کہ اگر ہمارے جائز مطالبات تسلیم نہ کئے گئے تو حکومت کو بھی ”باغیان ختم نبوت“ کے زمرہ میں شمار کیا جائے گا اور اس وقت ہم حکومت کے کسی حکم کو ماننے کے پابند نہ ہونگے۔

مولانا نے کہا کہ کنونشن ملک میں تخریبی کارروائیوں کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ملک میں ہر قیمت پر امن و امان قائم کرنیکی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔

مولانا نیازی نے کہا کہ ہم نے کنونشن میں یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ سر دست ہمارا تصادم حکومت سے نہیں ہے یہ تو قادیانی جماعت خود ہم سے الجھ پڑی ہے۔ ربوہ اسٹیشن پر جو بربریت اور درندگی کا مظاہرہ ہوا ہے اس کے نتیجے میں از خود ردِ عمل کے طور پر کارروائی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس علاقہ میں بھی جانی نقصان ہوا ہے وہاں پہل قادیانیوں ہی نے کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ جھگڑا ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے کیونکہ یہ ملک تو حید اور ختم نبوت کے نظریہ پر حاصل کیا گیا ہے اور ختم نبوت پر ایمان دستور کا حصہ ہے اس لئے کسی شخص فرقہ اور گروہ کو یہ اجازت نہ دی جائے کہ وہ نظریہء پاکستان یا عقیدہ توحید کی مخالفت کرے اور اکثریت کی دل آزاری کرے۔ قادیانی روز اول ہی سے پاکستان کیخلاف ہیں اور انہوں نے علاقہ قادیان کو الگ یونٹ بنوانے کیلئے گورداسپور کو اقلیت میں بدل دیا اور پٹھان کوٹ سے کشمیر کا راستہ بھارت کو دے دیا۔ قادیانی آج بھی کہتے ہیں کہ بھارت اور پاکستان ایک ہو جائیں۔ مرزا بشیر العوین محمود کوربوہ میں امانتاً دفن کیا گیا ہے اور اس کی وصیت ہے کہ اسے قادیان میں دفن کیا جائے۔

مولانا نیازی نے مزید کہا کہ موتمر عالم اسلامی کے اجلاس مکہ میں ۱۰۰ ممالک کے نمائندوں نے مطالبہ کیا تھا کہ قادیانیوں کو کافر قرار دیا جائے لیکن اگر اہل اسلام حکومت سے مطالبہ کریں کہ صدر اور

وزیر اعظم کے حلف کے تحفظ کی خاطر قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائے تو ہمارا یہ مطالبہ مذہبی جنون یا ملائیت کی تنگ نظری نہیں۔ ہمارے سامنے اس ضمن میں چینی اور روسی کمیونسٹوں کی مثال موجود ہے۔ مولانا نیازی نے سر ظفر اللہ خاں (آنجنہانی ۱۹۸۵ء) کی حالیہ پریس کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ حکومت پاکستان کی عدلیہ اور انتظامیہ سے بالابالا ایک داخلی مسئلہ کے ضمن میں عالمی رائے عامہ کو مداخلت کی دعوت دے رہا ہے اور یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ وہ ایک بین الاقوامی گروہ ہے ان حالات میں ایک ایسے گروہ کو جس کی وفاداری بھی مشکوک ہے کنونشن یہ مطالبات کرنے میں حق بجانب ہے۔

کنونیشن میں جمعیت علمائے پاکستان، پاکستان مسلم لیگ، پاکستان جمہوری پارٹی، جمعیت علمائے اسلام، نیشنل عوامی پارٹی، جماعت اسلامی، مجلس تحفظ ختم نبوت، تنظیم اہل سنت و جماعت، تبلیغی جماعت، ادارہ تحفظ حقوق شیعہ، قادیانی محاسبہ کمیٹی، مجلس احرار و دیگر دینی جماعتوں اور طلباء کے نمائندوں نے شرکت کی۔

تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں مولانا نیازی کو جن مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا، اخبارات کی فائلیں ان کی شاہد عادل ہیں۔ مولانا نے اپنی علالت بڑھاپے اور حکومت کی ستم رانیوں کی بالکل پرواہ نہ کی۔ مسلم مسجد بیرون لوہاری گیٹ لاہور میں مولانا نے خطبہ جمعہ المبارک دیتے ہوئے قادیانیت کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اس کے بعد آپ نے مسجد وزیر خان میں اپنے ساتھیوں سمیت گرفتاریاں پیش کرنا تھیں مگر جب مولانا، مسلم مسجد سے واپس اپنے گھر تشریف لے گئے تو حنیف رامے وزیر اعلیٰ پنجاب کے ایماء پر آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور نماز عشاء کے بعد رہا کر دیا گیا۔

اس تحریک کے دوران مولانا نیازی نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں ایک خط لکھا جو اپنے دوست الحاج چوہدری فتح محمد بٹالوی کیساتھ شیخ غلام رسول المعروف بلیانوالے (ف ۱۹۸۶ء) جو مسجد نبوی میں جاروب کش تھے کو پہنچایا۔ اس خط میں یہ لکھا تھا کہ میری طرف سے حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں سلام عرض کریں اور پھر درخواست کریں کہ ”آپ نے ڈیوٹی سخت لگادی ہے۔ بڑی مشکلات ہیں رکاوٹیں ہیں۔ ساز و سامان نہیں ہے۔ آپ توجہ فرمائیں کہ وسائل پیدا ہوں اور رکاوٹیں دور

ہوں“ سے

از سہر بارگاہت یک جہاں وافر نصیب
جلوہ داری در لبع از وادی سینائے من
با خدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار
یا رسول اللہ او پہناں و تو پیدائے من

(پیام شرق ۱۸۳)

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی
گرد تو گردد حریم کائنات
از تو خواہم یک نگاہے التفات

(پس چہ باید کرد ۵۶-۵۷)

جب یہ خط با غلام رسول کو پہنچا اور انہیں بتایا گیا کہ یہ خط مولانا عبدالستار خاں نیازی نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں ارسال کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ ”وہ نیازی طرے والا میں اس کو جانتا ہوں۔ میں نے پچھلے سال حج کے موقعہ پر اسے دیکھا تھا آپ نے مجھے خط دے دیارات کو میں حضور اقدس ﷺ کے دربار میں عرض کر دوں گا۔ صبح کو جواب لے لینا“۔ پھر جواب آیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:-

”رکاوٹیں دور ہو جائیں گی، غیب سے سامان پیدا ہو جائے گا۔“

اور پھر واقعی غیب سے سامان پیدا ہو گیا۔ مرزا بیت کا مسئلہ حل ہو گیا۔ تحریک ختم نبوت کامیابی سے ہمکنار ہو گئی۔

آپ نے یکم ستمبر ۱۹۷۴ء کو حضرت اورنگ زیب کی بنا کردہ مسجد (بادشاہی مسجد لاہور) میں ”مجلس عمل تحفظ ختم نبوت“ کے زیر اہتمام تاریخی جلسہ عام سے خطاب کر کے تحریک کو فیصلہ کن مراحل میں داخل کر دیا۔ بالآخر آپ کی کوششیں رنگ لائیں اور ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان قومی اسمبلی نے

قادیانیوں کو ”غیر مسلم اقلیت“ قرار دے کر قادیانی تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی اور یوں حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی پورا ہو گیا۔

مولانا نیازی نے اپنی چلائی ہوئی تحریک کو اپنی زندگی ہی میں کامیاب اور بار آور دیکھ کر بارگاہِ ایزدی میں سجدہ شکر ادا کیا اور دربارِ مصطفیٰ ﷺ میں اشکوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہوئے کہ۔

”یا رسول اللہ! میں نے مقامِ مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کی خاطر

تن، من، دھن کی بازی لگا دی تھی، تختہء دار کو بھی چوما تھا اور اپنی تمام تر مساعی اس سلسلہ میں صرف کر دی تھیں تاکہ جھوٹے نبی کی جھوٹی نبوت کا قلع قمع ہو جائے۔ یا رسول اللہ! مقامِ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ان ناچیز کاوشوں کو قبول فرما کر آپ کی ختم نبوت کا جھنڈا گاڑ دیا ہے اور جھوٹے نبی کی جھوٹی نبوت کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مردود قرار دے دیا ہے لیکن پھر بھی میں آپ کی غلامی کا احسن طریقے سے حق ادا نہ کر سکا۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

میں اپنی اس کوتاہی، سستی اور غفلت پر پریشان ہوں، پریشان ہوں۔

یا رسول اللہ! میری لاج رکھ لہجیو

زکرۃ خویش حیرانم سیاء محمد روزِ عصیانم

پشیمانم، پشیمانم، پشیمانم یا رسول اللہ!



مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی

(۱۸۹۲-۱۹۵۴ء)

شاہ احمد نورانی آپ کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ ۱۳ اپریل ۱۸۹۲ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ آپ مایہ ناز عالم دین، مفکر اور شہر آفاق مبلغ تھے آپ کے والد ماجد کا نام مولانا محمد عبدالکلیم تھا۔ آپ کو متعدد زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ ۱۹۵۱ء میں آپ نے دنیا بھر کا تبلیغی سفر کیا اور تمام مذاہب کے لوگوں کو دعوت اسلام دی۔ دنیا کی اہم ترین شخصیات مثلاً قائد اعظم، مراکش کے غازی عبدالکریم، فلسطین کے مفتی اعظم سید امین الحسینی، اخوان المسلمین مصر کے قائد حسن البنا، سری لنکا کے جسٹس ایم مدوانی، کولمبو کے جسٹس ایم ٹی اکبر، سنگاپور کے راہنما ایس این دت اور مشہور ڈرامہ نگار جارج برنارڈ شا سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ نے متعدد ممالک میں خوبصورت مساجد تعمیر کروائیں۔ ۱۹۴۹ء میں سنگاپور میں تنظیم بین المذاہب کی بنیاد رکھی۔ (انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا۔ صفحہ ۶۵۸)

آپ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ ایک ہی وقت میں آپ بلند پایہ عالم دین، کامیاب سیاستدان اور فاتح مناظر تھے۔ آپ نے دیگر تمام مصروفیات کے باوجود گمراہ فرقوں کی سرکوبی کے لئے نہایت اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔ فتنہ قادیانیت کے استحصال کے لئے آپ نے متعدد مناظرے کئے۔ بے شمار جلسوں میں چہرہ قادیانیت سے نقاب الٹا اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے ایک مستقل تصنیف ”مرزائی حقیقت کا اظہار“ یکم مئی ۱۹۲۹ء کو شائع فرمائی۔ مولانا اللہ وسایا صاحب آپ کی تصنیف پر تبصرہ فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

”ایک مبلغ اسلام ہونے کے ناطے مصنف کی بڑی خدمات ہیں۔ اندرون و بیرون ہند آپ نے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ رد قادیانیت کے سلسلہ میں آپ کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔ ایک سفر میں مرزائیوں کا ایک اشتہار ”حقیقت کا اظہار“ آپ کو ملا اس اشتہار میں آپ کو مخاطب کیا گیا تھا۔ آپ نے اس کا مسکت جواب لکھا جسے تین حصوں میں علیحدہ علیحدہ تقسیم کیا گیا۔ یوں

یہ کتاب سفر میں ہی تیار ہو گئی۔ اس رسالہ کا ترجمہ عربی میں ”مرآة“ اور انگریزی میں The mirror کے نام سے ہوا (قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کی سرگزشت صفحہ ۲۱۱)

آپ کی وفات ۱۲ اگست ۱۹۵۴ء کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور آپ جنت البقیع میں راحت

فرما ہیں۔ (اکابر اہل سنت صفحہ ۲۴۲ از علامہ عبدالحکیم شرف قادری)

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی فرماتے ہیں کہ میرے والد نے ابتدا سے آخر تک افریقہ، ملیشیا،

سیلون، یورپ اور امریکہ کی سرزمین پر ہمیشہ لوگوں کو اس فتنہ سے آگاہ کیا۔ والد ماجد کی انگریزی زبان

میں تصنیف The mirror کے نام سے موجود ہے۔ جو کئی پبلیکیشنز نے شائع کی ہے۔ اور اردو زبان

میں ”مرزائی حقیقت کا اظہار“ موجود ہے عربی زبان میں مصر کی چھپی ہوئی ”المرآة“ انڈونیشی زبان میں

بھی ”مرزائی حقیقت کا اظہار“ نامی کتاب کا ترجمہ ہوا اور اس کی اشاعت کے بعد ملیشیا میں بہت

زبردست تحریک اٹھی۔ یہاں تک کہ ملیشیا میں مرزائیوں کا داخلہ ممنوع ہو گیا تھا۔ (ماہنامہ ضیائے حرم

لاہور تحریک ختم نبوت نمبر صفحہ ۴۳ از پیر کرم شاہ الازہری)

مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی

ص ۲

جنت البقیع

مدینہ منورہ

مولانا غلام دستگیر الهاشمی القصوری

(پ: ۱۸۹۷ء)

سرمایہ اہلسنت مولانا محمد عبدالرحمن غلام دستگیر قصوری ہاشمی، قریشی صدیقی لاہور کے محلہ چلہ بیہیاں اندرون موچی دروازہ لاہور میں پیدا ہوئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی کا نام مولانا حسن بخش صدیقی تھا۔ (تذکرہ علمائے اہلسنت وجماعت لاہور از پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صفحہ ۲۰۰)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ دستگیر یہ میں اپنے علمی خاندان کا تعارف ان الفاظ میں کروایا ہے ”میرا خاندان بزرگوار قصور میں بہت مشہور ہے۔ جن سے اطراف ہند و پنجاب و ڈیرہ جات تک کے خاص و عام فیض یاب و تاثیر مرام ہیں۔“ (تحفہ دستگیر یہ صفحہ ۱۵۵)

آپ کو قرآن پاک سے عشق تھا۔ آپ نہایت خوش الحانی سے قرآن پاک پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جو کچھ بھی پایا ہے قرآن خوانی سے پایا ہے۔ آپ علیہ رحمۃ اللہ کی شہرت و عزت کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنے بچوں کے نام آپ علیہ رحمۃ اللہ کے نام پر رکھا کرتے تھے۔ مولانا غلام دستگیر نامی کا نام بھی آپ کے نام پر رکھا گیا تھا۔ اس کا اعتراف مولانا غلام دستگیر نامی نے تاریخ جلیلہ میں خود کیا ہے۔

مسلم اہل سنت وجماعت کی ترویج اور فتنہ پرور مسالکت کی تادیب کے لیے آپ نے جو خدمات سرانجام دی ہیں جناب پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

”مولانا کی زندگی اہلسنت وجماعت کی اعتقادی زندگی سنوارنے کے لیے ایک مسلسل جہاد تھی انگریز کی آمد کے ساتھ ہی پنجاب و ہند میں کئی قسم کے اعتقادی فرقوں نے جنم لیا اور نظریاتی الجھنیں پیدا کر دی گئیں۔ چونکہ اس ملک میں اہل سنت وجماعت ہی سواد اعظم تھا اور علمائے اہل سنت ہی جنگ آزادی میں پیش پیش تھے۔ انگریز نے ان علمائے کرام کو جو جنگ آزادی میں شریک تھے تحتہ دار پر

لٹکانے اور کالے پانی کی عمر قید کے بعد نئے فتنہ پروروں سے اہل سنت و جماعت کے اعتقادی قلعہ کو کھوکھلا کرانے کی بھرپور کوشش کی۔ مولانا اس طوفان کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ آپ، نیچری، عیسائی اور مرزائی معاندین کے اعتراضات کا جواب دیتے تھے۔ انکی فتنہ ریزیوں کی بیخ کنی کے لیے آپ ہر شہر اور ہر قصبہ پہنچے۔ مناظروں کے لیے ہر محاذ پر ڈٹ جاتے۔ بد اعتقاد مناظرین کو شکست فاش دینے کے بعد آپ موضوع مناظرہ پر مفصل کتاب لکھتے اور مفت تقسیم کرتے۔ آپ پنجاب بھر میں قریہ بہ قریہ گئے اور لوگوں کے سینوں کو نور سنیت سے معمور فرمایا۔ اس تمام کام کے لیے آپ نے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ غیر مقلدین آپ سے منہ چھپاتے پھرتے تھے اور آپ کی آمد کا سن کر علاقہ چھوڑ جاتے تھے۔ مرزائی آپ کی لٹکار سے گھبرا جاتے تھے نیچری مقابلہ کی تاب نہ لا کر دم بخود ہو جاتے۔ عیسائی مشنری اپنی مادی قوتوں اور حکمرانی کے باوجود مناظرہ میں نہ ٹھہر سکتے تھے۔“ (تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور از پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صفحہ ۲۰۴)

اس مختصر تعارف کے بعد ہم عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے کی گئی آپ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۰۱ھ ہجری سے فتنہ قادیانیت کا محاسبہ شروع کیا اور عوام الناس کو مطلع کیا کہ قادیانی تحریک مسلمانوں کو کس سمت لے جانا چاہتی ہے۔ مرزا قادیانی کی پہلی کتاب ”براہین احمدیہ“ تھی۔ یہ ذوالحجہ ۱۳۰۱ھ ہجری میں چھپ کر منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں مرزا قادیانی نے اپنے الہامات کا تذکرہ کیا تھا اور اس سے برصغیر کے اعتقادی حلقوں میں ایک نئی کش مکش شروع ہو گئی۔ اس کے حق اور مخالفت میں تبصرے آنے لگے۔ تو مولانا غلام دستگیر قصوری نے ”رجم الشیاطین براغلوالات البراہین“ لکھ کر براہین احمدیہ کی حقیقت سے عوام و خواص کو مطلع فرمایا۔ ”رجم الشیاطین براغلوالات البراہین“ کا شمار ان ابتدائی کتابوں میں ہوتا ہے جن میں مرزائے قادیان اور اسکی کفریہ تحریروں کا محاسبہ کیا گیا ہے۔ رجم الشیاطین ۱۳۰۲ھ ہجری میں طبع ہوئی۔ مولوی رحمت اللہ صاحب کیرانوی مہاجر کئی جوان دنوں سلطان ترکی کے شیخ الاسلام تھے نے جب رجم الشیاطین کا مطالعہ فرمایا تو مرزا قادیانی کے خلاف فتویٰ کفر دے دیا۔ یہ پہلا فتویٰ کفر تھا جو بیرون ہند سے

مرزا قادیانی کے خلاف دیا گیا۔ اگرچہ اس فتویٰ کی تائید دیگر علمائے حرین و عجم نے فرمادی تھی مگر مولانا غلام دستگیر صاحب قصوریؒ کی کوشش تھی کہ مرزا قادیانی اپنی غلطیوں کا ازالہ کرے اور تائب ہو جائے۔ ۱۳۱۲ ہجری تک آپ نے انتظار فرمایا۔ مگر جب مرزا قادیانی راہ راست پر آتا دکھائی نہ دیا تو صفر ۱۳۱۳ ہجری میں یہ فتویٰ شائع کر دیا گیا۔ اس فتویٰ کا شائع ہونا تھا کہ قادیانی ریاست میں ایک زلزلہ برپا ہو گیا۔ کیونکہ قبل ازیں وہ یہ تاثر پھیلانے ہوئے تھے کہ ہندوستان کے چند شہر پسند و جاہ طلب مولوی مرزا قادیانی کے خلاف ہیں ورنہ سارا عالم اسلام بشمول حرین شریفین و ترکی و مصر وغیرہ مرزا قادیانی کو قابل تقلید مصلح و نبی مانتا ہے۔ مگر جب مذکورہ فتویٰ منظر عام پر آیا تو قادیانیوں کا سارا پراپیگنڈہ ناکام ہو گیا۔ عوام پہلے کی نسبت زیادہ شدت سے فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کیلئے مستعد ہو گئے۔

جب علمائے حرین الشریفین کا مذکورہ فتویٰ سامنے آیا تو مرزا قادیانی نے ۱۳۱۳ھ میں رسائل اربعہ کے نام سے ایک پمفلٹ شائع کیا اور مولانا غلام دستگیر قصوریؒ کو دعوت مباہلہ دی۔ اس مباہلہ کی مفصل کیفیت آپ کی کتاب ”فتح رحمانی بہ دفع کید قادیانی“ کے دیباچہ میں ان الفاظ میں شائع ہوئی ہے۔

”اخیر رجب ۱۳۱۴ھ میں مرزا قادیانی نے رسائل اربعہ فقیر کو بھیج کر دوسرے علمائے کرام کے ساتھ فقیر کو بھی مباہلہ کے لیے قسمیں دے کر بلایا اور مباہلہ سے بھاگنے والوں کو ملعون بتایا۔ فقیر نے بہ نظر صیانت عقاید اہل اسلام مرزا قادیانی کو قبولیت مباہلہ لکھ کر بھیج دیا۔ ۱۳۱۴ھ تاریخ مقرر کر کے مع اپنے دونوں فرزند زادوں کے ۲ شعبان وارد لاہور ہوا جس پر مرزا قادیانی کی طرف سے حکیم فضل دین لاہور میں آیا اور ایک مجمع کثیر کر کے مسجد ملا مجید (واقع چلہ پیمیاں موچی دروازہ) فقیر پر معترض ہوا کہ مرزا قادیانی نے آپ کی یہ غلطی نکالی ہے کہ مباہلہ قرآن میں صیغہ جمع ہے آپ تنہا کیونکر کر سکتے ہیں۔ فقیر نے اسی مجمع میں اپنے رقعہ قبولیت مباہلہ سے اپنے فرزندوں کی شمولیت سے اپنا جمع ہونا ثابت کر دیا بلکہ اس وقت دونوں کو رو برو کر دکھایا جس پر مرزا قادیانی اور اس کے حواریں کی غلطی مانی گئی۔ پھر ظہور اثر مباہلہ کے لیے مرزا قادیانی نے ایک برس کی میعاد رکھی تھی۔ فقیر نے بدلیل قرآن و حدیث اٹھانا چاہا۔ اس پر حکیم مذکور اور مرزا قادیانی نے ہٹ کی جس پر فقیر نے ۱۴ شعبان کو اشتہار شائع کیا اور میعاد

۲۵ شعبان مقرر کی اور اخیر شعبان تک منتظر رہا اور امر تسر جا کر مرزا قادیانی کو قادیان سے بلا یا وہ مباہلہ کے لیے نہ آئے اور اشتہار مورخہ ۲۵ شعبان بجواب اشتہار فقیر اس مضمون شائع کیا کہ تمام احادیث صحیحہ سے ظہور اثر مباہلہ کی میعاد ایک سال ثابت ہے اور مدعی نبوت پر لعنت بھیجتا ہوں اور میری تکفیر کرنے والے تقویٰ اور دیانت کو چھوڑنے اور مجھ کو باوجود کلمہ گو اور اہل قبلہ ہونے کے کافر ٹھہراتے ہیں۔ اس کے جواب میں فقیر نے پندرہ اکابر علمائے اہلسنت لاہور، قصور اور امرت سر سے بدلیل قرآن کریم تصدیق کرایا کہ مباہلہ میں کوئی میعاد سال نہیں ہے۔ مرزا قادیانی نے محض بغرض دھوکہ دہی جواب کا جہل و طیرہ قید ایک سال لگائی ہے“

جب مرزا قادیانی کسی مباہلہ، مباحثہ، مناظرہ اور مفاہمہ کے لیے تیار نہ ہوا تو مولانا نے ان

الفاظ میں دعا کی:

”اے مالک الملک جیسا کہ تو نے ایک عالم ربانی حضرت محمد طاہر مؤلف مجمع الانوار کی دعا

وسعی سے اس مہدی کاذب اور جعلی مسیح کا بیڑہ غرق کیا تھا ویسا ہی دعا والتجا اس قصوری کان اللہ سے جو

سچے دل سے تیرے دین متین کی تائید حتی الوسع ساعی ہے۔ مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کو توبہ نصوح

کی توفیق رفیق عطا فرما۔ اگر یہ مقدر نہیں تو ان کو مورد اس آیت قرآنی کے بنا: ”فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ

الَّذِينَ ظَلَمُوا۔“ (الانعام: ۴۵)

آپ کی وفات کے بعد مرزا قادیانی کو فوراً ”الہام“ ہوا کہ مولوی غلام دستگیر قصوری اس کے

ساتھ مباہلہ کے نتیجہ سے مرے ہیں۔ حقیقۃ الوحی کی عبارت ملاحظہ ہو:

مولوی غلام دستگیر قصوری نے اپنے طور پر مجھ سے مباہلہ کیا۔ اپنی کتاب میں دعا کی جو کاذب ہے خدا سے

ہلاک کرے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۸)

لطف کی بات تو یہ کہ اس الہام کو اصول صداقت بنانے والا مرزا قادیانی خود موت کے

دروازے پر پہنچ کر اس اصول کو توڑ دیتا ہے۔ مرزا قادیانی ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار بدیں مضمون

نکالا:

”اے خدا! مجھ میں اور ثناء اللہ (امرت سری) میں سچا فیصلہ فرما اور جو تیری نگاہ میں حقیقت

میں جھوٹا و کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالے۔“

اس اشتہار کی اشاعت کے ایک سال تین ماہ بعد مرزا قادیانی تو دنیا سے اٹھ گیا اور مولوی ثناء

اللہ نشان صداقت بن کر کئی سال زندہ رہے۔ اب ساری مرزائی امت مولوی ثناء اللہ امرت سری کی

صداقت کا اعلان اس لیے نہیں کرتی کہ الہامات میں ترمیم کرنے والی نبوت خود زینت لحد ہو چکی تھی۔

اس جماعت کے بعض محققین اس مباہلہ اشتہاری کو مباہلہ کی صف میں نہیں لاتے۔ وہ اس مباہلہ کا ذکر

ضرور کرتے ہیں جو مولوی غلام دستگیر قصوری سے ایک طرف ہوا تھا، مگر کہتے ہیں کہ مولانا ہماری دعا سے

فوت ہوئے حالانکہ مولوی غلام دستگیر قصوری کی دعا میں یہ کہیں نہیں کہ جو جھوٹا ہو گا اسے مار بلکہ ”فَقُطِعَ

ذَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا۔“ (الانعام: ۲۵) میں قادیانیوں کی جڑ (مرکز قادیان) کو ختم کر نیکی التجا کی

تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مرکز کٹ گیا ہے۔ (علمائے اہلسنت و جماعت لاہور از اقبال احمد فاروقی صفحہ

(۲۱۵)

آپ کی وفات کے بعد قادیانیوں نے اپنے روایتی کذب و افتراء کا مظاہرہ کرتے ہوئے

مشہور کر دیا کہ مولانا غلام دستگیر قصوری مرزا قادیانی کے ساتھ مباہلہ کے نتیجے میں ہلاک ہو گئے ہیں اور

آپ کی نسل بھی آگے نہیں چل سکی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمن بڑے متقی

و پارساتھے انہی کی وجہ سے آپ اپنی کنیت ابو عبدالرحمن لکھا کرتے تھے۔ مولانا عبدالرحمن کے صاحبزادے

مولانا غلام ابوبکر تھے اور انکے صاحبزادے مولانا محمد اشرف ہوئے ہیں نیز آپکی صاحبزادی ہاجرہ بیگم

مرحومہ سید مراتب علی شاہ رئیس اعظم لاہور کے والد وزیر علی شاہ کی بیوی تھیں۔ جن کے لطن سے چار بچے

سید علی اکبر، سید اصغر علی، سید صفدر علی اور سیدہ منور بیگم آج بھی بفضل خدا اپنی اولاد کے ساتھ خوش و خرم

زندگی گزار رہے ہیں۔ (تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور از اقبال احمد فاروقی صفحہ ۲۱۷)

حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑانی

(۱۸۴۱ء-۱۹۰۱ء)

ریاست بہاولپور کے مشہور بزرگ حضرت غلام فرید صاحب سلسلہء چشتیہ کے مشائخ میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے وہ عالم عابد، محدث صوفی اور سرائیکی زبان کے بہت بڑے شاعر تھے مگر ان کی شاعرانہ حیثیت نے ان کی دوسری حیثیتوں کو اس طرح دبا لیا ہے کہ اب وہ عام لوگوں میں ایک شاعر کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ وہ بہت بڑے شاعر تھے اور اپنی زبان میں نہایت عمدہ اشعار کہتے تھے ان کے کلام میں اخلاقی مضامین کے ساتھ ساتھ صوفیانہ خیالات کی چاشنی بھی ہے۔ آپ شیخ ابن عربی کے فلسفہ، تصوف اور نظریہ وحدۃ الوجود کے زبردست مبلغ تھے۔ اور فلسفیانہ خیالات کو نہایت سلیقے سے شعر کے سانچے میں ڈھالتے تھے مگر اس وقت تک آپ کی زندگی کے کئی اہم گوشے عام لوگوں کی نگاہوں کے سامنے نہیں ہیں۔ بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ آپ سیدنا فاروق اعظمؓ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے خاندان کے مورث اعلیٰ یحییٰ بن مالک جو ناصر بن عبداللہ کے پڑپوتے تھے۔ عرب سے چل کر ہندوستان آئے اور سندھ کے مشہور شہر ٹھٹھہ کے قریب ایک گاؤں میں آباد ہو گئے۔ کئی پشتوں کے بعد اس خاندان کے ایک بزرگ مخدوم محمد شریف سندھ سے نکل کر ملتان جا پہنچے اور کافی عرصہ ملتان کے مضافات میں رہنے کے بعد اپنے ایک مرید مٹھن خاں کے اصرار پر کوٹ مٹھن شریف تشریف لے گئے اور پھر ہمیشہ کے لئے وہیں کے ہو رہے۔ خواجہ صاحب کا خاندان کئی پشتوں سے علم و فضل اور روحانیت کا مرکز چلا آ رہا ہے۔ خواجہ صاحب نے دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنے وقت کے جید اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے آپ کے ابتدائی استاد مولانا احمد یار مرحوم اور مولانا قاسم الدین تھے۔ جب آپ کتابوں کی تکمیل کر چکے تو خاندانی روایت کے مطابق تدریس علوم میں مشغول ہو گئے۔ تدریس کے بعد عام ملنے والے جمع ہو جاتے تو آپ اصلاح باطن کے لئے ان کو بہت کچھ بتاتے کبھی کسی آیت کی تفسیر اور کسی حدیث کی تشریح کر دیتے کبھی صحابہ کرامؓ کے ایمان افروز

واقعات سناتے کبھی مسائل تصوف چھیڑ دیتے اور تزکیہء نفس کے طریقے بتاتے کبھی بزرگان دین کی کرامات اور اتباع سنت کے واقعات سناتے۔ خواجہ صاحب مجلس میں جو کچھ ارشاد کرتے لوگ اسے بڑی دلچسپی اور شوق سے سنتے مگر یہ ارشادات قلمبند ہونے سے رہ جاتے۔ اس بات کا احساس کرتے ہوئے ایک دن مولوی رکن الدین صاحب نے آپ سے عرض کیا حضور مجھے ملفوظات قلمبند کرنے کی اجازت دیجئے تاکہ یہ ہمیشہ کے لئے محفوظ رہ جائیں۔ حضرت کے اجازت دینے پر وہ قلم دوات لے کر پاس بیٹھ جاتے اور خاص خاص باتیں لکھتے جاتے مولوی صاحب کے ساتھ ان کا ایک دوست غلام احمد اختر بھی خواجہ صاحب کی مجلس میں آتا۔ یہ اوج شریف کارہنہ والا تھا فارسی کا اچھا شاعر اور پڑھا لکھا آدمی تھا مگر تھا قادیانی۔ جب خواجہ صاحب کی مجلس میں حاضر ہوتا تو مختلف دینی مسائل پر ان سے گفتگو کرتا کبھی کبھی مرزا قادیانی کا ذکر بھی چھیڑ دیتا۔ اور اس کے تبلیغی کاموں اور مناظروں کی تفصیل سناتا وہ چاہتا تھا کہ خواجہ صاحب بہت بڑے عالم بزرگ اور مسلمانوں کے روحانی پیشوا ہیں اگر یہ مرزا کے کسی دعوے کی تصدیق کر دیں یا اس کی تعریف میں ایک آدھ کلمہ بھی کہہ دیں تو اس سے قادیانیت کو تقویت ملے گی اور مسلمانوں کے دلوں میں مرزا کے خلاف جو شدید نفرت پائی جاتی ہے وہ بھی کم ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے خواجہ صاحب کی طرف سے مرزا قادیانی کے نام عربی میں ایک خط لکھا جس کی عبارت میں اس قسم کے فقرے شامل کئے کہ ”میں آپ کے تبلیغی کاموں سے بہت خوش ہوں اور آپ کے لئے دعا کرتا ہوں آپ اللہ کے نیک بندوں میں سے ہیں۔ آخر میں یہ استدعا کرتا ہوں کہ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرا خاتمہ بالخیر کر دے۔ اس خط پر اس نے خواجہ صاحب کے دستخط کرائے اور مولوی رکن الدین سے مہر لگوا کے مرزا کے پاس بھیج دیا۔ مرزا قادیانی نے جب کھول کر پڑھا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اس نے فوراً خواجہ صاحب کا شکر یہ ادا کرنے اور ان کو اپنے تبلیغی کاموں کی تفصیل بتانے کے لئے خط لکھا جو غلام احمد اختر قادیانی نے خواجہ صاحب کو پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد مرزا کے دو خط اور بھی موصول ہوئے جو پڑھ کر سنائے گئے۔ یہ خطوط مولوی رکن الدین نے اپنے دوست کے اصرار پر خواجہ صاحب کے ملفوظات میں شامل کر دیے۔ کتاب اشاعت کے لئے آگرہ بھجوا دی گئی جب یہ کتاب اشارات فریدی کے نام سے چھپ کر منظر عام پر آئی تو اس کے تیسرے حصہ میں خواجہ صاحب کا

خط اور مرزا کے تینوں خطوط شامل تھے۔ جب آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد بخش صاحب نازک نے یہ خطوط پڑھے تو غصے سے لال پیلے ہو گئے اور فرمایا یہ خطوط کتاب سے نکال دیے جائیں میرے والد اور خاندان میں سے کسی کے یہ عقائد نہیں ہیں۔ ہم سب مرزا کے باطل مذہب کے منکر ہیں۔ اسی طرح جب خواجہ ہوت محمد صاحب سجادہ نشین شیدانی شریف سے ایک خط کے ذریعے ان خطوط کے بارہ میں استفسار کیا گیا تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا۔

خواجہ صاحب نے مرزا کو من عباد اللہ الصالحین لکھا مگر بعد میں جب اس کے عقائد طشت از بام ہوئے تو علانیہ صاحب موصوف فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے غلطی سے لکھا ہے یہ تو کافر ہے۔

مولانا جندوڈہ سیت پوری اور مولانا محمد حامد شیدانوی جو اکابر علماء میں سے تھے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے بارہا خواجہ صاحب کی زبان سے یہ سنا کہ یہ تو کافر ہے ہم بھی اسے کافر کہتے ہیں۔ (ماہنامہ الفریڈ ۱۳۵۱ء)

سوچنے کی بات ہے اگر خواجہ صاحب کے مرزا قادیانی سے ذاتی نوعیت کے تعلقات ہوتے یا وہ اس کے علم و فضل اور اخلاق و اوصاف سے متاثر ہوتے یا اس کے تبلیغی کاموں کی تعریف کسی معتبر آدمی سے سنتے تو ضرور اپنی مجالس میں اس کی دینی خدمات کا ذکر کرتے اور ان کے مریدین اور خلفاء ان کے منہ سے مرزا کی تعریف سن کر اس کے گرویدہ ہو جاتے۔ او اپنے اپنے حلقوں میں اس سے عقیدت کا اظہار کرتے رہتے مگر یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہے۔ انکے تمام مریدین مرزا کو کافر، مرتد، دجال اور مسلمیہء وقت کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ مرزائیوں نے اپنے مطلب کے لئے خواجہ صاحب کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر دیئے۔ ان کے جذب و ولایت اور کشف و کرامت کے خوب چرچے کیے اور مرزا سے ان کے تعلقات ظاہر کرنے کے لئے کئی جھوٹے اور من گھڑت واقعات شائع کئے مگر خواجہ صاحب کے کسی ایک فقرے سے یہ ثابت نہ کر سکے کہ انہوں نے مرزا قادیانی کے کسی دعوے کی تصدیق کی ہے۔

مرزا قادیانی کی تکذیب میں خواجہ صاحب کا وہ واقعہ بھی پوری شد و مد سے پیش کیا جاسکتا ہے جو اشارات فریدی کی جلد سوم میں ہے کہ ایک روز مجلس میں باتیں کرتے ہوئے کہتے ہیں مرزا قادیانی

نے پادری آتھم کے بارے میں جو پیش گوئی کی تھی کہ وہ ایک سال کے اندر مر جائیگا غلط ثابت ہوئی۔ پھر فرمایا جب میں نے حکیم نور الدین سے اس کا ذکر کیا کہ پادری آتھم کے بارے میں مرزا قادیانی کی پیش گوئی غلط ثابت ہوئی ہے تو وہ کہنے لگے کہ ہم لوگوں کا مرزا کے حق میں ایسا اعتقاد نہیں ہے جو پیش گوئیوں کے غلط ثابت ہو جانے سے ختم ہو جائے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہمیت مرزا قادیانی کی کتاب انجام آتھم کے اس اقتباس کو حاصل ہے جو جج محمد اکبر صاحب نے مقدمہ مرزا سیہ بہاولپور کا فیصلہ لکھتے وقت نقل کیا ہے کہ مرزا قادیانی انجام آتھم کے صفحہ نمبر ۶۹ پر لکھتا ہے:-

”اب ہم ان مولوی صاحبان کے نام ذیل میں لکھتے ہیں کہ جن میں سے بعض تو اس عاجز کو کافر کہتے ہیں اور مفتری بھی بعض کافر کہنے سے سکوت اختیار کرتے ہیں مگر مفتری کذاب اور دجال نام رکھتے ہیں بہر حال یہ مکفرین اور مکذبین مبالغہ کے لئے بلائے گئے ہیں اور ان کے ساتھ وہ سجادہ نشین بھی ہیں جو میرے مکفر اور مکذب ہیں۔“ اس کیساتھ علماء اور مشائخ کی فہرست دی ہے جس میں دوسرے مشائخ کیساتھ خواجہ صاحب کا نام یوں درج ہے۔

”میاں غلام فرید صاحب چشتی چاچڑاں علاقہ بہاولپور۔“ حضور اکرم کی ختم نبوت کے بارے میں خواجہ صاحب کا وہی عقیدہ تھا جو ۱۴ سو سال سے تمام مسلمانوں کا متفقہ چلا آ رہا ہے۔ جس نبوت کے بارے میں کتاب و سنت نے صاف صاف یہ کہہ دیا ہے کہ یہ محمد ﷺ پر ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی ہے۔ اب ان کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا اور قتل کا سزاوار ہے تو ایک ایسا شخص جو کتاب و سنت کے مطالب پر گہری نظر رکھتا ہو اور وعظ و ارشاد سے ہزاروں آدمیوں کے دل بدل چکا ہو اس مسلمہ عقیدے سے کیسے انحراف کر سکتا ہے! ختم نبوت کے بارے میں خواجہ صاحب نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ اتنا صاف اور واضح ہے کہ اس میں ابہام کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ فوائد فرید یہ میں فرماتے ہیں۔

”ختم المرسلین سید النبیین محبوب اللہ تعالیٰ حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہ کہ افضل از تمام انبیاء است و سبب ایجاد او شاں و تمام عالم است و حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام در وجود و ظہور بعد تمام انبیاء است کہ پس ایشاں حکم رسالت جو گشت و حکم ولایت صادر۔“

(فوائد فرید یہ ص ۱۳)

مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ کے رفع آسمانی کے بارے میں جو عقیدہ ظاہر کیا تھا وہ کتاب و سنت کی تصریحات اور مسلمانوں کے اجماعی عقیدے کے بالکل خلاف تھا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر نہیں اٹھائے گئے تھے بلکہ وہ طبعی موت مرکز زمین میں دفن ہوئے تھے۔ اب ان کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ آسمان سے اتر کر زمین پر آئیں گے اور جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ قیامت سے پہلے اپنے وقت پر ظاہر ہوں گے اور کئی امور انجام دیں گے وہ میں ہوں۔ مگر خواجہ صاحب نے مسیح کی آمد کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ مرزا کے اقوال کی تکذیب کرتا ہے اور ان روایات کے مطابق ہے جو نزول مسیح کے بارے میں کتب احادیث میں آئی ہیں۔ خواجہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

”بدانکہ در زمان دجال پلید ظہور حضرت عیسیٰ
علیہ السلام خواہد شد و آں پلید را خواہد کشت و
بر سلطنت حضرت عیسیٰ علیہ السلام خواہد نشست
و تابع دین حضرت رسول اللہ ﷺ خواہد شد۔“

(فوائد فریدیہ)

خواجہ صاحب صاف صاف فرما رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال پلید کے زمانے میں آئیں گے وہ دجال کو قتل کریں گے۔ حکومت کریں گے وہ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئیں گے بلکہ شریعت محمدی کے تابع ہوں گے یہی عقیدہ قرآن و احادیث سے ثابت ہے اور شروع سے اب تک امت کے تمام مسلمانوں کا چلا آ رہا ہے۔ مگر مرزا قادیانی کے عقیدے میں اس کی ایک بات بھی نہیں پائی جاتی۔ مرزا قادیانی کے دعوے میں ایک دعویٰ یہ بھی تھا کہ میں مہدی آخر الزمان ہوں۔ اس کی دلیل شیخ علی حمزہ کی کتاب جواہر الاسلام کی یہ روایت ہے۔

قال النبی یخرج المہدی من قریة یقال لها
کدعہ یصدقہ اللہ تعالیٰ ویجمع اصحابہ من
اقصى البلاد علی عدة اهل بدر بثلاث

مائة و ثلاثة عشر و جلا و معه صحيفة
مختومة (ای مطبوعه) فيها عدد اصحابه
باسمائهم و بلادهم و خلالهم۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مہدی اس گاؤں سے نکلے گا جس کا نام کدعہ ہے۔ خدا اس مہدی کی تصدیق کرے گا اور دور دور سے اس کے دوست جمع کرے گا جن کی تعداد اصحاب بدر کی تعداد کے برابر ۳۱۳ ہوگی اس کے پاس ایک مطبوعہ صحیفہ ہوگا جس میں ان دوستوں کے نام وطن اور خصائل مرقوم ہوں گے۔

اس روایت کے نقل کرنے کے بعد مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ کدعہ قادیان کا معرب ہے۔ اس سے مراد میرا گاؤں ہے۔

یہ نہ حدیث ہے اور نہ کسی حدیث کی کتاب میں پائی جاتی ہے مگر مرزا قادیانی نے ایک جھوٹی بات کو حضور کی طرف منسوب کر کے حدیث بنا دیا ہے۔ اس کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ یہ کسی کذاب کی وضع کی ہوئی ہے۔ امام مہدی کے ظہور اور علامات کے بارے میں جو روایات آئی ہیں وہ ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، مسند احمد، حاکم، طبرانی اور مسند یعلیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ ان روایتوں میں ظہور مہدی اور ان کی نشانیوں کے بارے میں کافی تفصیل بتائی گئی ہے مثلاً یہ کہ وہ اولاد فاطمہؑ میں سے ہوں گے، ان کا چہرہ حضورؐ کے چہرے سے مشابہ ہوگا، ان کا نام محمد والد کا نام عبد اللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا، وہ مدینہ میں ظاہر ہوں گے پھر مکہ تشریف لے جائیں گے، خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت آپ کو پہچان لے گی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرے گی، بیعت کے وقت آسمان سے یہ آواز سنی جائے گی۔

هذا خليفة الله المهدي فاستمعوا له واطيعوا اس عبارت کو پڑھ کر ذرا غور کیجئے کہ کیا مرزا قادیانی میں ان نشانیوں میں سے کوئی ایک نشانی بھی پائی جاتی ہے؟ اس کے باوجود پوری ڈھٹائی سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں مہدی آخر الزماں ہوں۔

خواجہ صاحب نے ظہور مہدی کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ مرزا قادیانی کے

کذب و افتراء کے بالکل خلاف اور ان روایات کے مطابق ہے جو مہدی کے بارے میں مختلف کتب احادیث میں آئی ہیں۔ چنانچہ فوائد فریدیہ میں فرماتے ہیں۔

”بدانکہ علامات قیامت کہ آمدن او از واجبات
است و منکر آں کافر است بسیار اندا کہ بحديث
شريف ثبوت يافته انداول ظہور مہدی کہ امام
اوليا خواهد شد ہفت سال بر سلطنت حکمرانی
مباشدوا کثر خلق را مطيع الاسلام گرداند۔“

(فوائد فریدیہ صفحہ ۲۵)

اشارات فریدی میں ہے کہ ”ایک روز امام مہدی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک فرقہ اس روایت لامہدی الا عیسیٰ ابن مریم کے تحت یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ ہی مہدی ہیں مگر یہ روایات بغایت ضعیف ہے۔ حضرت محمد ﷺ سے جو متواتر احادیث اس بارے میں منقول ہیں ان میں ہے کہ مہدی اولاد فاطمہؑ میں سے ہوں گے۔ عیسیٰ ان کی اقتدا میں نماز ادا کریں گے۔ امت کے تمام بزرگوں کا اس پر اتفاق ہے۔“ ملفوظات کی اسی کتاب اشارات فریدی میں ایک دوسری جگہ پر ہے۔

کہ ”خواجہ صاحب مجلس میں تشریف رکھتے تھے کسی نے امام مہدی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا شیعوں کے نزدیک مہدی آخر الزمان ان کے بارہویں امام محمد ابن الحسن العسکری ہیں جو دشمنوں کے خوف سے غار میں چھپ گئے تھے۔ وہ اپنے مقررہ وقت پر امام مہدی بن کر ظاہر ہوں گے۔ مگر اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ احادیث میں جس مہدی کے ظہور کی خبر دی گئی وہ کسی غار میں چھپا ہوا نہیں ہے بلکہ وہ اپنے وقت پر اولاد فاطمہؑ میں پیدا ہوگا اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ پھر کہنے لگے فقیر کی یہ رائے ہے کہ فرقہ امامیہ کے آخری امام ابوالقاسم بطریق بروز آل فاطمہؑ میں پیدا ہوں گے۔ پھر فرمانے لگے تناخ اور بروز میں بہت فرق ہے۔ بروز یہ ہے۔

البروزان یفیض روح من ارواح الکمل علی کامل کما یفیض علیہ
التجلیات وهو بصیر مظهرہ۔“

بروز کی تعریف کرنے کے بعد فرمایا کہ ”شیخ ابن عربی در فتوحات مکی گفتہ کہ حضرت

ادریس علیہ السلام و حضرت الیاس علیہ السلام یکے است زیر آنکہ روح پاک حضرت ادریس از بدن مثالی مفارقت کردہ در جسد عنصری حضرت الیاس بروز کردہ است

(اشارات فریدی ص ۱۰۱ حصہ سوم)

قادیانی دجل و فریب سے کام لیتے ہوئے حقیقت کے برعکس اپنی تحریروں میں یہ راگ لاپتے رہتے ہیں کہ حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑوی نے مرزا قادیانی کی تعریف کرتے ہوئے اسے صالح و متقی انسان لکھا تھا۔ قادیانیوں کے اس گمراہ کن پروپیگنڈہ کا جواب دیتے ہوئے قاضی محمد غوث منصور صاحب رقمطراز ہیں۔

گزشتہ دنوں قادیانی امت نے اپنی روایتی فریب کاری سے صدر الشریعہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کی نسبت جھوٹ و افترا کا ایک پلندہ ”شہادات فریدی“ کے نام سے شائع کر کے کثیر تعداد میں مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ جس میں مسلمانوں کو یہ مذموم تاثر دینے کی کوشش کی کہ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ مرزا قادیانی کے دعویٰ مجددیت، مہدویت اور نبوت کے مصدق اور پیرو تھے۔ (نقل کفر، کفر نباشد)

شہادات فریدی میں قادیانیوں نے حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کی مرزا قادیانی کے ساتھ جعلی اور خانہ ساز خط و کتابت شائع کی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ان کی نبوت جعلی اور خانہ ساز ہے۔

اس کتاب میں حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات ”اشارات فریدی“ سے (جو حضرت کے وصال سے کئی سال بعد میں شائع ہوئے) ایک عربی خط کا حوالہ دیا ہے۔ جو ”حضرت خواجہ صاحب“ نے مرزا قادیانی کو لکھا اور اس میں مرزا قادیانی کو من عباد اللہ الصالحین لکھا۔ اس سے معلوم ہوا خواجہ صاحب مرزا قادیانی کو برحق تسلیم کرتے تھے۔

مرزائیوں کا یہ مکارانہ شاہکار نیا نہیں بلکہ بہت پرانا جھوٹ ہے جو آج سے چالیس برس قبل بھی جناب محمد اکبر خان صاحب ڈسٹرکٹ جج ضلع بہاولنگر کی عدالت میں قادیانی امت نے پیش کیا تھا اور

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کو مرزائی ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کے اثبات میں ’’ارشادات فریدی‘‘ نامی کتاب کو پیش کیا تھا۔

الحمد للہ ہمارے علماء کرام مولانا غلام محمد گھوٹوی مرحوم، سابق شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور، مولانا قاضی غوث بخش واعظ جامع مسجد بہاولپور، مولانا محمد صادق صاحب ناظم امور مذہبیہ ریاست بہاولپور نے قادیانی امت کی اس کذب بیانی کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔ اور مرزائی فریب کاری کا پردہ چاک کر دیا تھا۔ جس کی تفصیل ’’فیصلہ مقدمہ بہاولپور‘‘ نامی کتاب میں موجود ہے۔ اس مقدمہ میں مرزا کی اس کتاب کے حوالے سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ اس کی نبوت کے مکفر اور مکذب تھے۔ مقدمہ بہاولپور کا یہ اقتباس پڑھ لیجئے۔ انشاء اللہ تمام شکوک رفع ہو جائیں گے۔

’’حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ کہ جن کا نہ صرف ریاست بہاولپور کا ایک حصہ معتقد اور مرید ہے، بلکہ سندھ، بلوچستان اور پنجاب میں بھی آپ کے بکثرت مرید پائے جاتے ہیں، کی ایک کتاب اشارات فریدی سے یہ دکھلایا ہے کہ ان کے نزدیک مرزا قادیانی کسی عقیدہ اہل سنت والجماعت اور ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر نہیں پایا جاتا بلکہ آپ اس کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ وہ اپنے اوقات خدا تعالیٰ کی عبادت میں گزارتا ہے اور حمایت دین پر کمر بستہ ہے اور کہ علمائے وقت تمام مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے پڑ گئے ہیں جو اہل سنت والجماعت میں سے ہے اور صراط مستقیم پر قائم ہے۔‘‘

اور خواجہ صاحب کی اس تحریر پر بڑی شرح اور بسط سے بحث کر کے یہ دکھلایا ہے کہ یہ الفاظ خواجہ صاحب کے اپنے ہی ہیں اور انہوں نے مرزا قادیانی کی کتابیں دیکھنے کے بعد یہ رائے قائم کی تھی۔ مدعیہ کی طرف سے بھی اس کا مفصل جواب دیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ مرزا قادیانی کی جو کتابیں خواجہ صاحب نے اس وقت تک دیکھیں تھیں، ان میں مرزا قادیانی کا دعویٰ نبوت درج نہ تھا۔ چنانچہ مرزا قادیانی کی ایک تحریر سے جو اس کی کتاب انجام اتھم، صفحہ ۶۹ پر درج ہے، پایا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب بھی بعد میں مرزا کے مکفر اور مکذب ہو گئے تھے۔ مرزا قادیانی اس تحریر میں لکھتا ہے کہ اب ہم ان مولوی صاحبان کے نام ذیل میں لکھتے ہیں کہ جن میں سے بعض تو اس عاجز کو کافر بھی کہتے ہیں اور

مفتزی بھی۔ اور بعض کافر کہنے سے تو سکوت اختیار کرتے ہیں مگر مفتزی اور کذاب اور دجال نام رکھتے ہیں۔ بہر حال یہ تمام مکفرین اور مکذبین مباہلہ کے لئے بلائے گئے ہیں اور ان کے ساتھ وہ سجادہ نشین بھی ہیں جو مکفر اور مکذب ہیں۔ اور اس کے ساتھ مرزا قادیانی نے ہر دو گروہوں کی فہرستیں دی ہیں۔ اس فہرست میں میاں غلام فرید صاحب چشتی چاچڑاں علاقہ بہاولپور کا نام بھی درج ہے۔“ (فیصلہ مقدمہ بہاولپور، ص ۱۶۰)

علمائے کرام کے دندان شکن جواب کے باوجود مرزائی ابھی تک وہی راگ الاپ رہے ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب مرزائی تھے۔ پس ضرورت ہے کہ ایک مرتبہ پھر قادیانی اقلیت کو آئینہ دکھایا جائے۔

مولانا نور احمد خاں نازکی فریدی لکھتے ہیں کہ اشارات فریدی (ملفوظ شریف) میں مطبوعہ خط محض افترا، جعلی اور الحاقی ہے۔ جو دھوکہ سے منشی رکن دین نے شامل کیا ہے۔

منشی رکن دین، جس نے ”اشارات فریدی“ کی کتابت کا کام سرانجام دیا ہے، اپنے آپ کو مکاری سے حضرت خواجہ صاحب کا معتقد ظاہر کرتا تھا مگر دراصل مرزائی تھا اور قادیانیوں کی طرف سے اسی کام کے لئے معمور تھا کہ جس طرح ہو سکے، حضرت اقدس کی طرف سے مرزا قادیانی کی تائید کرائے۔ لیکن جب کوشش کے باوجود کسی طرح کامیاب نہ ہوا تو ملفوظ شریف ”اشارات فریدی“ کی طباعت کے وقت اس نے ایک خط شامل کر دیا جس کے جعلی ہونے کی تردید ذمہ دار حضرات کی طرف سے فوراً کرادی گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کی کبھی کوئی خط و کتابت مرزا قادیانی سے نہیں ہوئی۔ (ملاحظہ ہو ماہنامہ ”الفرید“ جنوری ۱۹۳۳ء، ص ۱۴ تا ۱۹)

مرزائی امت کے بیانات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب مرزا قادیانی کو خادم اسلام سمجھتے تھے اور اس کے علم و فضل کے معترف تھے۔ لیکن اس کے خلاف اسلام عقائد اور دعاوی پر مطلع ہونے کے بعد اسے کافر فرمایا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحب اگر مرزا قادیانی کو مجدد مہدی، مسیح موعود یا نبی سمجھتے تو اس سے ملاقات کرتے۔ قادیان تشریف لے جاتے، لیکن آپ نے متعدد بار فرمایا ”مرزا قادیانی کافر ہے“

ذیل میں صدر الشریعہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کی تصنیف مبارک ”فوائد فریدیہ“ کا ایک اقتباس قابل غور ہے جس سے حضرت موصوف کے عقیدہ صادقہ کی صاف صاف وضاحت ہوتی ہے۔

”سرور کائنات ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا البتہ امت محمد ﷺ میں ولایت باقی ہے۔“ (فوائد فریدیہ ص ۱۳)

اب کیونکر ممکن ہے کہ ختم نبوت کے اعلان کے بعد حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ منکر ختم نبوت اور مدعی نبوت کو مسلمان سمجھتے۔

حضرت خواجہ صاحب کی تصنیف فوائد فریدیہ اس سلسلہ میں قابل دید ہے۔ آپ نے اپنی اس تصنیف میں جا بجا ختم نبوت ”ظہور مہدی“ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر کیا ہے اور مرزائیت کے خوب بنئے ادھیڑے ہیں۔ قادیانی امت کے صراحتاً کفر کے علاوہ آپ نے احمدی فرقہ کو ناری اور جہنمی لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو ”فوائد فریدیہ“ ص ۲۷، ۳۰)

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کے لخت جگر اور سجادہ نشین حضرت خواجہ نازک کریم صاحب کی خدمت میں حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی خود تشریف لے گئے اور اقتباسات ”اشارات فریدیہ“ کے متعلق استفسار فرمایا۔ کیونکہ ”اشارات فریدی“ حضرت خواجہ صاحب کی وفات کے بعد شائع ہوئی تھی۔

حضرت خواجہ نازک کریم صاحب نے فرمایا کہ میاں رکن دین نے ملفوظ شریف ”اشارات فریدی“ جمع کر کے اپنی نجات کا اچھا سامان کیا تھا۔ مگر مرزا قادیانی کے متعلق افتراء اور جرح کر کے اپنی تمام محنت رائیگاں کر لی اور آخرت بھی خراب کر لی۔ ہم نے ملفوظ شریف سے ایسی عبارات نکال دی ہیں جو رکن دین نے دھوکہ سے شامل کر دی ہیں۔ حضرت اقدس عالی خواجہ فرید الملتہ والدین ختم نبوت پر انتہائی پختہ ایمان رکھتے تھے اور مرزا قادیانی کو اس دعویٰ نبوت کی وجہ سے خارج از اسلام سمجھتے تھے جس کا ثبوت خود مرزا کی تحریروں سے ملتا ہے۔ الحمد للہ نہ ہم نہ ہماری اولاد نہ ہمارے متعلقین میں سے کوئی مرزائی ہے۔ ہم مرزا اور مرزا کے مقلدین کو کافر سمجھتے ہیں اور مرزا کے باطل مذہب پوری شدت کے ساتھ منکر ہیں۔

اس قدر وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی کذاب حضرت خواجہ صاحب موصوف پر اتہام تراشی کرے تو اس سے بڑھ کر جھوٹا اور ملعون کوئی نہیں ہو سکتا۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے کیا پتے کی بات کہی تھی

ہر کہ بدگفت خواجہ مارا

ہست او بے گماں یزید پلید

(ماہنامہ ”ضیائے حرم“ تحریک ختم نبوت نمبر ۴۷۹ء از قلم: قاضی محمد غوث منصور)

نوٹ:- حضرت خواجہ غلام فریدؒ سے متعلق زیادہ تر معلومات جناب محمد باقر جامی صاحب کے مضمون اور قاضی غوث محمد منصور کے مضمون سے اخذ کی گئی ہیں جو کہ بالترتیب مفت روزہ ختم نبوت جلد نمبر ۹ شمارہ ۷ اور ماہنامہ ضیائے حرم ”تحریک ختم نبوت نمبر“ میں شائع ہو چکے ہیں۔

وَالْمَسْكِينُ

زمین میں اکر کرمت چل (القرآن)

حکیم غلام قادر چشتی امرتسری ملتانی

(۱۹۰۸ء-۱۹۷۵ء)

حضرت حکیم غلام قادر صاحب ۱۹۰۸ء کو فخر الاطباء حکیم فقیر محمد چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۹۵۲ء کے ہاں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم امرتسر ہی میں مکمل کی اور طب کی تمام کتب اپنے والد ماجد کے علاوہ حضرت علامہ حکیم محمد عالم آسی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۹۴۴ء اور مسیح الطب حضرت حکیم غلام جیلانی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۹۸۱ء سے وقتاً فوقتاً پڑھیں۔ آپ حضرت خواجہ میاں علی محمد خان چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۷۵ء) سے بیعت تھے۔ علم و ادب سے شغف، حکمت طبابت کی مہارت، تصوف و روحانیت میں کمال اور کفر و ضلالت کے مقابل نبرد آزما ہونا آپ کو ورثہ میں ملا جس کی چند مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں

آپ نے آریوں اور قادیانیوں کے خلاف ایک اخبار ماہنامہ ”درہ اسلام“ امرتسر سے شائع کیا۔ رد قادیانیت کے سلسلے میں قادیان میں ہونے والے مسلمانوں کے اجتماعات میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ ۱۹۳۱ء میں حضرت علامہ آسی کی تصنیف ”الکاوۃ علی الغاویہ“ اردو جلد اول اور ۱۹۳۴ء میں جلد دوم کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا جبکہ اس کتاب کا عربی نسخہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ آپ نے علامہ آسی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر پرچہ الفقہ امرتسر کی ترتیب کا کام سنبھالا۔ جس کے ایڈیٹر حکیم معراج دین المتوفی ۱۹۴۸ء تھے اس سلسلے میں آپ ان کے علمی معاون رہے اور یہ ایسا پر خلوص تعاون تھا کہ ان دونوں بزرگوں کا اخبار میں بحیثیت مدیر یا معاون مدیر کبھی بھی نام نہیں چھپا۔ جس کا ذکر جناب محمد صادق قصوری صاحب نے اپنی کتاب ”فدایان امرتسر“ میں بھی کیا ہے۔ اخبار الفقہ امرتسر کے بے شمار پرانے پرچے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے مخزنہ کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی میں موجود ہیں۔ ان کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حکیم غلام قادر صاحب ”رد قادیانیت“ کے سلسلہ میں کس قدر جانفشانی اور تندہی سے سرگرم عمل تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں سکھ چین نصیب فرمائے (آمین)

استاذ العلماء حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی قدس سرہ

(۱۸۸۶ء-۱۹۴۸ء)

شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاول پور۔

استاذ العلماء حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی قدس سرہ موضع گجرات میں ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور صرف و نحو حضرت مولانا محمد چراغ ساکن چکوڑی ضلع گجرات سے پڑھنے کے بعد مولانا جمال الدین ساکن گھوٹہ ضلع ملتان، مولانا غلام حسین ساکن تلیری ضلع مظفر گڑھ، مولانا نور الزمان ساکن چکی ضلع انک اور مولانا غلام احمد حافظ آبادی صدر المدرسین جامعہ نعمانیہ لاہور سے تحصیل علم کی اور پھر ہندوستان کا رخ کیا۔ چنانچہ مدرسہ فیض عام کانپور میں مولانا احمد حسن سے ڈیڑھ برس پڑھا اور ان کے انتقال کے بعد مولانا فضل حق پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ دورہ حدیث مولانا وزیر حسن رامپوری سے پڑھا، سند حدیث حاصل کی اور بیعت طریقت سے مشرف ہوئے۔

آپ نے پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

(غلام مہر علی۔ گولڑوی۔ مولانا ایواقیت المہر یہ ص ۹۷)

حضرت مولانا گھوٹوی نے اعلیٰ حضرت گولڑوی سے بھرپور استفادہ کیا۔ اور پھر تحریک ختم نبوت کے کام کو مزید آگے بڑھایا۔ مرشد طریقت کی فیضان بخشی سے ریاست بہاولپور اور اس کے گرد و نواح میں قادیانیت کا تعاقب جاری رکھا۔ ۱۱۸ اور ۱۱۹ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو موضع ہریا ضلع گجرات میں مفتی غلام مرتضیٰ میانوی اور مولوی جلال الدین شمس قادیانی کے مابین ایک تحریری اور تقریری مناظرہ ہوا جس میں مسلمانوں کی طرف سے آپ صدر جلسہ تھے۔ اس مناظرہ میں مسلمانوں کو زبردست فتح ہوئی۔ بعد میں اس مناظرہ کی روداد النظر الرحمانی فی کشف القادیانی کے نام سے معرض تحریر میں آئی تو آپ نے اس پر زبردست تقریظ تحریر فرمائی۔ (غلام مرتضیٰ میانوی، مفتی النظر الرحمانی ص ۱۳۔)

اسی طرح عبدالرزاق قادیانی کا ایک مسلمان عورت سے نکاح کا مسئلہ ۲۴ جولائی ۱۹۲۶ء کو

بہاولپور کی عدالت میں پیش ہوا تو آپ نے عدالت میں پیش ہو کر قادیانی کے ارتداد اور مرتد کے ساتھ کسی مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا، پرزبردست دلائل دیئے۔ چونکہ یہ معاملہ بڑا اہم تھا اس لئے ۱۹۳۱ء میں انتہائی مراحل طے ہونے کے باوجود دوبارہ ۱۹۳۲ء میں اس مسئلہ کو بہاولپور کی عدالت عالیہ میں پیش کیا گیا تو مولانا گھوٹوی نے انجمن موید الاسلام بہاولپور کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور مسئلہ کو علمی، عوامی اور ملکی سطح پر اٹھایا۔ جس میں مولانا ابوالقاسم محمد حسین مولانا نجم الدین، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا مرتضیٰ حسن اور مولانا انور شاہ کشمیری بھی شریک ہوئے۔ عدالت عالیہ میں قادیانی کے مرتد ہونے اور ایک مسلمان عورت کا نکاح مرتد سے نہ ہونے پر دلائل دیئے۔ چنانچہ یہ مقدمہ جو بعد میں ”مقدمہ بہاولپور“ کے نام سے معروف ہوا۔ ۱۹۳۵ء میں فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا۔ یہ کسی عدالت کا پہلا فیصلہ تھا ☆ جس میں قادیانیوں کو مرتد، غیر مسلم اور خارج از اسلام قرار دیا گیا۔ مولانا گھوٹوی نے اس سلسلہ میں جو خدمات سرانجام دیں وہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔

۱۹۲۶ء میں جب مسماۃ غلام عائشہ کی جانب سے تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر ہوا تو جناب ڈسٹرکٹ جج صاحب بہاولپور نے شرعی امور پر عدالت کی رہبری کیلئے حضرت شیخ الجامعہ کو بطور عدالتی گواہ طلب فرمایا حضرت ممدوح کا یہ بیان ۱۸ جنوری ۱۹۲۸ء کو قلمبند ہوا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت کیا کہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور ختم نبوت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے جس کا انکار کفر ہے۔ اگر کوئی شخص ظلی یا بروزی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ اور اس کے تبعین کافر اور خارج از اسلام ہیں۔ ایسے عقائد رکھنے والے شخص کا مسلمان عورت کے ساتھ نکاح قائم نہیں رہتا۔ آپ کے بیان کی اہمیت کے پیش نظر ”مقدمہ بہاولپور“ سے بیان کی نقل شامل تحریر ہے ملاحظہ فرمائیں۔

میں نے عقائد احمدی مدخلہ مدعا علیہ مشمولہ مسل ہذا کو دیکھا ہے۔ یہ عقائد عام مسلمانوں کے

☆ مولانا نواب دین رداہی کے صاحبزادہ حافظ مظہر الدین نے ماہنامہ ضیائے حرم کے شمارہ دسمبر ۱۹۷۴ء (تحریک ختم نبوت نمبر) میں اپنے والد صاحب پر مضمون تحریر کیا ہے۔ اس مضمون میں حافظ صاحب نے انکشاف کیا ہے کہ تنسیخ نکاح کا سب سے پہلا مقدمہ ان کے والد صاحب نے قادیانیوں سے ۱۹۲۰ء میں جیتا

تھا

ہیں۔ احمدیہ جماعت کے یہ اعتقادات مخصوص نہیں ہیں۔ میں نے اس کا بیان مورخہ ۵ دسمبر ۲۶ء سننا ہے۔ ان بیانات میں جو یہ الفاظ ہیں کہ میں مرزا قادیانی کو نبی تسلیم کرتا ہوں اور اس لئے یہ بھی مانتا ہوں کہ ان پر بمثل دیگر انبیاء نزول ملائکہ و جبرئیل ہوتا تھا۔

یہ خاص اعتقاد جماعت احمدیہ کا ہے۔ اسی اعتقاد کی وجہ سے وہ غیر مسلم ہیں۔ اس واسطے کہ تمام فرق اسلامیہ کا اتفاق ہے کہ جو شخص آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی شخص پر نزول جبرئیل کا عقیدہ رکھے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

اس اعتقاد والے شخص کا میرے نزدیک سنیہ عورت کے ساتھ نکاح قائم نہیں رہتا۔ چنانچہ اس کے متعلق کل علماء ہندوستان کا فتویٰ ہے مثل کے ساتھ جو فتادی مولوی عبداللہ صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند اور مولوی خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے شامل ہیں وہ مستند ہیں۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری ایک مستند اہل حدیث عالم ہے۔ مرد کے مرتد ہونے سے اس کا نکاح شرعاً فسخ ہو جاتا ہے۔ مرزا قادیانی نے اپنی کتابوں میں کئی جگہ تحریر کیا ہے کہ میں تشریحی نبی ہوں۔ یعنی نئی شریعت لایا ہوں۔ ان کی کتاب اربعین نمبر ۲ میں یہ عقیدہ موجود ہے جو شخص ایسے شخص کو نبی اور رسول مانے وہ میرے عقیدہ میں مرتد ہے۔ چونکہ مولوی عبدالرزاق مرزا قادیانی کو نبی مانتا ہے اور ان پر نزول جبرئیل کا قائل ہے لہذا بوجہ ارتداد اس کا نکاح مدعیہ کے ساتھ فسخ ہو چکا ہے اور یہی مذہب یعنی عقیدہ عام علماء ہندوستان کا ہے۔ چونکہ یہ مذہب قادیان ہندوستان میں ہی رائج ہے اس لئے دیگر ممالک کے علماء کی آراء اور خیالات یہاں تک نہیں پہنچے مگر اب جہاں جہاں یہ مذہب ہندوستان سے باہر پھیل رہا ہے وہاں کے علماء ان کے ارتداد کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ چنانچہ کابل میں امیر صاحب نے علماء کابل کے حکم سے ایک احمدی کو سنگسار کیا۔ اسی طرح دمشق میں ایک احمدی حال ہی میں قتل کیا گیا ہے۔

مرتد کے لفظ کے معنی شرع میں یہ ہیں کہ کسی بنیادی مسئلہ اسلام سے انکار کیا جائے۔ مثلاً توحید، نبوت آنحضرت ﷺ و ختم نبوت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ مرزائی رسول کریم ﷺ کی ختم نبوت کے قائل نہیں اس لئے وہ مرتد ہیں۔ ختم نبوت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام مذہب اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ (مقدمہ بہاولپور جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۳۳، ۱۳۴)

ناظرین گرامی کی بہرہ اندوزی کے لئے عرض ہے کہ جب مسماۃ غلام عائشہ کی اپیل ثانی عدالت عظمیٰ ریاست بہاولپور میں زیر سماعت تھی تو فاضل جج صاحبان نے مقدمہ کے شرعی پہلو پر رہنمائی حاصل کرنے کے لئے حضرت گھوٹوئی کو ہی طلب فرمایا تھا۔ آپ نے قرآن پاک اور احادیث نبوی سے ثابت کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آنحضرت کے بعد جو مدعی نبوت ہو وہ اور اس کے تبعین کافر اور مرتد ہیں۔ ان کے نکاح بلا قضا قاضی فسخ ہیں اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آپ کے اس بصیرت افروز تاریخی بیان کو مد نظر رکھتے ہوئے ہی عدالت عظمیٰ نے جناب ڈسٹرکٹ جج صاحب بہاولپور کا فیصلہ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۲۸ء کا عدم قرار دے کر مقدمہ ہذا عدالت ڈسٹرکٹ جج بہاولپور میں بدیں ہدایت واپس فرمایا کہ مقدمہ مزید شرعی تحقیق و تدقیق کا محتاج ہے۔ لہذا ہندوستان کے دیگر مستند علماء اکابرین کی شہادت لے کر بروئے احکام شرعی فیصلہ صادر کیا جائے۔

عدالت عظمیٰ سے مثل کی واپسی پر ۲۱ جون ۱۹۳۲ء کو سب سے پہلے آپ کا بیان ہوا۔ حضرت نے ایک بار پھر قرآن پاک احادیث مبارکہ اور اجماع امت سے مرزاہیت کے کفر و ارتداد اور ایک سنیہ عورت کا عبدالرزاق مرزائی سے انفساخ نکاح کو ثابت فرمایا۔ مدعا علیہ اگرچہ عدالت میں موجود تھا لیکن اس نے آپ کے اس بصیرت افروز بیان پر جرح کرنے سے اجتناب و احتراز کیا۔ آپ کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

اسلام کے بنیادی اصول بہت سے ہیں۔ لیکن ان میں بنیادی توحید باری عزاسمہ اور ایمان بالملائکہ ایمان بالانبیاء ایمان بالکتب المنزله اور ایمان بالبعث اور حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آخری نبی یقین کرنا ہیں۔

جو شخص پہلے اہل سنت والجماعت ہو اور پھر وہ مرزائی بن جائے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد مرزا قادیانی کو نبی مانے وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ حضرت نبی علیہ السلام کو قرآن نے آخری نبی قرار دیا ہے۔ اور جو شخص اس قرآنی حکم کو نہ مانے اور اس کا انکار کرے وہ قرآن کے انکار کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔

دلائل ملاحظہ کیجئے:

۱۔ قرآنی حوالہ جات

(۱) قرآن شریف میں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وحی کا انزال دو قسموں پر ہے (۱) جو آنحضرت ﷺ پر ہوا (۲) جو آپ سے پہلے ہوا۔ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ (بقرہ۔ ۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(۲) دوسری جگہ قرآن شریف میں ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں جب تم لوگوں کو کتاب حکمت دو اور تم نبوت کے منصب پر فائز ہو جاؤ تو اس کے بعد ایک نبی آئے گا جو تمام پہلی چیزوں کی تصدیق کر نیوالا ہوگا۔ تم لوگ اس کو ماننا اور اس پر ایمان لانا۔

إِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ۔ (سورۃ آل عمران۔ ۸۱)

اس آیت میں دو لفظ قابل غور ہیں۔ ایک ميثاق النبيين جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کو یہ خطاب ہے۔ اور دوسرا لفظ ”ثم جاءكم“ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم سب کے بعد ایک نبی آئے گا اور وہ تمام پہلی کتابوں کی تصدیق کر نیوالا ہوگا۔ اور وہ بالاتفاق سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ محمد مصطفیٰ علیہ السلام سب نبیوں کے بعد آئے ہیں۔ پس اگر مرزا قادیانی بھی نبی ہو تو پھر حضرت محمد ﷺ سب نبیوں کے بعد نہ آئے اور قرآن کی تکذیب لازم آئیگی۔ چنانچہ امام ابن کثیر نے جلد اول ص ۲۳۵ میں اور مولوی محمد علی مرزائی لاہوری نے ترجمہ قرآن جلد اول صفحہ ۳۵۲ میں یہی معنی بیان کئے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے حبیب اکرم فرما دیجئے کہ اے لوگو میں تم تمام کا رسول ہوں آج۔ قیامت تک جس قدر لوگ ہوں گے۔ سب کا میں پیغمبر ہوں۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (سورہ اعراف۔ ۱۵۸)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے قیامت تک تمام لوگوں کا رسول من اللہ وہ ہے جس کا نام محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔

پس جو شخص حضرت ﷺ کی بعثت اور قیامت کے درمیان کسی دوسرے کو نبی تسلیم کرے وہ

اس آیت کو جھٹلاتا ہے لہذا امر مذہب ہو جاتا ہے۔ اس آیت کے یہی معنی امام ابن کثیر نے جلد رابع صفحہ ۲۵۳ میں ذکر فرمائے ہیں اور اس طرح دوسرے مفسرین نے بھی یہی معنی بیان فرمائے ہیں۔

(۴) حضرت حق پاک فرماتے ہیں کہ آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ اور تم میں اپنی نعمتوں کو

پورا کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو میں نے پسند کیا۔ الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَنْتُمْ عَلَىٰكُمْ

بِنِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۳)

اس آیت میں حق پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ دین کامل ہو گیا۔ پس نہ کسی دوسرے دین کی

حاجت ہے نہ کسی دوسرے نبی کی ضرورت ہے۔ اب اگر حضرت ﷺ کے بعد کسی دوسرے کو نبی کہا جائے

تو ماننا پڑے گا کہ دین کامل نہیں ہوا۔ اور کسی دوسرے نبی کی ضرورت باقی رہ گئی تھی۔ پس قرآن کریم کی

تکذیب لازم آئیگی۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص حضرت ﷺ کے بعد کسی دوسرے کو نبی مانتا ہے وہ اس آیت کو

جھٹلاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے۔

(۵) ذات حق کا ارشاد ہے کہ ”اے وہ لوگو کہ محمد ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک ہونے والے ہو۔

تم تین چیزوں کی اطاعت کرو۔ اللہ کی اس کے رسول کی اور اولی الامر کی“ اولی الامر کے متعلق یہ ارشاد

ہے کہ اگر تمہارا ان سے جھگڑا ہو جائے۔ کبھی تم میں اور اولی الامر میں اختلاف برحق ہو جائے تو اس وقت

فقط اللہ اور رسول ہی قابل اطاعت ہیں۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي

الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء ۵۹)

اس آیت نے ظاہر کر دیا کہ محمد ﷺ کے بعد یہ بھی ایک جماعت قابل اطاعت ہوگی۔ اور ان

کی حیثیت یہ بتلائی گئی کہ وہ نبی نہیں ہوں گے۔ کیونکہ نبی کے ساتھ امتی اختلاف نہیں کر سکتا۔ اس واسطے

ارشاد ہے کہ نبی محض مخدوم اور مطاع ہے اس کے ساتھ جھگڑا نہیں ہو سکتا۔ حضرت ﷺ کے بعد اس آیت

کی رو سے جو لوگ اولی الامر ہوں گے نبی نہیں ہوں گے۔ ان سے اختلاف ہو سکے گا چاہے وہ صدیق

ہوں شہید ہوں، صالح ہوں، امام ہوں، غوث ہوں، قطب ہوں، یا اور کچھ ہوں۔ اس موقع پر میں مولوی محمد علی لاہوری کی تفسیر کے چند جملے بیان کرتا ہوں۔ مولوی محمد علی اپنی تفسیر کی جلد اول صفحہ ۵۲۶ پر فرماتے ہیں کہ چونکہ قرآن نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے اندر ہمیشہ کے لئے حقیقی مطاع ایک مطاع محمد ﷺ موجود ہوں گے اس لئے آپ ﷺ کے بعد اس امت کے اندر کوئی رسول نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی رسول ہوگا تو وہ مطاع ہوگا پھر محمد ﷺ مطاع نہیں رہیں گے۔ اور یہ خلاف قرآن ہے۔ پس ختم نبوت پر یہ آیت فیصلہ کن ہے۔ جب اس کو فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ اور اب تا قیامت کوئی رسول قطعاً نہیں ہو سکتا۔

(۶) حضرت حق پاک فرماتے ہیں کہ فرمادیتے تھے کہ اگر تمام انسان اور جن اس کتاب (قرآن) کی مثل لانا چاہیں تو ہرگز نہیں لاسکیں گے۔ قُلْ لِّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظٰهِيْرًا۔ (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۸)

اس آیت میں سمجھایا گیا ہے کہ قرآن شریف تمام ہدایات سے بڑھ کر ہے۔ اس کے بعد کسی ہدایت کی یا کسی نبی کی یا کسی کتاب کی ضرورت نہیں۔

(۷) حضرت حق پاک نے رسول اللہ ﷺ کو سراجاً منیراً فرمایا ہے۔

يَآٰهَآ النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَٰهِدًا وَّ مُّبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَّ سِرَاجًا

مُنِيْرًا۔ (سورہ احزاب آیت ۴۵-۴۶)

اور قرآن پاک نے سورج کو سراج کہا ہے اس سے ظاہر کرنا یہ مقصود ہے کہ جیسے سورج کی روشنی کے بعد کسی ستارہ یا کسی اور منیر کی روشنی کی ضرورت نہیں رہتی اور اس طرح حضرت ﷺ کی ذات مقدس ایسی ہے کہ اس کے بعد اور کسی نبی یا ہادی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور رسالت ان پر ختم ہو جاتی ہے۔ جیسے سورج پر روشنی ختم ہو جاتی ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ آپ سب قوموں کے منذر اور ہادی ہیں۔ اس سے یہ مطلب نکلتا ہے۔ کہ حضرت ﷺ تمام قوموں کے لئے ہادی ہیں اور دوسرا اب کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (سورہ رعد آیت ۷)

(۹) حق پاک ارشاد فرماتے ہیں۔ کیا یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کر دی۔ اس میں ظاہر فرمایا ہے کہ حضرت ﷺ پر جو کتاب نازل فرمائی گئی یہی کافی ہے اور بس۔ اَوْلَمَ يَكْفِيهِمْ اِنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرًا لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ (سورہ عنکبوت آیت ۵۱)

(۱۰) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (سورہ حجر آیت ۹)

ترجمہ: بے شک ہم ہی اس کتاب نصیحت کو اتارنے والے اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں۔

اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ قرآن کریم ایک محفوظ اور غیر متغیر کتاب ہے جو کبھی منسوخ نہیں ہوگی پس اگر کوئی دوسرا نبی اور دوسری وحی آ سکتی ہے تو ممکن ہو جائے گا کہ قرآن شریف کا کوئی حکم منسوخ ہو جائے چنانچہ مرزا قادیانی کے امتی قرآن کے بہت سے حکموں کو منسوخ مانتے ہیں۔ مثلاً وہ مانتے ہیں کہ جہاد بالسیف منسوخ ہو گئی ہے۔ وہ مانتے ہیں کہ جو محمد ﷺ کو آخری نبی مانے وہ کافر ہے۔ مرزا قادیانی کہتا ہے کہ جو مجھے نبی نہ مانے وہ کافر ہے۔ جس کے صاف معنی یہی ہیں کہ محمد ﷺ کو آخری نبی ماننے والا کافر ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ احمدیہ جلد اول ص ۳۰۸ کتاب الصلوٰۃ وفتاویٰ احمدیہ جلد اول ص ۲۶۹ اس آخری حوالہ میں مرزا قادیانی کہتا ہے کہ کسی شخص کو کوئی عمل کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ میرے دعویٰ کو نہ مانے۔ تو یہ حکم مرزا قادیانی کو ماننا نہ کہیں قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں۔ بلکہ قرآن اور حدیث میں پایا جاتا ہے کہ مرزا قادیانی جیسے کذابوں کو نبی نہ مانا جاوے۔ مرزا قادیانی کو نبی ماننے سے قرآن کا یہ حکم منسوخ ہو جائے گا۔ حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ میں منسوخ نہیں ہوں۔

(۱۱) قرآن مجید میں ہے۔ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّۦنَ (احزاب۔ ۴۰) اس آیت کی تفسیر میں مولوی محمد علی لاہوری نے جلد سوم ص ۵۱۵ میں لکھا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی لغت سے اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام ایک قوم ہیں اور کسی قوم کا خاتم یا خاتم ہونا صرف ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ یعنی ان میں سے آخری ہونا۔ پس نبیوں کے خاتم ہونے کے معنی نبیوں کی مہر نہیں جیسا کہ قادیانی کہتے ہیں۔

بلکہ آخری نبی ہے۔ اسی طرح قرآن شریف کی اور بھی بہت سی آیات سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری نبی ہونا ثابت ہے۔

(ب) مفسرین اور اہل لغت:

خاتم کے معنی آخری نبی کے تمام مفسرین اور اہل لغت نے کئے ہیں۔ تفسیر ابن جریر جلد نمبر ۲۲ ص ۱۳ میں خاتم النبیین کے معنی ”آخری نبی“ ہیں۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۸ ص ۸۸ میں خاتم النبیین کے معنی ”آخری نبی“ کے لئے ہیں۔ تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۵۸۱ میں خاتم النبیین کے معنی ”آخری نبی“ کے بیان کئے گئے ہیں۔ تفسیر بیضاوی جلد ۴ ص ۱۶۴ اور تفسیر ابوسعود حاشیہ کبیر جلد ۷ ص ۴۴۹ میں بھی خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کئے گئے ہیں تفسیر روح المعانی پارہ ۲۲ ص ۲۲ میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی لکھے ہیں۔ لغت کی کتاب قاموس میں لکھا ہے ”خاتم الانبیاء آخر ہم نسان العرب میں ہے خاتمہم اخر ہم بحر المحیط میں لکھا ہے کہ خاتم کے معنی آخری مجمع البحار جلد اول ص ۳۲۹ میں ہے کہ خاتم کے معنی ہیں کہ لا نبی بعدہ تاج العروس شرح قاموس میں ہے حضرت ﷺ کا اسم مبارک خاتم اس واسطے ہے کہ آپ کے آنے سے نبوت ختم ہوگئی۔ کلیات ابوالبقاء میں ہے کہ ہمارے پیغمبر کا نام جو خاتم الانبیاء ہے۔ اس واسطے سے کہ خاتم کے معنی ہیں آخری۔ ملاحظہ ہو ص ۳۱۹ کتاب مذکور صحاح میں لکھا ہے کہ ”خاتم الشی آخرہ“ اور منتہی الادب میں ہے۔ خاتم چیز پایاں آں و آخر قوم صراح میں ہے کہ خاتم شے کا آخر شے کا ہوتا ہے۔ اور محمد ﷺ خاتم انبیاء ہیں۔ یعنی آخری نبی۔

(ج) احادیث کی روشنی میں:

پہلی حدیث جس کے معنی یہ ہیں کہ اے علی تو مجھے بمثل ہارون کے ہے۔ لیکن میرے بعد کوئی

نبی نہیں ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۲-۱۵۳۔ و صفحہ ۱۱۲

(۲) دوسری حدیث ہے کہ میں اللہ کے نزدیک ام الکتاب یعنی لوح محفوظ میں خاتم النبیین ہوں

(کنز العمال جلد ۶۔ صفحہ ۱۱۲)

(۳) تیسری حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہی کہ میں پیدائش میں سب نبیوں سے پہلے ہوں اور

مبعوث ہونے میں سب سے آخر میں ہوں۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۳)

(۴) حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں سب پیغمبروں کا سردار ہوں۔ اور یہ فخر انہیں کہہ رہا۔ اور سب

نبیوں کا آخری ہوں۔ اور یہ فخر یہ نہیں۔ (کنز العمال ص ۱۰۹ جلد ۶۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۰۴)

(۵) حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ رسالت اور نبوت ختم ہو گئی ہے میرے بعد نہ کوئی رسول اور نہ نبی ہوگا۔

(ترمذی شریف جلد ۲ ص ۵۱)

(۶) حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے نبیوں پر پانچ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ ان میں سے ایک یہ

ہے کہ مجھ پر نبیوں کا خاتمہ کیا گیا ہے۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۰۶)

(۷) اور حدیث ہے کہ ”میں آیا اور میں نے نبیوں کو ختم کر دیا ہے۔“ مسلم شریف جلد ۲ ص ۲۳۸ اور ۱۹۹

میں اس مضمون کی دوسری حدیث ہے۔

(۸) حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میری مثال نبیوں میں ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک کوٹھا بنایا اور

اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی۔ پس میں نبیوں میں اس اینٹ کی جگہ ہوں۔ ترمذی جلد دوم ص ۲۲۱

(۹) حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں عاقب ہوں۔ عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی شے نہ آوے

شامل ترمذی ص ۲۶۔

مرزا اپنے دعاوی کی روشنی میں خود مرتد ہوتا ہے:

(۱) حقیقۃ الوحی ص ۵۷ پر فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان جیسے ہمارے ساتھ ہے ویسے ہی مرزا

قادیانی کے ساتھ اس سے مرزا قادیانی نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرح حاضرناظر ظاہر کیا ہے۔

(۲) حقیقۃ الوحی ص ۱۰۵ پر مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو جس چیز کو بنانا

چاہے۔ بس کن کہہ دے وہ ہو جائے گی۔

(۳) البشرائے جلد دوم ص ۹ پر مرزا قادیانی لکھتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ میں

نماز بھی پڑھتا ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں۔ جاگتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں جس طرح قدیم اور ازلی

ہوں تیرے لئے میں نے ازلیت کے انوار کر دئے۔ اور تو پس ازلی ہے۔

(۴) توضیح المرم ص ۷۵ پر مرزا قادیانی لکھتا ہے۔ کہ قیوم العالمین ایک ایسا وجودا عظیم ہے

کہ جس کے بے شمار ہاتھ اور بے شمار پیر ہیں۔ اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لا انتہا عرض و طول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجودا عظیم کی تاریخیں بھی ہیں۔ جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں۔ اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرزا قادیانی خدا کو تیندوے کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے۔

(۵) کتاب تریاق القلوب ص ۳۹۷ پر مرزا قادیانی کہتا ہے کہ نئی زندگی ہرگز حاصل نہیں

ہو سکتی جب تک ایک نیا یقین پیدا نہیں ہو سکتا کہ جب تک موسیٰ، مسیح، یعقوب اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرح نئے معجزات نہ دکھائے جائیں۔ نئی زندگی انہیں کو ملتی ہے۔ جن کا خدا نیا ہے۔ اس سے مرزا قادیانی نے خدا کو حادث بنایا ہے۔ یہ عقائد ہیں جو مرزا قادیانی نے اللہ تعالیٰ کے متعلق لکھے ہیں اور اس سے یقیناً ایک مسلمان مرتد ہو جاتا ہے۔

قرآن شریف کے متعلق مرزا قادیانی کا عقیدہ حسب ذیل ہے۔

(۶) مرزا قادیانی حقیقۃ الوحی ص ۸۴ پر لکھتا ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ

کی باتیں ہیں۔ خطبہ الہامیہ صفحہ اول ٹائٹیل پیج پر لکھتا ہے کہ بے شک یہ خدا کی آیت ہے اور کوئی انسان اس کی مثل نہیں بول سکتا۔ یعنی اس خطبہ کی مثل کوئی نہیں لاسکتا۔

(۷) ازالہ اوہام جلد اول ص ۱۴ پر قرآن مجید کے متعلق لکھتا ہے کہ پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ

مبادا قرآن شریف گالیوں سے پڑ ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مرزا قادیانی کا عقیدہ حسب ذیل ہے۔

ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷ پر لکھتا ہے کہ آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے تین

دادیاں اور تین نانیاں آپ کی زنا کار اور کسی عورتیں تھیں۔ جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔

مگر شاید یہ بھی خدائی کے لئے ایک شرط ہوگی۔ آپ کو کنجریاں سے میلان اور صحبت بھی اس وجہ سے ہو کہ

جدی مناسبت درمیان ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس

کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگائے اور اپنی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا

انسان کس چلن کا انسان ہے۔ پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلا مانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔

(۸) اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا صاف انکار ہے جو تعلیم قرآن کے خلاف

ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق مرزا قادیانی حسب ذیل عقیدہ رکھتا ہے۔

تمہ حقیقت الوحی ص ۷۷، حضرت موسیٰ کی توریت میں یہ پیشینگوئی ہے کہ وہ بنی اسرائیل

کو ملک شام میں جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں پہچائیں گے۔ مگر یہ پیشینگوئی پوری نہیں ہوئی۔

(۹) بی بی مریم کے متعلق مرزا قادیانی کا عقیدہ حسب ذیل ہے۔

کشتی نوح ص ۱۶، مریم کی وہ شان ہے۔ جس نے ایک مدت تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔

پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کر لیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف

تعلیم توریت عین حمل میں کیوں نکاح کیا گیا۔ اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں توڑا گیا۔ اور تعدد ازدواج

کی کیوں بنیاد ڈالی گئی مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آ گئیں۔ اس صورت میں وہ لوگ

قابل رحم تھے ناقابل اعتراض۔

حضرت سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے متعلق مرزا قادیانی کا یہ قول کہ میں نے

دیکھا کہ حضرت فاطمہ نے میرا سر اپنی ران پر رکھا۔

حضرت حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے متعلق مرزا قادیانی کا عقیدہ حسب ذیل ہے۔

اعجاز احمدی ص ۶۹ پر لکھتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ حسین پر تم اپنے آپ کو فضیلت دے رہے

ہو۔ ہاں میں کہتا ہوں کہ میں افضل ہوں ان سے اور عنقریب ظاہر ہو جائے گا۔ آخر میں کہتا ہے کہ ”میں تو

عشق الہی کا مقتول ہوں۔ اور تمہارے حسین کو دشمن نے قتل کیا۔ پس کس قدر ظاہر اور کھلا ہوا فرق ہے۔“

ان عقائد کے ہوتے ہوئے ایک شخص صراحتاً مرتد ہو جاتا ہے۔

(”مقدمہ بہاولپور“ جلد نمبر صفحات ۲۹۵ تا ۳۰۳)

مولانا غلام مرتضیٰ میانوی صاحب کا جلال الدین شمس قادیانی سے حیات و وفات مسیح پر فیصلہ کن مناظرہ

ہوا۔ آپ اس مناظرہ کے صدر تھے۔ مناظرہ کے اختتام پر آپ نے فرمایا!

”مفتی صاحب نے ہر دو دن کے اجلاسوں میں اپنے اخلاق جمیلہ کا وہ ثبوت دیا کہ ہر کہ و مہ نے آفریں آفریں کہی۔ باوجودیکہ فریق مخالف کا مناظر نہایت بد خو تھا۔ اور دونوں اجلاسوں کے غیر مہذبانہ الفاظ جو مفتی صاحب کی ذات کے متعلق اس نے استعمال کئے جمع کئے جائیں تو کافی تعداد ہو جائے۔ مگر مفتی صاحب نے اپنی کوہ وقاری، نسبی و جبلی شرافت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان الفاظ کو غیر مسموع تصور کیا۔ میرے خیال میں فی زمانہ ایک مولوی صاحب کے لئے یہ حلم و بردباری تقریباً محال ہے۔“

قادیانی مناظر کے سارے مناظرہ کے اجلاسوں کے بے قاعدگیاں یعنی خلاف ورزیاں شرائط مقررہ فریقین ۴۹ ہیں اور مفتی صاحب نے ایک جگہ بھی شرط کی پابندی کو نہیں چھوڑا۔ اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو میں ایک ایک کو علیحدہ علیحدہ لکھتا۔

مفتی صاحب کی ہر دلیل تحقیقی و الزامی تقریب نام سے مزین تھی۔ مگر قادیانی مناظرہ بالکل تقریب کے قریب نہ جاتا۔

مفتی صاحب اپنا بیان تقریری و تحریری بڑے آرام اور نرمی سے سناتے تھے اور سامعین پر مفتی صاحب کی تقریر اپنا سکہ جماتی تھی۔ آخر میں فرماتے ہیں۔

”میرا دل اس وقت یہ گواہی دیتا تھا کہ اگر مفتی صاحب کی تقریر مرزا قادیانی خود بھی سنتا تو مسلمان ہو جاتا۔ مگر ہدایت مقدر نہ تھی۔“

مرزا ایت کے خلاف ننگی تلوار مولانا غلام محمد گھوٹوی کا وصال پر ملال ۹ مارچ ۱۹۴۸ بروز پیر کو ہوا۔ قبرستان ”ملوک شاہ“ عقب نور محل بہاولپور میں آپ مدفون ہیں (سنہ ماہی الزبیر بہاولپور ۱۹۷۲)

حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ میانوی قدس سرہ

(۱۸۶۰-۱۹۲۸ء)

مناظر اسلام حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ بن مفتی غلام دستگیر بن مفتی سراج الدین بن مفتی شیخ عبداللہ رحمہم اللہ تعالیٰ ۱۸۶۰ء/۱۲۷۷ھ میں میانوی ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد اور مولانا محمد رفیق ساکن برتھ غربی نزد جھاوریاں ضلع سرگودھا سے تحصیل علم کی۔ پھر کئی مدارس میں تدریس کے علاوہ جامعہ نعمانیہ لاہور میں چودہ سال تک صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز رہے۔ اس دور میں یہ بڑا اہم عہدہ تھا۔

شمس قادیانی کی مناظرہ میں شکست

انگریزی زمانہ اقتدار میں قادیانی مبلغ عیسائی مبلغین کی طرح دیہاتوں اور چھوٹے چھوٹے شہروں میں جاتے اور سادہ لوح عوام کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کے لئے طرح طرح کے حیلوں سے کام لیتے۔ اگر اس آبادی میں کوئی عالم دین نہ ہوتا تو اس پر تبلیغ کا دھاوا بول دیتے۔ اگر کوئی عالم دین ہوتا تو اس کی موجودگی میں ”گر بہ مسکین“ ہو کر اتحاد و اتفاق کی بات کرتے۔ مفتی صاحب کے گاؤں موضع میانوی (ضلع سرگودھا) میں بھی قادیانیوں نے آمد و رفت شروع کی۔ آپ کی عدم موجودگی میں ”ہمچومن دیگرے نیست“ کا دم مارتے اور۔ موجودگی میں کہتے کہ آپ ہمارے علماء سے گفتگو کریں۔ مفتی صاحب کہتے ٹھیک ہیں انہیں لے آؤ میں ان سے بات کروں گا۔ شاید وہ مفتی صاحب کے اس ڈھیلے ڈھالے جواب کو کمزوری پر محمول کرتے۔ رفتہ رفتہ قادیانیوں نے یہ بات مشہور کر دی کہ مفتی صاحب کے پاس اپنے مذہب کی حقانیت کی کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے میدان میں گفتگو سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ جس سے عوام کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے۔ ان حالات کے پیش نظر قادیانیوں کے ساتھ مناظرہ ضروری ہو گیا تھا۔

چنانچہ قاضی حبیب اللہ لکھتے ہیں۔

بتاریخ ۲۵ اگست ۱۹۲۳ء اپنے کسی کام کے لئے مفتی صاحب نے ایک ہفتہ کا سفر اختیار کیا اور قادیانی جماعت کے لوگ اپنے ایک مولوی مسی جلال الدین شمس کو قادیان سے میانی لائے اس قادیانی مولوی نے بتاریخ ۲۷ اگست ۱۹۲۳ء گنج منڈی میانی میں تقریر کی اور بعد اختتام تقریر ایک قادیانی نے کہا کہ یہ مولوی صاحب کل وفات مسیح ابن مریم دلائل پیش کریں گے۔ اگر کسی نے مناظرہ کرنا ہے تو میدان میں آئے۔ یہ بات سن کر بوجہ عدم موجودگی مفتی صاحب اسلامی جماعت میں سخت اضطراب پیدا ہوا لیکن مطابق ”الاسلام یعلوی ولا یعلیٰ“ خدا تعالیٰ نے یہ اتفاق پیدا کر دیا کہ مفتی صاحب کو سفر میں گرمی محسوس ہوئی اس وجہ سے وہ ارادہ سفر ملتوی کر کے بتاریخ ۲۸ اگست ۱۹۲۳ء صبح کی گاڑی پر براستہ بھیرہ میانی واپس پہنچ گئے جس پر اسلامی جماعت میں نہایت سرور و خوشی ہو گئی۔ مفتی صاحب نے قادیانی جماعت کو کہلا بھیجا کہ تم نے اسلامی جماعت کو مخاطب کر کے مناظرہ کے لئے دعوت دی ہے اس لئے میں بتائید اللہ مناظرہ کرنے پر تیار ہوں۔ آئیں میرے ساتھ شرائط مناظرہ طے کریں۔ (حبیب اللہ قاضی تقدیم النظر الرحمانی۔ ص ۴)

* مناظرہ کی شرطیں طے ہوئیں۔ موضوع مناظرہ اور تاریخ مناظرہ طے ہوئی یعنی ۱۹۱۸ اکتوبر ۱۹۲۳ء بروز ہفتہ و اتوار موضع میانی متصل سرائے کے برگد کے درخت تلے حیات عیسیٰ علیہ السلام پر مناظرہ ہوگا۔ لیکن ۱۱۵ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو سرگودھا کے ڈپٹی کمشنر کا حکم ہوا کہ فی الحال مناظرہ نہیں ہوگا۔ اس حکم کو سنتے ہی قادیانی جماعت میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ساتھ ہی یہ الزام عائد کیا کہ مناظرہ کے معطل ہونے میں مفتی صاحب کا ہاتھ ہے۔ مفتی صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ ضلع سرگودھا کی حدود سے باہر مناظرہ کیا جائے۔ مگر قادیانی جماعت اس پر بھی راضی نہ تھی۔ قاضی حبیب اللہ لکھتے ہیں کہ جب مفتی صاحب نے یہ حالت دیکھی تو مضطربانہ صورت میں سر بسجود ہو کر دعا کی کہ اے خدایا! اجلاس مناظرہ منعقد فرما کر اہل اسلام کے ایمان و عقائد حقہ مستحکم کر اور مجھے اس جھوٹے اتہام سے بری فرما (حبیب اللہ

مفتی صاحب کی دعا رنگ لائی اور میاں شاہ محمد ساکن واڑہ شاہ عالم کی دسالت سے قادیانی جماعت موضع ہریا تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں مناظرہ کے لئے تیار ہوئی۔ چنانچہ دونوں جماعتیں موضع ہریا پہنچیں۔ اور ۱۸-۱۹ اکتوبر کو مناظرہ ہوا جس میں مسلمانوں کی طرف سے حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ مناظر اور حضرت علامہ مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور صدر جلسہ مقرر ہوئے۔ اور قادیانیوں کی طرف سے مولوی جلال الدین شمس مناظر اور کرم داد صدر جلسہ مقرر ہوئے۔ اور دوسرے دن قادیانیوں کی طرف سے صدر جلسہ حاکم علی تھے۔ اس تحریری مناظرہ میں مفتی صاحب نے حیات عیسیٰ علیہ السلام پر صرف دو دلیلیں دیں۔

پہلی دلیل..... وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ (النساء آیت ۱۵۷)

دلیل دوم..... وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ (النساء آیت ۱۵۹)

مفتی صاحب نے ان دونوں دلیلوں کو بڑے عمدہ اور احسن طریقہ سے بیان کیا۔ ذیل میں ہم دلیل اول پر ”النظر الرحمانی فی کشف القادیانی“ سے دو پیرا گراف بیان کرتے ہیں۔ جو مفتی صاحب کی علمی عظمت و وجاہت کی زندہ و تابندہ مثالیں ہیں۔

پہلی وجہ یہ کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ میں قَتَلْنَا کا مفعول بہ یعنی جس پر بزعم یہود قتل کا وقوع ہوا ہے وہ مسیح ہے اور یہ امر نہایت روشن ہے کہ قتل کے قابل نہ فقط جسم ہے اور نہ ہی فقط روح۔ بلکہ جسم مع روح یعنی زندہ انسان پس ثابت ہوا کہ یہود کا یہ زعم ہے کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا ہے۔ جو قبل از قتل زندہ تھا یعنی اس کے جسم اور روح کے درمیان بذریعہ قتل تفریق کر دی ہے۔ اور چونکہ وَ مَا قَتَلُوهُ اور وَ مَا صَلَّبُوهُ یقیناً یہود کے مزعوم باطل کی تردید ہے۔ اس لئے نفی قتل اور نفی صلیب اسی

مسیح سے ہوگی جو عبارت جسم مع الروح سے ہے یعنی زندہ مسیح۔ اور ہر سہ ضمیریں منصوب متصل جو وَ مَا قَتَلُوهُ اور وَ مَا صَلَّبُوهُ یقیناً میں ہیں۔ ان کا مرجع وہی مسیح زندہ ہوگا۔ اور یہ بات بالکل مہر نیمروز کی طرح روشن ہے کہ ضمیر منصوب متصل جو بل رفعہ اللہ الیہ میں ہے اس کا مرجع بھی وہی بعینہ مسیح زندہ ہے جو ہر سہ ضمائر منصوب متصل سابقہ کا ہے۔ پس ثابت بالدلیل ہوا کہ حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم

زندہ بجسدِ العصری آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ نہ فقط روح۔

دوسری وجہ یہ کہ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ (النساء آیت ۱۵۷-۱۵۸) میں بقرینہ قصر قلب و نفی کلمہ بن ابطالیہ ہے جو بعد نفی کے ہے۔ اور بن ابطالیہ میں جو بعد نفی کے واقع ہو ضروری ہے کہ صفت مبطلہ اور صفت مشتبہ کے درمیان ضدیت ہو دیکھو اَم يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ (القرآن) میں یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ ایک چیز کا جنون ہونا اور ایتان بالحق ہونا معذرت ہے۔ اور یہاں معنوی نفی ہے اور دیکھو وَيَقُولُونَ اِنَّا لَنَارِكُوا آلَ الْهَتِنَا لَشَأْ عَرِّمَجُونِ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ (صافات آیت ۳۶، ۳۷) میں بھی یہ امر بالکل واضح ہے کہ ایک چیز کا شعر و جنون ہونا اور ایتان بالحق ہونا ناممکن ہے۔ اور دیگر نظائر قرآنی بھی بہت ہیں۔ پس اگر بل رفعہ اللہ الیہ سے رفع روحانی اور اعزاز مراد لی جائے تو صفت مبطلہ یعنی قتل المسیح اور صفت مشتبہ یعنی رفع المسیح کے درمیان ضدیت متصور نہ ہوگی کیونکہ قتل اور رفع روحانی و اعزازی کا جمع ہونا ممکن ہے۔ جب مقتول مقربین سے اور اگر یہ مراد لی جائے کہ حضرت عیسیٰ زندہ بجسدِ العصری مرفوع ہوئے تو ضدیت متصور ہوگی۔ کیونکہ اگر حضرت عیسیٰ مقتول ہیں تو پھر زندہ بجسدِ العصری مرفوع نہیں ہو سکتے۔ اور اگر زندہ بجسدِ العصری مرفوع ہوئے تو پھر مقتول نہیں۔ اور نیز قولہم انا قتلنا المسیح سے ظاہر ہے کہ یہود کا اعتقاد جو مخاطب ہیں۔ متکلم کے (یعنی خدائے کریم کے) برعکس ہے۔ اسلئے و ما قتلوه یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ میں قصر قلب ہے۔ اور قصر قلب میں بروئے تحقیق اہل معانی گو یہ لازمی نہیں کہ دونوں وصفوں کے درمیان تثنائی و ضدیت ہو۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ احد الوصفین دوسری وصف کا ملزوم نہ ہوتا کہ مخاطب کا اعتقاد برعکس متکلم متصور ہو۔ اور یہ امر بدہی ہے کہ رفع روحانی و اعزاز اس قتل کو لازم ہے جس میں مقتول مقربین سے ہو پس ثابت بالدلیل ہوا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم زندہ بجسدِ العصری زمانہ گزشتہ میں آسمان پر اٹھائے گئے ہیں نہ فقط روح۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں فقرہ بل رفعہ اللہ الیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ بجسدِ العصری مرفوع الی السماء ہونے پر زبردست اور محکم دلیل ہے۔ کیونکہ اس فقرہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شخصی طور پر نام اور ذکر ہے اور صیغہ ماضی کا ہے اور جملہ خبریہ تبخیریہ ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ میرے مناظر صاحب بھی وفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اثبات

کے لئے قرآن کریم کا ایسا ہی فقرہ پیش کریں گے جو ان تمام صفات کا جامع ہو (غلام مرتضے میانوی مولانا مفتی۔ الظفر الرحمانی ص ۱۸)

قادیانی مناظر مولوی جلال الدین شمس مفتی صاحب کی دو دلیلوں کو آخر وقت تک نہ توڑ سکا۔ چنانچہ مفتی صاحب کو پانچویں اور آخری پرچہ میں لکھنا پڑا کہ۔

حضرات سامعین! یہ میرا آخری پرچہ ہے۔ آپ کو میں اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے رفع اللہ اور بَلْ ابطالیہ اور قصر قلب بَلْ رفعہ اللہ الیہ سے لے کر لام تاکید اور نون تاکید ثقیلہ اور مرجع ابن مریم ہونا یؤمن بہ قبل موتہ سے لے کر ان سپاہیوں سے ایک لشکر تیار کیا اور پھر میں نے ان کو ہتھیار مطابق شرائط جنگ مناظرہ پہنا کر میدان میں بھیجا۔ الحمد للہ کہ اس میرے لشکر زبردست کا فریق مخالف مقابلہ نہ کر سکا بلکہ اس نے شکست کھائی۔ میں نے یہ ہتھیار نہایت کوشش سے تیار کئے تھے اور دو خادم یعنی دو حدیثیں بھی اس لشکر کو رسد پہنچا کر تقویت دے رہی تھیں۔ (غلام مرتضے میانوی، مولانا مفتی۔ الظفر الرحمانی ص ۱۸۰)

غرضیکہ مفتی صاحب کی ہر دو دلیلیں اتنی مضبوط اور قوی تھیں کہ قادیانی مناظرہ دو دن تک ان کا جواب نہ دے سکا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحب کے ذریعے مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی اور باطل خائب و خاسر ہوا۔

مناظرہ میں کامیابی و کامرانی کے بعد صدر جلسہ مولانا غلام محمد گھوٹوی سیدھے دربار عالیہ گولڑا شریف حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت امام اہلسنت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کو پوری کیفیت سے آگاہ کیا۔ آپ نے مفتی صاحب کو مندرجہ ذیل خط لکھا

مخلصی فی اللہ مفتی غلام مرتضے حفظکم اللہ تعالیٰ

بعد سلام و دعائے الحمد للہ کہ او سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو توفیق اظہار حق بدرجہ اتم عنایت فرمائی۔ مخلصی مولوی غلام محمد صاحب سے مفصل کیفیت معلوم ہوئی بل کے بل نے سب بل مبطلین کے نکال دیئے۔

اللهم و فقنا لما تجب وترضی و صل وسلم وبارک علی سیدنا محمد وآلہ

وصحبه والحمد لك اولاً و آخراً

سب احباب سے مبارک بادی۔

العبد الملتجى والمشتكى الى الله المدعوبه

مہر علی شاہ بقلم خود

از گولڑا ۱۲۲ اکتوبر ۱۹۲۳ء

اس تحریری مناظرہ کو قاضی حبیب اللہ نے اپنی تقدیم اور توشیہ سے مزین کر کے چھاپ دیا ہے۔ جس میں ہر مناظر کے پانچ پانچ پرچے ہیں۔ اور آخر میں صدر جلسہ مولانا غلام محمد گھوٹوی اور دیگر علماء کرام جو کہ اس مناظرہ میں شریک تھے۔ کی تائیدات ہیں۔ اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے اقتباس نظر قارئین ہیں۔

مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور

مفتی صاحب نے ہر دو دن کے اجلاسوں میں اپنے اخلاق جمیلہ کا وہ ثبوت دیا کہ ہر کہ و مہ نے آفریں آفریں کہی۔ باوجودیکہ فریق مخالف کا مناظر نہایت بد خو تھا۔ اور دونوں اجلاسوں کے غیر مہذبانہ الفاظ جو مفتی صاحب کی ذات کے متعلق اس نے استعمال کئے جمع کئے جائیں تو کافی تعداد ہو جائے۔ مگر مفتی صاحب نے اپنی کوہ وقاری، نسبی و جملی شرافت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان الفاظ کو غیر مسوع تصور کیا۔ میرے خیال میں فی زمانہ ایک مولوی صاحب کے لئے یہ حلم و بردباری تقریباً محال ہے۔

قادیانی مناظر کے سارے مناظرہ کے اجلاسوں کے بے قاعدگیاں یعنی خلاف ورزیاں شرائط مقررہ فریقین ۴۹ ہیں اور مفتی صاحب نے ایک جگہ بھی شرط کی پابندی کو نہیں چھوڑا۔ اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو میں ایک ایک کو علیحدہ علیحدہ لکھتا۔

مفتی صاحب کی ہر دلیل تحقیقی و الزامی تقریب نام سے مزین تھی۔ مگر قادیانی مناظرہ بالکل

تقریب کے قریب نہ جاتا۔

مفتی صاحب اپنا بیان تقریری و تحریری بڑے آرام اور نرمی سے سناتے تھے اور سامعین پر مفتی صاحب کی تقریر اپنا سکھ جماتی تھی۔ آخر میں فرماتے ہیں۔

”میرا دل اس وقت یہ گواہی دیتا تھا کہ اگر مفتی صاحب کی تقریر مرزا قادیانی خود بھی سنتا تو مسلمان ہو جاتا۔ مگر ہدایت مقدر نہ تھی۔“

مولانا نجم الدین پروفیسر اور ٹیبل کالج لاہور

مفتی صاحب جہاں عزم و ثبات و قار و استقلال ان کا طرہ امتیازی تھا وہیں متانت و شرافت، تہذیب و شائستگی کے پیکر بن کر موافق و مخالف سے تحسین لے رہے تھے۔ قادیانی مناظر نے مولانا مفتی صاحب کے دلائل و شواہد کو توڑنے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔ بلکہ ادھر ادھر کے غیر مربوط و غیر متعلق امور سے حاضرین کی تواضع کرتے رہے۔

مناظرہ آخر تک سکون و امن سے ہوتا رہا۔ یہ سکون اور زیادہ ہو گیا جب آخر میں آفتاب صداقت کی ضیاء باری سے کذب و بطلان کی گھنگور گھٹاؤں کا شیرازہ سراسر منتشر ہو گیا۔

مولانا ابوالقاسم محمد حسین :- از کولوتار روضہ صلیح گوجرانوالہ

میں مناظرہ ہر یہ میں جو ماہین مفتی غلام مرتضیٰ صاحب اور مولوی جلال الدین صاحب شمس دربارہ حیات مسیح منعقد ہوا تھا حاضر تھا۔ مناظرہ دو دن نہایت خوش اسلوبی سے ہوا۔ حضرت مفتی صاحب موصوف نے قرآن کریم سے دو دلیلیں حیات مسیح علیہ السلام پر پیش کیں جن کو انہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیا اور قواعد عربیت سے نہایت محکم استدلال کے ساتھ ثابت کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ بجسدہ العنصری آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ ان کا جواب مرزائی مناظر سے کچھ نہ ہو سکا۔ مرزائی مناظر نے وفات مسیح پر پندرہ دلیلیں دیں۔ مگر مفتی صاحب ممدوح کے اولہ قطعیہ اور براہین یقینیہ کا جواب نہ دے سکا۔

مولانا کامل الدین ساکن میلوال :-

میں مناظرہ ہریا کے سب اجلاسوں میں شریک رہا۔ علامہ مفتی صاحب نے اپنا دعویٰ صرف ایک آیت و ماقتلوہ الخ سے بھی ثابت کر دیا اور اس آیت سے اسی طریقہ پر استدلال بر حیات مسیح کیا جو شرائط میں مشروط تھا۔ یعنی آیت کے ان معنی سے جو احادیث نبوی اور اقوال صحابہ و قواد صرف نحو۔ لغت۔ معانی۔ بیان۔ بدیع کے عین مطابق تھے۔ دورانِ گفتگو جلسہ گاہ میں میرے سابق ہم جماعت مدرسہ حمیدیہ لاہور، مولوی محمد اسمعیل احمد جلاپوری مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان نے علامہ مفتی صاحب کی لیاقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ۔

مفتی صاحب ایک عالی دماغ آدمی ہیں اور تقریر سے ان کی علمی لیاقت ٹپکتی ہے۔

اور بوقت تقریر مفتی صاحب کے حق میں لافض فوک کی صدائیں آرہی تھیں (غلام مرتضیٰ

میانوی۔ مولانا مفتی۔ النظر الرحمانی ص ۱۹۵۔ ۱۹۷۔ ۱۹۹)

مولانا گل احمد:۔ ساکن پنڈدادنخان ضلع جہلم

غلام میرزا پہلے تو کرے علم تحصیل

غلام مرتضیٰ سے کم بہت کچھ علم تیرا ہے

ذرا دیکھو و ماقتلو اور ماصلبو کی آیت کو!

تمہارے موت کے عقدے کو کیا اس نے بکھیرا ہے

اگر مطلوب زندگی ہے تو بل رفع کی بن دیکھو!

سیح موعود کا چرخ بلندی پر بسیرا ہے

فلک کی کج ادائیگی نے لگایا شمس کو گہنا

جیسی تو اس کی دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے

مولانا امام الدین:۔

ساکن کندوال تحصیل پنڈدادنخان ضلع جہلم

مرزا یوں سے جلال الدین تھا! اہل سنت سے غلام مرتضیٰ

بحث تھی عیسیٰ کی زندگی موت میں یعنی عیسیٰ زندہ ہے یا مر گیا
 معیار تھا قرآن ہم قول نبی! فیصلہ اس پر مسلم ہو چکا
 مفتی صاحب جب پڑھا قرآن لحن داؤدی سے جلسہ بھر دیا
 آیت انا قتلنا جب پڑھی رفعت اللہ سے یہ ثابت کر دیا
 زندہ ہے عیسیٰ افلاک پر دیکھ لے نکتہء عجیب بل میں پڑا
 ہے یہ اضرابیہ ابطالیہ بل اور قصر قلب ہے اس میں چھپا
 موت کو باطل کیا ماقبل نے جو کہ پہلے آچکانافیہ ما
 رفعت سے آوازے آرہے زندہ ہے وہ آسماں پر چڑھ گیا
 اسمیں ہیں اثبات جسد عنصری اس کا منکر ہے نہیں جزا اشقیاء
 بل کے اندر پھنس گیا صنعی شمس منہ پر پردہ پڑ گیا کسوف کا
 ہاتھ پاؤں مارے سب لیکن کہیں دستگاری کا نہ ہرگز راہ ملا
 سب کو روشن ہو گیا زندہ مسیح موت کے قابل ہوا ہے روسیاء
 ہر طرف سے آرہی تھی یہ ندا آفریں صد آفریں مفتی غلام مرتضیٰ
 ہے امام الدین کی یہ التجا دست بالا ہو صدا اسلام کا

(حبیب اللہ۔ مولانا۔ الظفر الرحمانی ص ۲۰۰)

مولانا امام الدین :- ساکن ہریا تحصیل پھالیہ ضلع گجرات

بھم اللہ خدا نمود مارا غلام مرتضیٰ حق کا پیارا
 بہ ہریا قدم رنجہ چوں بفرمود دیا کر حق و باطل میں ستارا
 لوائے میرزائی منہدم شد بمیدان مباحثہ آشکارا
 غلام مرتضیٰ در ملک پنجاب چمکتا ہے ہدایت کا ستارا

مولانا بدر الدین :- ساکن رکن ضلع گجرات

بجھ اللہ کہ از فضل خداوندا دل اہل حق گردید خورسند
نماندہ مشتبہ دجال و عیسیٰ جلی شد کذب فرعون صدق موسیٰ
غلام مرتضیٰ مفتی حقانی رسیدہ ازوے شمس قادیانی
دم از علم بیاں بروئے دمیدہ بیس حلقوم کا ید چوں بریدہ
نمی گوئیم کہ عیسائے ناں است دے دجال کشتن راجواں است

حضرت پیر صدیق شاہ:-

مفتی صاحب فاضل پورا اشراں والا بندہ
وچہ شرطوں دے پورا اتریا چھوڑ نکما دھندا
کل شی رجع الی اصلہ حضرت دافرمانا
جیسا اصل کسیدہ ہوئے اس پاسے اس جانا
ہر کوئی جانے مفتیاں والا شریف گھرانہ
نال شرافت پورا اتریا چھڈ کے مکر بہانہ
مفتی صاحب مرزا یوں نون خنجر ماری بل دی
تاہیں وچہ انہاندے سینے آتش غم دی بلدی
عیسیٰ نون آسمانوں اتے بل چڑھایا جلدی
بلن انہاندے دل نکالے واہ نہیں کوئی چلدی
خوش رہویں اے مفتی شالا ہووے لمی حیاتی
اللہ پاک بنایا تینوں رحمت دی برسائی
مردیاں دے دل زندہ کیتے تیریاں خوش تقریراں
دنیا تے رب زندہ رکھے تیں جیہاں تصویراں
توں ہن اپنا شعر سنا کے بس کر شاہ صدیق

مفتی صاحب چھوڑیا تاہیں باقی کوئی دقیقہ

(غلام مرتضے میا نوئی مولانا مفتی۔ النظر الرحمانی ص ۲۰۲-۲۰۳-۲۰۰)

حضرت مولانا مفتی غلام مرتضے نے مولوی جلال الدین شمس کی مقابلہ میں کامیابی کے بعد یہ

اعلان فرمایا کہ۔

۱۸-۱۹ اکتوبر ۱۹۲۲ء موضع ہریا تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں قادیانی مناظر سے کامیابی کے

بعد میرا حق ہے کہ میں قادیانی جماعت میں سے جس فرد کو مناظرہ کے لئے دعوت دوں وہ میدان مناظرہ

میں نکلے۔ چونکہ میاں محمود احمد کو قادیانی جماعت نے سب سے فائق سمجھ کر مرزا قادیانی کی خلافت کے

لئے منتخب کیا ہے۔ اس لئے میں محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی مرزا قادیانی کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ میرے

ساتھ مسئلہ حیات و وفات مسیح ابن مریم پر بمقام لاہور تحریری و تقریری مناظرہ کریں

خادم الاسلام و المسلمین

مفتی غلام مرتضے ساکن میانی ضلع سرگودھا

(غلام مرتضے۔ مولانا۔ النظر الرحمانی ص ۲۲۲)

حضرت علامہ مفتی غلام مرتضے میا نوئی ایک جید عام دین بہترین مدرس پر جوش مقرر اور

زبردست مناظر تھے۔ آپ نے قادیانیوں، وہابیوں، اور شیعوں کی خلاف کتابیں لکھیں تقریں کیں اور

مناظرے کئے۔ آپ کی موجودگی میں بڑے بڑے علماء فضلاء مہربلب رہتے۔ آپ کی علمی جلالت کے

اپنے اور بیگانے دونوں قائل تھے۔ عوام و خواص آپ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے۔ بحث و مباحثہ

میں ہمیشہ آپ غالب رہتے۔ ایک دفعہ قیام لاہور کے دوران ۱۴ یا ۱۵ مئی کو مولانا ابراہیم علی چشتی کے

مکان واقع کشمیری بازار (لاہور) میں مولانا ابراہیم علی چشتی اور دوسرے علماء کرام کی موجودگی میں مولوی

نور الدین قادیانی سے گفتگو ہوئی۔

مفتی صاحب..... مولوی صاحب میں آپ کو مرزا قادیانی کے معتقدین میں وسیع المعلومات اعتقاد کرتا ہوں۔ اس لئے مجھے اشتیاق ہے کہ آپ وفات مسیح ابن مریم پر کچھ تقریر فرمائیں۔

مولوی صاحب..... تقریر شروع کرنے سے پہلے میں ایک حکایت بیان کرتا ہوں۔ اس حکایت کو میری تمام تقریر میں ملحوظ رکھنا۔ وہ حکایت یہ ہے۔

ایک دن ایک سائل نے میرے سے دریافت کیا کہ اس مقدمہ کا کیا مطلب ہے۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ میں نے سائل کو کہا کہ تم نے اس مقدمہ کا کیا مطلب سمجھا ہوا ہے۔ سائل نے کہا میں نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہوا ہے کہ ایک دعویٰ مثلاً موجبہ ہے تو اس کی دلیل کے مقدمات و اجزاء بھی موجبہ ہوں گے۔ اور وہ دلیل اپنی ایجابی جانب کے لحاظ سے اس دعوے کو ثابت کرے گی۔ اور اگر اس دلیل کے مقدمات و اجزاء کی جانب مخالف یعنی سلبی جانب کا احتمال ہو تو وہ استدلال باطل ہوگا۔ اور وہ دلیل اس دعوے کو ثابت نہیں کرے گی میں نے سائل کو کہا کہ یہ مطلب غلط ہے بلکہ اس مقدمے کا مطلب ہے کہ اگر احتمالوں پر غور کیا جائے تو کوئی شخص دلیل قائم ہی نہیں کر سکتا۔

مفتی صاحب..... جناب میں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے۔ لیکن جس طریقہ سے میں استفسار کروں اس طرز پر آپ تقریر فرمائیں۔

مولوی صاحب..... کہئے

مفتی صاحب..... یہ تو آپ کا عقیدہ ہے ہی مات عیسیٰ لیکن میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ آپ کا عقیدہ مات عیسیٰ و ہما یا شکاً یا ظناً یا تقلیداً یا یقیناً کیسا ہے؟

مولوی صاحب..... میرا عقیدہ مات عیسیٰ یقیناً ہے۔

مفتی صاحب..... تو پھر ضروری ہے کہ اس یقینی دعوے کو ثابت کرنے کے لئے جو دلیل آپ بیان فرمائیں گے اس دلیل کے مقدمات اور اجزاء یقینی ہوں۔

مولوی صاحب..... یقینی دعوے میں یہ لازم نہیں کہ وہ اپنے ثبوت میں دلیل کا محتاج ہو۔

مفتی صاحب..... واقعی دعوے دو قسم کے ہیں۔ بدیہی اور نظری بدیہی تو اپنے ثبوت میں دلیل کے محتاج نہیں۔ لیکن نظری اپنے ثبوت میں دلیل کے محتاج ہیں۔ اب میں دریافت کرتا ہوں کہ آپ کا دعوے

مات عیسیٰ یقیناً بدیہی ہے یا نظری۔

مولوی صاحب..... نظری ہے۔

مفتی صاحب..... جب آپ کا یہ دعویٰ یقینی ہے اس لئے جو دلیل آپ بیان فرمائیں گے اس دلیل کے مقدمات اور اجزاء بھی یقینی ہونے چاہئیں۔ ورنہ یہ دلیل اس یقینی دعوے کو ثابت نہ کر سکے گی۔

مولوی صاحب..... تو پھر کیا ہوا۔

مفتی صاحب..... جناب پھر جو مطلب مقدمہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال کا سائل نے بیان کیا ہے وہ صحیح ثابت ہوا۔ اور جو معنی آپ نے کئے ہیں وہ غلط ہوئے۔

مولوی صاحب..... آپ ماخذ کی طرف رجوع کیجئے۔

مفتی صاحب..... رجوع کرتا ہوں جناب میں اتنا عرض کرتا ہوں کہ آپ اپنے دعویٰ مات عیسیٰ یقیناً کے ثابت کرنے کے لئے جو دلیل بیان فرمائیں گے خواہ وہ دلیل قرآنی ہو یا حدیثی یا مجموعی اس دلیل کے متعلق اتنا فرما دیجئے کہ اس دلیل میں تقریب تام ہے۔

مولوی صاحب..... یہ تو میں کبھی نہ کہوں گا۔

مفتی صاحب..... جناب جب آپ کا دعویٰ یقینی ہے اور آپ کو اپنی دلیل پر پورا بھروسہ ہے تو پھر آپ یہ کیوں نہیں فرماتے۔

مولوی صاحب..... یہ میں نہیں کہوں گا۔

اسی نزاع میں مکالمہ ختم ہوا اور مولوی نور الدین صاحب نے اخیر میں اقرار کیا کہ مفتی صاحب

نے مناظرہ کا نیا ڈھنگ نکالا ہے۔ (غلام مرتضیٰ میانوی۔ مولانا مفتی ص ۲۰۴)

یہ تھی مفتی صاحب کی قادیانیت کے سلسلہ میں اسلامی خدمات کی ایک جھلک۔ اس کے علاوہ

مفتی صاحب ایک قادر الکلام خطیب تھے اور زبردست اہل قلم بھی۔

مفتی صاحب کی قلمی کاوشیں مندرجہ ذیل اسماء کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں

الظفر الرحمانی مطبوعہ لاہور پرنٹنگ پریس لاہور۔ ۱۹۲۵ء

التبیان والحماسہ مطبوعہ مطبع حمید لاہور ۱۳۲۶ھ

ختم نبوت قلمی

شرح قصیدہ بردہ قلمی

۱۰ محرم ۱۳۲۶ھ / ۱۹۲۸ء کو آپ نے ظہر کے بعد ”رضا بالقضاء“ کے موضوع پر تقریر فرمائی۔

اسی روز عصر کے بعد داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے خالق حقیقی سے جا ملے دوسرے روز ہزاروں افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرہ دھوم سے نکلے

محبوب کی گلیوں میں ذرا گھوم کے نکلے

آپ صاحب اولاد نہ تھے اس لئے آپ کے برادر زادہ حضرت مولانا محمد رفیق مدظلہ العالی

آپ کے جانشین ہیں (مکتوب گرامی مفتی محمد رفیق مدظلہ العالی بنام رقم الحروف۔)

(ماخوذ از تجلیات مہر انور)



حضرت مولانا قاضی غلام یسین علوی قادریؒ

(۱۲۶۲-۱۳۳۷ھ)

حضرت مولانا غلام یسین علوی قادریؒ ابن حضرت علامہ عبدالرزاق ابن مولانا محمد ابن مولانا قاضی عبدالرحمنؒ کا سلسلہ نسب حضرت علیؑ سے حضرت عباسؑ کے وسیلہ سے ملتا ہے۔ آپ کی ولادت ۱۲۶۲ھ میں قصور کے ایک گاؤں بہادر پور میں ہوئی تھی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم سمیت تفسیر فقہ میراث اور حدیث کی تعلیم بھی اپنے والد ماجد سے مکمل کی۔

قاضی غلام یسین علوی صاحب نے مروجہ تعلیم سے فراغت کے بعد ضلع قصور میں اپنے آبائی گاؤں میں ہی تعلیم و تدریس کے کام کا آغاز کر دیا۔ مگر آپ کے چچا زاد قاضی محمد بن قاضی قطب الدین کی وفات پر جو کہ ڈیرہ غازی خان میں منصب قضا پر فائز تھے۔ لوگ اصرار کر کے آپ کو ڈیرہ غازی خان لے گئے اور آپ کو منصب قضا پر فائز کر دیا گیا۔ یہاں پہنچ کر بھی آپ نے تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رکھا۔ امام اہلسنت امام احمد رضا خان بریلویؒ کے ساتھ آپ کی خط و کتابت جاری رہتی تھی۔ گمراہ فرقوں اور کفار عیسائی و قادیانی وغیرہ کے خلاف آپ ہمہ تن مصروف جہاد رہے۔ ڈیرہ غازی خان شہر میں قادیانیوں کی ایک عبادت گاہ تھی۔ آپ نے اپنی ذاتی رقم سے ۱۰ امرلہ زمین خرید کر قادیانی عبادت گاہ کے بالکل قریب مسجد اور درس گاہ تعمیر کروائی اور باقی ساری عمر اس مسجد اور درس گاہ کی منبر پر بیٹھ کر قادیانی ٹولہ کے گمراہ کن عقائد کا رد فرماتے رہے۔ ڈیرہ غازی خان کے عوام کو قادیانیت کے جال میں آنے سے محفوظ رکھنے میں آپ کا نمایاں کردار ہے۔

قاضی غلام یسین علوی صاحبؒ ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ ہجری کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اللہ

تعالیٰ آپ کی روح پر فتوح پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

نوٹ:- قاضی غلام یسین علویؒ کے بارے میں زیادہ تر معلومات پروفیسر مجید اللہ قادری استاد شعبہ ارضیات جامعہ کراچی کے مضمون۔ امام احمد رضا اور علمائے ڈیرہ غازی خان۔ مطبوعہ ماہ نامہ جہان رضا۔ لاہور بابت اکتوبر نومبر ۱۹۹۸ء سے اخذ کی گئی ہیں۔

قاضی فضل احمد لدھیانوی

حضرت مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی (سابق کورٹ انسپکٹر لدھیانہ) اہل سنت کی وہ عظیم المرتبت شخصیت اور مقتدر ہستی ہیں۔ جنہوں نے زبان و قلم سے فرقہ باطلہ مرزائیہ کے خلاف ڈٹ کر جہاد کیا۔ اور وہ کارہائے نمایاں سرانجام دئے جو ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ جب قاضی صاحب کی شہرہ آفاق تصنیف ”انوار آفتاب صداقت“ کا ظہور ہوا تو ملت اسلامیہ کے اکابر علماء و مشائخ نے زبردست خراج تحسین سے نوازا اور تقاریظ سے اس لاجواب تصنیف کو مزین فرماتے ہوئے آپ کے علم و فضل پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ تقاریظ لکھنے والوں میں السید شاہ احمد رضا خان بریلوی کا نام نامی بھی شامل ہے۔ قادیانیت کی طرف سے ناموس رسالت پر حملہ کرنے کی جسارت کی گئی تو قاضی صاحب کا راہوار قلم قادیانیت کے رد میں خوب چلا۔ ۱۸۹۸ء میں آپ نے مرزا قادیانی کی کتاب ازالہ اوہام کے رد میں ”کلمہ فضل رحمانی بجواب اوہام غلام احمد قادیانی“ تصنیف فرمائی۔ جو علماء کرام کی تقاریظ و تصدیق کے ساتھ لاہور سے شائع ہوئی۔

آپ نے آج سے ایک سو دو برس قبل پہلے یہ کتاب لکھی تھی پوری صدی گزر جانے کے باوجود اس کے مضامین کی خوبصورتی اور حسن استدلال جوں کا توں قائم ہے کتاب نایاب ہو گئی تو اس کی اہمیت کے پیش نظر مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان نے اخبارات میں اشتہارات کے ذریعے اس کا ایک نسخہ ڈھونڈا۔ ۱۹۸۸ء میں اس کا دوسرا اور اب ۱۹۹۸ء میں اس کا تیسرا ایڈیشن شائع ہو چکا ہے مرزا قادیانی بھی گورداسپور کا تھا اور مولانا موصوف بھی اسی ضلع کے رہائشی تھے لوہے کو لوہا کاٹتا ہے کے مصداق آپ نے قادیانی عقائد و نظریات، عزائم، علم و عمل اور مرزا قادیانی کے ذاتی کردار کی خوب خبر لی ہے۔

قاضی فضل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں جمادی الثانی ۱۳۱۵ میں اس کتاب کی تکمیل

سے فارغ ہوا تو ایک رات صبح ساڑھے چار بجے خواب دیکھا کہ ایک مجلس میں علمائے اسلام تشریف فرما ہیں، عوام بھی موجود ہے، ایک طرف مرزا قادیانی پاؤں دراز کئے پڑا ہوا ہے۔ اس کا سر ننگا ہے اور درمیان سے لے کر پیشانی تک استرے سے موٹا ہوا ہے۔ دونوں طرف سر کے بال باقی ہیں داڑھی قینچی سے کٹی ہوئی ہے۔ اس کی اس ہیبت کو دیکھ کر حیران ہوا کہ سر کے بال ہندوؤں کی طرح اور داڑھی فیشنی طرز کی دونوں کام خلاف شرع تو دل کو اطمینان ہوا کہ میری کتاب کی تکمیل سے اس خواب کے ذریعے مجھے بشارت دی گئی ہے کہ مرزا قادیانی کی شریعت سے روگردانی کو واضح کرنے میں یہ کتاب اہم کردار ادا کرے گی۔

جب کلمہ فضل رحمانی تالیف کی گئی تو اس دور کے ایک اخبار ”وفادار“ کے ایڈیٹر نے ایک رات دو بجے نماز تہجد کے وقت اللہ رب العزت کے حضور بڑی عاجزی و انکساری سے گڑ گڑاتے ہوئے دعا کی کہ اس کی راہنمائی کی جائے کہ کلمہ فضل رحمانی کے مصنف کا موقف ٹھیک ہے یا مرزا قادیانی کا۔ دعا کرتے کرتے روتے ہوئے ٹڈھال ہو کر سو گئے۔ اتنے میں انہیں خواب میں دیوان حافظ کا ایک شعر دکھایا گیا۔ خواب میں انہوں نے وضاحت چاہی تو ان کو ایک کتاب تھما دی گئی۔ دیکھا تو وہ کلمہ فضل رحمانی تھی۔ فرماتے ہیں کہ دل کو تسلی ہو گئی کہ کلمہ فضل رحمانی کے مؤلف کا موقف صحیح ہے اور مرزا قادیانی واقعتاً ملعون و مردود ہے۔ (تحریک ختم نبوت کی یادیں صفحہ ۶۷ از طاہر رزاق)

کلمہ فضل رحمانی کے بعد بھی آپ رد قادیانیت پر متواتر لکھتے رہے۔ درج ذیل کتابیں آپ کے رشحات قلم کی یادگار ہیں۔

۲۔ جمعیت خاطر۔ مصنف موصوف اور غلام رسول قادیانی انسپیکٹر پولیس فیروز والا کے مابین مرزا قادیانی کے کفر و ایمان پر کافی عرصہ خط و کتابت ہوئی۔ قاضی صاحب نے مرزا قادیانی کو گمراہ اور کافر ثابت کر دیا اور خط و کتابت کو جمعیت خاطر کے عنوان سے ۱۹۱۵ء میں شائع کر دیا۔ اس کتاب کے ۱۲۰ صفحات ہیں۔

۳۔ فضل الوحید۔ رد قادیانیت پر قاضی صاحب کی یہ شہرہ آفاق کتاب ۲۷۶ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۳۵ء میں پہلے مرتبہ طبع ہوئی اب نایاب ہے۔

۴۔ نیام ذوالفقار علی برگردن خاظمی مرزائی فرزند علی۔ ۱۳۳۹ ہجری میں لاہور سے طبع ہوئی۔

۵۔ تردید فتویٰ مولوی ابولکلام آزاد و مولوی محمد علی مرزائی مطبوعہ ۱۳۴۲ ہجری (سورت)

۶۔ مخزنِ رحمت بر قادیانی دعوت۔ لدھیانہ سے ۱۳۴۵ ہجری میں طبع ہوئی۔

۷۔ کیا مرزا قادیانی مسلمان تھا۔ (غیر مطبوعہ)

۸۔ اتفاق و نفاق بین المسلمین کا موجب کون۔ مطبوعہ ۱۳۴۵ ہجری

(قادیانی فتنہ اور علمائے حق صفحہ ۷۹ تا ۸۲ از محمد سعید احمد)



حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہؒ

انگریز کے دور غلامی میں برصغیر کے مسلمانوں کو جس طرح دوسرے کئی مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ اسی طرح ایک جھوٹی نبوت قائم کر کے امت میں انتشار پیدا کیا گیا۔ انگریز نے اس کی نبوت کو اپنی سنگینوں کے سائے میں پروان چڑھنے کا موقع دیا اور اس کو قبول کرنے والوں کے لئے نوازشات کے دروازے کھول دئے۔ اس دور میں انگریزوں کے پروردہ جھوٹے نبی غلام احمد قادیانی کی سرکوبی اور فتنہ مرزائیت کو ختم کرنے کے لئے کسی ایسی جلیل القدر شخصیت کی ضرورت تھی۔ جس کا خمیر عشق رسالت سے اٹھا ہو۔ جس کی نگاہوں میں نور صدیقیت کی جھلک ہو، جس کی ادائیں شجاعت علی رضی اللہ عنہ کی مظہر ہوں۔ جس کی خطابت سے باطل لرزہ براندام ہو۔ چنانچہ برصغیر پاک و ہند میں قدرت نے مسلمانوں کو خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں ایک ایسی باکمال شخصیت عطا فرمائی جو اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، حضرت خطیب الاسلام دنیائے روحانیت کے عظیم خانوادہ مشائخ آ کو مہار شریف کے فرزند ارجمند تھے۔

نکلتا ہوا قد، دمکتا ہوا چہرہ، موچھوں اور داڑھی کا مخصوص انداز عنیک سے جھانکتی ہوئی آنکھیں، خوبصورت جبہ اولاً کلاہ پر دستار بعد میں کراکلی ٹوپی، ہاتھ میں نفیس چھڑی لئے ہوئے پروقار قدم اٹھاتے ہوئےستانوں کے ہجوم میں جلوہ گر ہوتے تو ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا۔ نعروں کا سیلاب اٹھتا پورا جلسہ کھڑا ہو جاتا، علماء و مشائخ بھی نعرہ زن ہوتے، عوام لوٹ لوٹ جاتے، اسٹیج پر سب سے اونچی کرسی آپ کو ملتی پورے اجتماع کی نگاہیں آپ کے چہرے پر گڑی کی گڑی رہ جاتیں آپ خطابت کا رنگ جماتے، ہم قافیہ الفاظ کی بھرمار کرتے، نتیجہ نکالتے اور آخر میں نہایت موزوں شعر چست کرتے تو مجمع پھڑک پھڑک جاتا، کئی کئی گھنٹے تک ہر سامع محو حیرت رہتا، مجمع کو ہنسانا اور رلانا آپ کی خطابت کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔

عشق رسول ﷺ آپ کو ورثے میں ملا تھا۔ شمع رسالت کا یہ پروانہ کسی خانہ ساز نبوت کا وجود کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ تھا۔ قادیانیت کے سحر باطل کے خاتمے کے لئے آپ نے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۸۰ء تک مسلسل جہاد کیا۔ مجلس احرار میں آپ کی شمولیت صرف اسی مقصد کے لئے تھی۔

آپ کے کردار کے بارے میں روزنامہ ”امروز“ کا ادارہ یہ نوٹس لکھتا ہے:

”قیام پاکستان سے قبل اگرچہ وہ مجلس احرار کے رکن تھے۔ مگر حامیان پاکستان میں شامل تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ قیام پاکستان کا مطالبہ درست ہے۔ اس کے حصول کے لئے ہر مسلمان کو جدوجہد کرنی چاہئے۔ وہ ہندوستان کے نیشنلسٹ مسلمانوں کے اس نظریے کے خلاف تھے کہ پہلے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالو بعد میں پاکستان کا مطالبہ کرو۔ آپ کا موقف تھا کہ انگریز اور ہندو دونوں کی بالادستی سے بیک وقت نجات حاصل کی جائے۔ اس نظریے کی پر جوش تبلیغ کی اور مخالفوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ان کی علمی، دینی اور ملی خدمات کا اعتراف ہر مکتب فکر کے لوگوں نے کیا۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ان کی تحریک سے ہوا۔ انہوں نے شہید گنج تحریک، شدھی تحریک اور شاتم رسول راجپال کے خلاف تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ مجموعی طور پر چار سال قید کاٹی۔“ (امروز۔ ۲۵ فروری ۱۹۸۴)

۱۹۳۰ء میں تحریک کشمیر چلی تو ۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ مرزا بشیر الدین محمود اس کمیٹی کا صدر بنا۔ مجلس احرار نے پوری تحریک اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے رام تلانی سیالکوٹ میں بہت بڑے جلسہ کا انتظام کیا۔ جس میں حضرت خطیب الاسلام نے اعلان فرمایا:

”ہم مسلمان اس کمیٹی میں حصہ نہیں لے سکتے، جس کمیٹی کا صدر ایک کافر مرزا بشیر الدین محمود

ہو۔“

کشمیر کمیٹی کے رکن علامہ اقبالؒ بھی تھے۔ چنانچہ حضرت خطیب الاسلام نے علامہ اقبالؒ کو صورت حال سمجھا کر کمیٹی سے علیحدہ ہونے پر مجبور کیا۔ خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہؒ کی خاندانی وجاہت اور ان کے دلائل کی اصابت دیکھ کر علامہ اقبالؒ مرحوم نے استعفیٰ لکھا اور کمیٹی کو توڑنے کا

اعلان کیا۔

اس دن سے علامہ اقبال مرحوم کی قادیانیت کے خلاف کھلی لڑائی کا آغاز ہوا اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ علامہ نے قادیانیت کو برگِ شیش، غارت گرا قوام، فتنہ ملت بیضا، یہودیت کا شنی اور مرزائیوں کو اسلام کا غدار قرار دے کر مسلمانوں سے الگ کر دینے کے مطالبے کی پر زور حمایت شروع کر دی۔ ۱۹۳۲ء میں مجلس احرار اسلام کے مرکزی عاملہ کے انتخابات ہوئے جن میں حضرت خطیب الامام بھی رکن منتخب ہوئے۔ مجلس احرار میں شمولیت کے بعد حضرت خطیب الامام نے ناموس رسالہ اور عظمت ختم نبوت کے لئے بھرپور اور بے مثال جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ اس سلسلے میں آپ نے جو خطبہ، رسالے اور تارخ میں آب زر سے لکھی جائیں گی۔

آپ نے مرزا بشیر الدین کے گھر کے سامنے جلسہ منعقد کیا اور مرزا بشیر کے مکان کو بطور اسٹیج استعمال کیا۔ کیونکہ آپ کی آمد کی خبر سن کر مرزا بشیر الدین اپنے گھر سے بمبہ اہل و عیال بھاگ گیا تھا۔ قالہ الہی ہے جاء الحق و زهق الباطل جہاں حق آجائے باطل کو راہ فرار کرنا ہی پڑتی ہے۔ حضرت خطیب الامام حق کی لٹکارتھے۔ آپ نے خطاب فرمایا:

”قادیانیو! سن لو فیض الحسن تمہارے چیلنج کا جواب دینے آ گیا ہے۔ میں حسین کا بیٹا ہوں۔ ناموس رسالت اور عظمت ختم نبوت کے لئے ایک اور چھوٹی سی کربلا آباد کر دوں گا۔ لیکن اپنے آبا کی عظمت ختم نبوت پر آنچ نہ آنے دوں گا۔“

۲۶۲۰ مئی ۱۹۵۱ء کو لاہور میں (مرزائیوں کو مجلس قانون ساز میں کوئی سیٹ نہ ملنے پر) یوم تشکر کے سلسلہ میں ایک عظیم الشان جلسہ عام ہوا، جس میں حضرت خطیب الامام نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

”میں مطالبہ کرتا ہوں کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائے یا انہیں مجبور کیا جائے کہ وہ اس ملک کو چھوڑ دیں اور بھارت میں آباد ہو جائیں۔“

۶ دسمبر ۱۹۵۱ء کو احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور میں آپ کی زیر صدارت تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ آپ نے اپنے صدارتی خطبہ میں ریاست بہاولپور کے حکام سے پر زور مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے۔ بعد میں آپ کے اس صدارتی خطبہ کو اہمیت کے پیش نظر متعدد

مرتبہ شائع کیا گیا۔

پاکستان میں تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں چلی، جبکہ حضرت خطیب الاسلام کی خدمات ختم نبوت کا آغاز ۱۹۳۱ء میں ہو چکا تھا۔ ان شواہد کی روشنی میں حضرت خطیب الاسلام کو مجاہد اول تحریک ختم نبوت مانے بغیر چارہ نہیں۔

قیام پاکستان کے بعد ہمارے عاقبت نااندیش حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کے سبب قادیانی ملک پاکستان میں کلیدی عہدوں پر فائز ہو گئے۔ اور در پردہ ملک کو کمزور کرنے اور اپنے عزائم کو پروان چڑھانے کی عملی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ ان حالات میں حضرت خطیب الاسلام اغماض نہیں برت سکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے سرگرمی کے ساتھ اس صورت حال کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا اور اس سلسلے میں ہراول دستے کی قیادت خود سنبھالی۔

۲۰ جون ۱۹۵۲ء کو جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ میں ایک عظیم الشان جلسے کی صدارت

فرمائی۔ اس جلسہ کی کارروائی کا آغاز ان نعروں سے ہوا:

☆ مرزاہیت مردہ آباد

☆ ظفر اللہ قادیانی کو ہٹادو

☆ مرزاہیت کو اقلیت قرار دو

☆ دشمن دین مرتد مرزا قادیانی مردہ آباد

☆ یہ جلسہ چونکہ دفعہ ۱۴۴ کے خلاف ورزی میں منعقد ہوا تھا۔ اس لئے حضرت خطیب الاسلام کو گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن ملک بھر میں پر زور احتجاجی مظاہروں کی وجہ سے آپ کو جلد رہا کر دیا گیا۔ رہا ہونے کے بعد بھی عظمت نبوت کا یہ شیداء، ختم نبوت کا یہ فدائی، علم ختم نبوت کو پوری آب و تاب کے ساتھ اتار رہا۔ چنانچہ اسی سلسلے میں ۲۱، ۲۲ ستمبر کو آل مسلم پارٹیز کنونشن کا ڈسکہ میں اجلاس ہوا تو آپ نے خصوصی درباب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”جس طرح ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ گیدڑ سے خر بوزہ اور بلی سے گوشت محفوظ رہ سکتا

ہے۔ اسی طرح ہم یہ بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ ملک کے اعلیٰ ترین عہدے پر ایک قادیانی ظفر اللہ کی

خباثت سے اور دوسرے قادیانیوں کی غلیظ حرکتوں اور مذموم مقاصد سے پاکستان سلامت رہ سکتا ہے۔
میں اس بات کا بھی آج یہاں اعلان کرتا ہوں کہ اگر مرزائی اپنے باطل نظریے کے بیہودہ
پن کو ترک کر کے اسلام کی پناہ میں نہیں آتے تو پھر رب العزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنی تمام زقوت
ان کے خلاف صرف کروں گا۔“

حضرت خطیب الاسلام نے حکومت سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ:

”مرزائیوں کی تمام زمینوں‘ کارخانوں اور دوسری املاک کو ضبط کر لیا جائے اور ان کے
شیطانی گڑھ ربوہ کا خاتمہ کیا جائے۔“

حضرت خطیب الاسلام نے ختم نبوت کی جدوجہد کو تیز تر کرنے کا اعلان کیا اور ملک بھر میں
جلسے شروع کیے۔ حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ ۱۶ اکتوبر
۱۹۵۲ء کو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شیخوپورہ میں خطاب فرماتے ہوئے اور حکومت جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا:
”ایک آدمی جو منصب ختم نبوت کا تحفظ نہیں کر سکتا وہ اپنی ماں بہن کی عزت کا بھی تحفظ نہیں
کر سکتا۔ پھر اس سے یہ کیسے امید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ اسلامی مملکت کا تحفظ کر سکے گا۔“

آپ نے مزید فرمایا!

”مرزا قادیانی یہ بکواس کرتا ہے کہ جس شخص نے اسے نبی نہ مانا وہ ایک ناچنے والی کے لطن
سے پیدا ہوا گویا اس حساب سے پنجاب اور ملک بھر کے تمام وزراء اور حکومت کا سربراہ جو یقیناً اس بیہودہ
اور بد کردار شخص کو نبی تسلیم نہیں کرتے وہ ناچنے والی ماں کی اولاد قرار پائیں گے۔“

میں ان وزراء اور حکومت کے سربراہ سے کہتا ہوں کہ اگر وہ حضور ﷺ کی ناموس کا تحفظ نہیں
کر سکتے تو کم از کم اپنی ماؤں، بہنوں کو تو اس لعنتی کردار والے کی لغو باتوں سے محفوظ رکھیں۔ ان کا تو تحفظ
کریں۔“

۱۹۵۳ء میں ملک بھر میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا۔ جسٹس منیر کی تحقیقاتی رپورٹ کے
مطابق تحریک ختم نبوت میں جو پہلا دستہ ۲۶ فروری کو زیر سرکردگی صاحبزادہ سید فیض الحسن روانہ ہوا وہ
کراچی پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور وہاں گرفتار کر لیا گیا۔ ان گرفتاریوں سے پورے ملک میں برہمی اور

لا قانونیت کی ایک لہر دوڑ گئی اور لاہور میں بد نظمی اور ابتری کا سیلاب اس قدر بے قابو ہو گیا کہ ۶ مارچ کو فوج شہر میں داخل ہو گئی اور مارشل لاء کا اعلان کر دیا گیا۔ ۱۳ فروری ۱۹۵۳ء کو انٹیلی جنس بیورو گورنمنٹ آف پاکستان کراچی نے سی۔ ڈی۔ آئی پنجاب کو ایک مراسلہ روانہ کیا۔ جس میں یہ انکشاف کیا گیا تھا:

The first person who will offer himself for arrest in connection with this agitation in Punjab will possibly be Sahib Zada pir Faiz -ul -Hassan .Who had about 30.000 murids .it is said all his murids will follow suit .

Intelligence bureau

Government of Pakistan

Karachi .Feb.14 .1953

”تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں سول نا فرمانی کے لئے پنجاب میں جو شخص سب سے پہلے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرے گا وہ صاحبزادہ فیض الحسن ہوں گے۔ جس کے تقریباً تیس ہزار مرید ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسکے مرید بھی اسکی پیروی کریں گے۔“

انٹیلی جنس بیورو

حکومت پاکستان

کراچی ۱۳ فروری ۱۹۵۳ء

۲۵ فروری ۱۹۵۳ء کو آرام باغ کراچی میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام جلسہ ہو رہا تھا آپ تقریر کے لئے اسٹیج پر تشریف لائے تو ایک نوجوان نے آپ کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈال دیا۔ آپ نے ہار توڑ کر اسٹیج پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا ”میرے عزیز یہ وقت ہار پہننے کا نہیں، سرور کونین ﷺ کی ناموس کو خطرہ درپیش ہو اور میں ہار پہنوں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لاؤ ہمیں پاب زنجیر کر کے دیکھو کہ کیا ہمارے ماتھے پر شکن بھی آتا ہے“ اس کے بعد اپنے مخصوص انداز میں آپ نے موتی بکھیرنے شروع کر دیئے۔ جلسہ پر ایک سکوت طاری تھا اور صاحبزادہ صاحب ساون بھادوں کی

طرح برس رہے تھے۔ آپ کی تقریر نے مسلمانوں کے جذبہ ایمانی کو اس طرح ابھارا کہ بسا اوقات لوگوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس طرح رات بارہ بجے تک جلسہ ہوتا رہا

(تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء صفحہ ۹۷۹ از مولانا اللہ وسایا)

شہباز خطابت، فدائے ختم نبوت، حضرت صاحبزادہ افتخار الحسن شاہ فیصل آبادی رحمۃ اللہ علیہ (جو تحریک ختم نبوت میں آپ کے ساتھ تھے) نے مرکزی جامعہ مسجد نقشبندیہ ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ میں خطاب کرتے ہوئے آپ کے منفرد مجاہدانہ کردار کی جھلک ان الفاظ میں دکھائی۔

”دیکھیے، جسٹس منیر کی عدالتی تحقیقاتی رپورٹ میرے ہاتھ میں ہے، ص ۱۲۳ اور ص ۲۵۹ ڈائریکٹ ایکشن اختیار کرنے کی قرارداد آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن اجلاس منعقدہ ۱۸ جنوری ۱۹۵۲ء (بمقام کراچی) میں منظور کی گئی اور ایک مجلس عمل کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ۲۲ جنوری کو خواجہ ناظم الدین کو یہ الٹی میٹم ایک غیر فوجی بغاوت کے نوٹس سے کم نہ تھا۔ خواجہ ناظم الدین اور ارباب حکومت اس عقدے کا حل تلاش نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۶ فروری کو مجلس عمل نے گورنر جنرل اور وزیر اعظم کی کوشیوں پر ختم نبوت کی فدائی رضا کاروں کے دستے بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ ملک بھر میں رضا کاروں کی بھرتی کے لئے ایک مہم کا آغاز کر دیا گیا۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ کو پہلا ڈکٹیٹر مقرر کیا گیا۔ رضا کاروں کی تعداد پچاس ہزار کی اس مقررہ تعداد سے بڑھ چکی تھی۔ جس کی بھرتی کا ذمہ صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ نے لے رکھا تھا۔ رضا کاروں سے حلف ناموں پر دستخط کرائے جا چکے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض رضا کاروں نے حلف نامے اپنے خون سے لکھ کر پیش کئے تھے..... صاحبزادہ فیض الحسن کا رویہ خصوصاً جارحانہ ہو رہا تھا۔“

☆ سب سے پہلی گرفتاری دینے والا بھی صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ۔

☆ پچاس ہزار سے زائد رضا کاروں کو بھرتی کرنے والا بھی سید فیض الحسن شاہ۔

☆ علامہ اقبال کو کشمیر کمیٹی سے علیحدہ کرانے والا بھی سید فیض الحسن شاہ۔

☆ قادیان میں جا کر جلسہ کر کے مرزائیت کو لاکارنے والا بھی سید فیض الحسن شاہ۔

تحریک آزادی کا آغاز بھی شیرانوالہ باغ میں آپ کی پہلی تقریر سے ہوا اور تحریک ختم نبوت کا

آغاز بھی رامتلائی سیالکوٹ میں آپ کی پہلی تقریر سے ہوا۔ آپ تحریک آزادی کے بھی مجاہد اول ہیں اور تحریک ختم نبوت کے بھی مجاہد اول۔

دیکھئے یہ ہے میرے پاس رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۱۸۰۔ گوجرانوالہ ایک مقبول عام احراری صاحبزادہ فیض الحسن کا وطن ہے۔ گوجرانوالہ جولائی ۱۹۵۲ء میں ایک کانفرنس ہوئی، جس میں صاحبزادہ فیض الحسن نے یہ اعلان کیا کہ:

”کسی احمدی کو قتل کرنا رضائے الہی کا موجب ہے۔“

احمدیوں نے ڈپٹی کمشنر سے شکایات کی کہ اس کانفرنس میں ایک مقرر نے حاضرین کو امام جماعت احمدیہ کے قتل پر اکسایا تھا۔ یہی معاملہ سیالکوٹ میں پیش آیا۔ سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر نے صاحبزادہ صاحب کو بلایا اور پوچھا، صاحبزادہ صاحب! آپ مرزا قادیانی کو برا کیوں کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا! ”اس نے ان لوگوں کو سؤر کی اولاد کہا ہے جو اسے نبی نہیں مانتے، خواجہ ناظم الدین اور مسٹر دولتاناہ بھی اسی قبیل میں آتے ہیں اور تم بھی انہی میں شامل ہو۔“

ڈپٹی کمشنر نے کہا: صاحبزادہ صاحب! بس آپ جائیں، میں آپ کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تقریباً یہی الفاظ آپ نے ۱۰ نومبر کے سیالکوٹ کنونشن میں دہرائے۔ دیکھیے رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ص ۳۶۵-۲۶-۲۷۔ ستمبر کو لائل پور اور ۲۶ ستمبر کو سمندری میں کنونشن ہوا تھا۔ جس میں صاحبزادہ سید فیض الحسن نے کہا:

”مرزا قادیانی پست چال چلن کا آدمی تھا اور اس قابل تھا کہ اس کے خلاف غنڈہ ایکٹ کے تحت مقدمہ قائم کیا جاتا۔“

دیکھئے رپورٹ تحقیقاتی عدالت، ص ۳۶۲-۱۹۔ اکتوبر ۱۹۵۲ء شیخوپورہ، ۱۰ اکتوبر چوہڑکانہ میں کنونشن کے اجلاس ہوئے، جس میں خطیب الاسلام صاحبزادہ فیض الحسن شاہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

مرزا قادیانی اور ظفر اللہ خان دونوں غنڈے ہیں، جو شخص نبوت کی عزت اور دختر رسول کی ناموس کو نہیں بچا سکتا، وہ پاکستان کو بھی نہیں بچا سکتا، مرزا قادیانی نے کہا ہے کہ جو لوگ اس کو نبی نہیں مانتے

وہ بازاری عوتوں کی اولاد ہیں۔ پنجاب کے وزیروں نے اور خواجہ ناظم الدین نے بھی اس کو نہیں مانا۔ انہیں چاہئے کہ اگر وہ ناموس رسالت کی حفاظت نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنی ماؤں کی ناموس کی حفاظت تو کریں۔

سیالکوٹ رام تلائی میں بہت بڑا جلسہ تھا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، شورش کاشمیری سب اسٹیج پر موجود تھے۔ ہزاروں کا اجتماع تھا اور خطیب الاسلام کا خطاب تھا۔ انگریزوں کی حکومت ڈی سی ایس پی اور سی آئی ڈی کے افسران بالاجمع تھے۔ محمد ﷺ کی کچھار کے شیر نے لکارتے ہوئے کہا:

”انگریز کتو! یہاں سے نکل جاؤ۔“

”یہ ہے میرا خطیب الاسلام جس کی مجاہدانہ لکارتے فرنگی ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ وہ بلاشبہ اسلام کی ننگی تلوار تھا۔ وہ ترجمان فطرت اور پاسبان حریت تھا۔ وہ مصلحت اور نتائج کی پردہ کیے بغیر نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک باطل قوتوں سے نبرد آزما رہا۔“

یہ ختم نبوت کا مجاہد اول صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ جس کی جرات رندانہ نے تحفظ ختم نبوت کا حق بھی ادا کیا اور مشائخ و علماء کی لاج بھی رکھی۔

میں سنی، بریلوی اور دیوبندی احراری علماء اور پاکستانی عوام سے پوچھتا ہوں کہ تم نے اتنے عظیم محسن کے ساتھ کیا وفا کی ہے؟ تمہاری نسلیں بھی صاحبزادہ فیض الحسن کا حق ادا نہیں کر سکتیں؟

(ماخوذ از خطاب صاحبزادہ سید افتخار الحسن شاہ فیصل آبادی، بر موقع خطیب الاسلام کانفرنس، مندرجہ

ماہنامہ دعوت تنظیم الاسلام، فروری ۱۹۹۸ء)

پیر سید فیض الحسن تنویرؒ

(م ۱۹۸۵ء)

حضرت پیر سید فیض الحسن تنویر شمس آباد میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا سایہ بچپن میں ہی سر سے اٹھ گیا اور شفیق و مونس والدہ ماجدہ نے اپنے ہونہار فرزند کی تعلیم و تربیت کا ہر ممکن انتظام فرمایا۔ آپ اگرچہ اپنی والدہ کے اکلوتے نور چشم تھے مگر حصول تعلیم کی خاطر جہاں آپ کی عظیم والدہ نے آپ کو اپنی ٹھنڈک بھری نظروں سے دور کرنا قبول کیا وہاں آپ بھی شوقِ تعلیم میں۔ برس ہا برس تک والدہ کی شفقت و مامتا کی جدائی برداشت کرتے رہے۔ آپ شمس آباد سے کراچی گئے کچھ عرصہ مولنا سید احمد علی شاہ صاحب شمیم کی خدمت میں رہ کر حصول تعلیم میں مصروف رہے مگر جلد ہی استاد محترم کی اجازت سے لاہور تشریف لے آئے اور حزب الاحناف میں مولنا ابوالبرکات سید احمد صاحب کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں آپ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے مولنا غلام مہر علی صاحب فرماتے ہیں کہ۔

جب آپ موقوف علیہ کی کتابیں پڑھ رہے تھے۔ راقم الحروف سے آپ کی ملاقات ہوئی اور اخوت ملی کے مضبوط رشتوں سے مربوط ہو گئے۔ حضرت شاہ جی منطقی ذہن اور مناظرانہ ذوق رکھتے تھے اور میں ان سے بھی زیادہ اس میدان میں شائق تھا۔ چنانچہ مزاج کی اس ہم آہنگی نے بھرپور دوستی کی شکل اختیار کر لی۔ حضرت شاہ صاحب زیادہ تر مرتدین اسلام مرزائیوں کے لٹریچر کی تردید میں دلائل کی جستجو میں رہتے اور میں زیادہ تر خارجیوں کے دونوں شعبوں کے امن سوز، جل و فریب کی بیخ کنی میں مصروف و محو رہتا۔ پورے ایشیاء میں ہر باطل فرقہ کے لٹریچر اور ان کے تردید کے بارے میں بے پناہ کتب کا ذخیرہ دارالعلوم حزب الاحناف میں موجود تھا۔

مرزائیوں کی تردید کے حوالے میں شاہ جی کی کاپیوں سے نقل کرتا اور وہ مجھ سے خارجیوں کے خلاف حوالے نقل فرماتے رہتے۔ اسی طرح شب و روز گزرتے رہے اسباق سے فارغ ہو کر

مذہب باطلہ کی تیاریوں میں مصروف رہتے۔

حضرت شاہ صاحب کتابوں میں مجھ سے ایک سال پیچھے تھے۔ اس وقت میں دورہ حدیث متحدہ ہندوستان کے سب سے عظیم محدث مولانا سید ابوالبرکات سے پڑھ رہا تھا اس لئے آپ میرے روزمرہ کے اسباق حدیث میں مرزائیوں کے رد میں نوٹ کردہ دلائل کا روزانہ مطالعہ فرماتے رہا کرتے تھے۔

شاہ جی مرزائیت و قادیانیت کے متعلق وسیع معلومات رکھتے تھے۔ اور ان کے پاس اس جہنمی ٹولہ کے لٹریچر کا بھی بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ راقم الحروف اکثر و بیشتر مرزائیت کی تردید کے لئے شاہ جی کے ذخیرہ کتب سے استفادہ کرتا رہا ہے۔ مرزائیت کی رد میں افادۃ الافہام ایک عدیم النظر کتاب ہے جو کہ مجھے لاہور کے ایک پرانے کتب خانے سے ملی تھی۔ شاہ جی نے وہ کتاب کئی دفعہ مجھ سے لی اور پڑھ کر واپس کر دی۔

مرزائی باوجود مسلمان کہلانے کے بکے مرتد ہیں۔ انہیں مسلمان سمجھنے والا کافر ہے۔ مگر عوام الناس دین کے معاملہ میں تساہل کا شکار ہیں۔ یہاں تک کہ برادری و روابط سے متاثر ہو کر مرزائیوں سے رشتے کرتے ہیں (اب حکومت کی سطح پر انہیں کافر قرار دے کر انہیں اقلیت قرار دیا گیا ہے)۔ اور ان کے کفر و نشر و اشاعت سے مسلمانوں کو ان کے ساتھ بائیکاٹ کرانے کا منصوبہ علماء اہلسنت و جماعت (بریلوی) کے زیر تجویز ابتدا ہی سے تھا۔ جب باقاعدہ حکومت سے مطالبہ کر دیا گیا کہ انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کا سرکاری اعلان کیا جائے۔ اس وقت مرکز میں خواجہ ناظم الدین مرحوم اور صوبہ پنجاب میں میاں ممتاز خان دولتانہ وزارتوں پر فائز تھے۔ انہوں نے علماء کو کوئی اطمینان بخش جواب نہ دیا تو اس مطالبہ کو منوانے کے لئے عوامی تحریک چلانے کا فیصلہ ہوا۔ تحریک کے صدر علماء بریلی کے قائد غازی اسلام شیخ التفسیر حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری الوری خطیب جامع مسجد وزیر خان لاہور علیہ الرحمۃ منتخب ہوئے۔ مولانا ابوالحسنات شیخ الحدیث مولانا ابوالبرکات سید احمد کے بڑے بھائی اور سواد اعظم اہل سنت کی جمعیت علمائے پاکستان کے صدر تھے۔

تحریک چلی تو پیر سید فیض الحسن تنویر صاحب نے پوری تحصیل ہارون آباد میں اس کی کمان سنبھالی اور میدان میں اس طرح اترے کہ شب و روز والہانہ انداز میں تحریک کو کامیاب بنایا۔

جامع مسجد ہارون آباد کے عظیم اجتماع میں خطاب اور رضا کاروں کی تربیت سے فارغ ہو کر اپنی گرفتاری کے لئے سب سے پہلے شاہ جی ہی مسجد سے باہر آئے۔ پولیس کی بھاری گارد آپ کی گرفتاری کے لئے مسلح موجود تھی۔ سب انسپکٹر پولیس نے آپ کو دروازے پر روک کر گرفتار کرنے کے لئے حوالدار کو ہتھکڑی لگانے کا حکم دیا حوالدار نے چابی لگائی۔ شاہ جی نے ہاتھ نیچے کئے تو ہتھکڑی کھل گئی۔ سب انسپکٹر پولیس نے حوالدار کو گھورا کہ بیوقوف تجھے ابھی تک ہتھکڑی لگانے کا طریقہ ہی نہیں آیا۔ کیا ملازمت کر رہے ہو حوالدار نے تیزی سے شاہ جی کی طرف پھر ہاتھ بڑھایا اور بڑی احتیاط سے چابی گھمائی جب ہتھکڑی لگ گئی اور اس نے تسلی کر لی تو شاہ جی کو لے کر چلنے ہی والا تھا کہ شاہ جی نے ہاتھ نیچے کئے تو حسب سابق ہتھکڑی پھر کھل گئی اس پر سب انسپکٹر خود آگے بڑھا دوسری ہتھکڑی لائی گئی اور اس نے اپنے ہاتھوں سے ہتھکڑی لگائی مگر جب لے کر چلے تو ہتھکڑی ایک بار پھر کھل کر نیچے گر پڑی۔ پولیس میں افراتفری مچ گئی۔ بالآخر موقع پر موجود ڈی ایس پی نے کہا شاہ جی کو بغیر ہتھکڑی کے لے جاؤ یہ بھاگنے والے لوگوں میں نہیں ہیں اور پھر بغیر ہتھکڑی کے ہی شاہ صاحب کو جیل لے جایا گیا۔ شاہ جی نے اس تحریک میں بہاولنگر ساہیوال ہارون آباد کی جیلوں میں صعوبت کے دن گزارے اور اف تک نہ کی۔

مورخہ ۷ ذی الحجہ المکرمہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۳ ستمبر ۱۹۸۵ بروز منگل ڈھائی بجے شب ہمارے کانوں نے یہ افسوس ناک خبر سنی کہ اپنی محسنہ والدہ اور بیوی کو سوگوار چھوڑ کر اس دار فانی سے شاہ جی وصال فرما گئے۔ اور علاقہ فقیر والی میں مسلک اہل سنت کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں ایک ایسا خلا پیدا کر گئے جس کا پر ہونا محال نظر آتا ہے۔ (ماخوذ از ماہنامہ ندائے اہلسنت صفحہ ۳۰ تا ۳۳ نومبر ۱۹۹۶ مضمون مولانا غلام مہر علی صاحب)

مجاہد ختم نبوت مولانا کرم الدین دبیرؒ

(۱۲۶۹ھ--۱۳۶۵ھ)

مولانا کرم الدین دبیر ۱۲۶۹ھ میں موضع بھیں ضلع چکوال میں پیدا ہوئے۔ دوسرے علماء کرام کے علاوہ حضرت مولانا فیض الحسن سہانپوری اور حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے علم کی تحصیل کی۔ آپ ایک جید عالم دین تھے۔ فن مناظرہ میں بے مثل و بے نظیر تھے۔ تقریر و تحریر اور مناظروں سے مذاہب باطلہ کا بھرپور رد کیا۔ شیعہ کے مشہور مناظر مرزا احمد علی اور دوسرے شیعہ علماء سے مناظرے کئے اور ”آفتاب ہدایت“ جیسی کتاب تالیف کی۔ علماء دیوبند کے مخصوص نظریات کے مخالف تھے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی کتاب حسام الحرمین (جس میں بعض علماء دیوبند پر فتویٰ تکفیر صادر کیا گیا ہے اور جس کی تائید علماء عرب تک نے کی ہے) کے مندرجات کی تائید کی۔ اور رد وہابیاں آپ کی زندگی کا محبوب مشغلہ تھا۔ حضرت میاں بخش کھڑی شریف میرپور کشمیر کی کتاب ہدایت المسلمین پر مبسوط تقدیم لکھی جس میں آپ لکھتے ہیں۔

ہے نکلی نجد سے اول یہ آفت! پھر آ پہنچی یہ در ہندوستان ہے
بنی شاخیں بہت اس کی یارو گوروسب کا مگر نجدی میاں ہے
کوئی مرزائی کوئی نیچری ہے کوئی چکڑالوی اہل القراں ہے
مجاہدین میں فتنہ انہوں نے پڑا ایک شور سا اندر جہاں ہے

حضرت مولانا دبیر اہلسنت کی شمشیر بے نیام تھے۔ مرنا قادیانی کی تردید میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ ہفت روزہ سراج الاخبار کے ذریعہ ایک عرصہ تک قادیانی کا تعاقب جاری رکھا۔

آپ کو قادیانیوں کے خلاف عدالتی مقدمہ بازی کی وجہ سے پورے برصغیر میں شہرت دوام حاصل تھی۔ آپ کے قادیانیوں سے متعدد مقدمات عدالت ہائے جہلم، گورداسپور اور سیالکوٹ وغیرہ میں ہوئے۔ آپ نے اپنے مقدمات کی مفصل روئداد ”تازیانہ عبرت معروف یہ متبنی قادیان قانونی

شکبہ میں“ میں قلمبند فرمادی ہے۔ تازیانہ عبرت کے آغاز میں باعث اشاعت“ کے عنوان کے تحت آپ رقم طراز ہیں۔

”آج سے قریباً اٹھائیس سال پہلے چند فوجداری مقدمات میرے اور مرزائیوں کے درمیان جہلم و گورداسپور میں ہو گزرے ہیں ان میں سے ایک مقدمہ خاکسار کی جانب سے مرزا قادیانی بانی سلسلہ مرزائیت کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا تھا۔ اس مقدمہ میں مرزا قادیانی تقریباً دو سال تک سرگرداں رہا۔ آخر عدالت سے سزایاب ہو گیا اور اپیل میں بڑے مصارف کے بعد ایک انگریز وکیل کی خدمات سے بمشکل سزا معاف کروائی۔ ان مقدمات کی روداد اکثر اخبارات بالخصوص سراج الاخبار جہلم میں شائع ہوتی رہی ہے۔ پھر احباب کے اصرار پر علیحدہ کتابی صورت میں بھی چھاپی گئی۔ جو اسی وقت ہاتھوں ہاتھ پک گئی۔ چونکہ نتائج مقدمات مرزائی جماعت کے حسب مراد نہ تھے اس لئے مرزائیوں نے کوئی روداد وغیرہ شائع نہ کی۔ لیکن بعد میں مرزا قادیانی نے حسب عادت اپنی کتب نزول المسیح اور حقیقۃ الوحی وغیرہ میں ان مقدمات کو بھی اپنی پیش گوئیوں اور نشانات میں داخل کیا۔ اس کے حواری مولوی محمد علی اور مرزا محمود نے بھی اپنی بعض کتابوں میں ان مقدمات کا ذکر پیرایہ میں کیا۔ چونکہ مرزا قادیانی خود تھوڑے عرصے بعد ہی راہگرائے عالم جاودانی ہو گیا تھا اس لئے ہم نے اس بارے میں کوتاہی اختیار کیا۔ لیکن بعض احباب نے جب مرزائیوں کی وہ لٹرائیاں سنی ہیں تو انہوں نے اصرار کیا کہ روداد مقدمات دوبارہ شائع کی جائے اور عوام کو اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے کہ مقدمات کے نتائج و عواقب مرزا قادیانی اور اس کی جماعت کے حق میں باعث کامیابی نہیں بلکہ انتہائی ذلت کا باعث تھے۔ اگر صحیح کیفیت دوبارہ شائع نہ کی جائے تو ناواقف اشخاص کو بہت مغالطہ ہوگا..... اس لئے اب یہ روداد مکرر بہت سی ترمیم اور اضافہ جات کے ساتھ شائع کی جاتی ہے۔ کتاب کا مطالعہ ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگا اور ممکن ہے کہ کوئی طالب حق مرزائی اسکو پڑھ کر راہ راست پر آجائے۔ (تازیانہ عبرت صفحہ۔ الف)

مولانا محمد حسین فیضی کے انتقال کے بعد مرزا قادیانی نے ان کی موت کو اپنا معجزہ قرار دیا اور ان کی شان میں توہین آمیز کلمات استعمال کئے۔ جس پر مولانا دبیر نے قادیانی پر مقدمہ دائر کر دیا جس کے بارے میں قاضی سراج الدین نے روزنامہ چودھویں صدی راولپنڈی میں یک روزی ۱۹۰۳ء کی

اشاعت میں لکھا کہ

”مولوی صاحب محمد حسن فیضی جو موضع بھیں ضلع جہلم کے رہنے والے تھے ان کی نسبت کچھ ناملائم اور ناشائستہ الفاظ مرزا قادیانی یا ان کے کسی دوست نے لکھے تھے ان الفاظ کی بناء پر مولوی محمد حسن فیضی کے ایک رشتہ دار مولوی کرم الدین صاحب نے مرزا قادیانی وغیرہ پر ازالہ حیثیت عربی کی نالش کر دی تھی۔ عدالت کے سامنے سوال یہ تھا کہ آیا مولوی کرم الدین، مولوی محمد حسن مرحوم کا اتنا قریبی رشتہ دار ہے کہ متوفی مولوی صاحب کو برا بھلا کہا جانے کی وجہ سے نالش کرنے کا مستحق ہے۔ عدالت نے قرار دیا کہ مولوی محمد حسن صاحب مرحوم کے لڑکے استغاثہ کرنے والے ہیں۔“

قادیانیوں نے دعوے کے اخراج پر بڑی خوشی منائی کہ ہماری فتح ہو گئی۔ جب کہ حقیقت میں ان کی فتح نہیں تھی۔ اس کے بعد مرزا قادیانی کے مرید خاص حکیم فضل دین بھیروی نے ۱۲ نومبر ۱۹۰۲ء کو گورداس پور کی کورٹ میں ایک مقدمہ دائر کر دیا جس سے مولانا دبیر باعزت طور پر بری ہوئے۔ مولانا دبیر ”تازیانہ عبرت“ میں لکھتے ہیں۔

”اس مقدمہ میں بڑی زک مرزائیوں کو ایک یہ ملی تھی کہ مقدمہ صرف اس غرض سے چھیڑا گیا تھا کہ حضرت پیر صاحب گولڑوی مدظلہ جن کے باعث مرزا قادیانی لاہور کی بحث سے ہار کے باعث سخت شرمندگی اٹھا چکا تھا۔ اور پھر ”سیف چشتیائی“ کے باعث مرزا قادیانی کی علمی پردہ دری ہو چکی تھی، کو عدالت میں بلوایا جائے اور جرح وغیرہ سے ان کو بے وجہ تکلیف دی جائے لیکن باوجود مرزائیوں کی بے انتہا کوششوں کے پیر صاحب عدالت میں طلب نہ ہو سکے۔ جو پیر صاحب کی کرامت کا بڑا نشان اور مرزا کی ناکامی کا بھاری نمونہ قیامت تک یادگار مقدمہ رہیگا۔“

اس کے بعد حکیم فضل دین بھیروی نے پھر دوسرا مقدمہ ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو گورداس پور کی کورٹ میں دائر کیا جس میں دوبارہ مولانا کو کامیابی ہوئی اس مقدمہ میں مرزائیوں نے موقف اختیار کیا تھا کہ ان کی کتاب نزول المسیح مدعا علیہ نے چوری کی۔ لیکن ۹ ماہ کی ذلت و خواری، ۳۰ ہزار روپے کے ضیاع اور بڑے بڑے قد آور قادیانیوں کی شہادتوں اور سب سے بڑھکر مرزا قادیانی کے الھامات فتح کے پندار کے باوجود بالآخر مقدمہ خارج اور مولانا دبیر کو بری کر دیا گیا! اس کے بعد شیخ یعقوب علی تراب

ایڈیٹر الحکم نے مولانا دبیر اور مولانا فقیر محمد جہلمی پر تیسرا مقدمہ دائر کیا۔ جس میں مدعا علیہماں کو ۵۴ روپے جرمانہ ہوا۔ اگرچہ مولانا کو جرمانہ تو ہو گیا لیکن اس مقدمہ کی کارروائی کے دوران مدعی مقدمہ شیخ یعقوب علی تراب کا کچا چھٹا سامنے آ گیا۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ شیخ یعقوب علی کا اصل نام چھجوں ولد چٹو ولد تانا قوم مراسی ساکن جاڈلہ تحصیل جالندھر ہے۔ جب شیخ یعقوب علی کے والد چٹو کو گواہی کے لئے عدالت میں طلب کیا گیا تو اس نے ان سب باتوں کو تسلیم کیا جبکہ شیخ یعقوب علی اپنے والد کے نام اور اپنی ذات سے حلفاً لائی ظاہر کر چکا تھا۔ گویا کہ شیخ یعقوب علی عزت کی قیمت ۵۴ روپے پڑی۔ مولانا نے فیصلہ عدالت کے خلاف اپیل دائر کرنا مناسب نہ سمجھی اور جرمانہ ادا کر دیا۔

اس دوران مرزا قادیانی نے مواہب الرحمن کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ وہ گالیوں کے امام الزماں تو تھے ہی اس لئے اس فن کی بنیادوں کو مزید مستحکم کیا۔ مولانا دبیر تازیانہ عبرت میں لکھتے ہیں۔

”مرزا قادیانی بدزبانی اور بدکلامی میں استاذ زمانہ مانے گئے ہیں۔ آپ کی بدگوئی سے نہ کوئی چھوٹا بچا ہے نہ بڑا۔ دیکھئے غوث وقت قطب دوراں حضرت پیر صاحب گوڑوی مدظلہ العالی کی نسبت اپنی کتاب مواہب الرحمن میں کیسی ہرزہ سرائی کی ہے۔ لکھا ہے۔ خبیث و خبیث ما۔ خرج من فیہ (یہ شخص خود بھی پلید ہے اور جو کچھ اس کے منہ سے نکلتا ہے وہ بھی پلید ہے۔) ٹھیک ہے۔ المر یقیس علی نفسہ

اب دیکھئے سراپا اخلاق حضرت پیر صاحب اس کے جواب میں خلق محمدی کا کیا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

بدم گفتی و خورسند عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ نمی زبید لب لعل شکر خارا

”تو مجھے تو جو چاہو برا بھلا کہہ لو تو خوش رہ اللہ تجھے معاف کرے خوب اچھا بولا! لیکن میرے منہ سے تو اسم خدا بھی نکلتا ہے۔ اس کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کرنا مجھے زیب نہیں دیتا۔“ یہ ہوتے ہیں اخلاق بزرگان دین کے جس کی وجہ سے خلق خدا ان کے قدموں میں گرتی ہے، چنانچہ اسی کتاب میں مرزا قادیانی نے مولانا کے لئے لئیم، الکذاب، المہین اور بہتان عظیم کے الفاظ استعمال کئے۔ مولانا دبیر نے کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا۔ دو سال مقدمہ چلتا رہا۔ آخر ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو گورداس پور کے جج نے مرزا قادیانی پر پانچ سو روپے اور حکیم فضل دین پر دو سو روپے جرمانہ لگایا اور جرمانہ ادا نہ کرنے کی

صورت میں بالترتیب چھ ماہ اور پانچ ماہ قید کا حکم سنایا۔ اس کے علاوہ آپ نے قادیانیوں کے خلاف بڑے معرکہ کے مناظرے کئے اور انہیں ذلت آمیز شکست سے دو چار کیا۔ مولانا نے بعد میں قادیانی سے ہونے والے مقدمات کی تفصیلات کو کتابی صورت میں مدون کر کے ”تازیانہ عبرت“ کے نام سے طبع کرایا۔ اور ”نذر محقر“ کے عنوان کے تحت اس کا انتساب کرتے ہوئے لکھا ”میں اپنی ناچیز تصنیف کو خلوص قلب سے بندگانِ عالی حضرت قبلہ خواجہ پیر مہر علی شاہ صاحب مدظلہ سجادہ نشین گوڑا شریف کے اسم گرامی سے معنون کرتا ہوں ماشاء اللہ آپ اوج فضل و کمال کے نیر تاباں اور سپہر علم و عرفاں کے مہر درخشاں ہیں۔ اسلام و اسلامیان کو آپ کی ذات والا پر فخر و ناز ہے۔ آپ ہی وہ مقدس ہستی ہیں جن کی شرف حسب و نسب کے علاوہ جملہ علوم ظاہریہ و باطنیہ میں کمال حاصل ہے۔ خلقِ خدا آپ کے چشمہ فیض سے سیراب ہو ہی ہے۔ عقیدت مند ان دربار آپ کے سایہء عاطفت میں دینی و دنیوی برکات سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ اس کتاب کو آپ کے نام نامی سے معنون کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جن مقدمات کا کتاب ہذا میں تذکرہ ہے، ان میں خاکسار کو کامیابی اور مخالف فریق کی شرمناک شکست خدا کے فضل اور آپ ہی کی دعا و برکت کا نتیجہ ہے۔ آپ ہی نے لاہور شاہی مسجد میں رونق افروز ہو کر حق کا جھنڈا بلند کیا اور دعویِٰ نبوت و رسالت مرزائے قادیان کو میدان میں مقابلہ کے لئے للکارا۔ لیکن آپ کے علمی تبحر اور مسلم الثبوت کمالات سے دہشت زدہ ہو کر قادیانی کو سوائے قادیان کی چار دیواری میں مخفی ہونے کے چارہ نظر نہ آیا۔ اسی روز سے مرزائیت کا طلسم ٹوٹ کر دجالی فتنہ کا استیصال ہو چکا۔ قادیانی کا رہا سہا پردہ مقدمہ بازی میں فاش ہو کر اس کے دجل و فریب کا پول کھل گیا۔ اور اس کے مکر و تلبیس کا خاتمہ ہو گیا۔ ایز و متعال ہمارے غوث وقت قطبِ زماں حضرت پیر صاحب کا ظل ہمایوں تادیر متوسلین دربار کے سروں پر قائم و دائم رکھے۔ اس دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔“ اخیر میں خاکسار اپنی یہ ”نذر محقر“ بامید قبولیت بارگاہِ عالی میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے۔ اگر قبول افتد زہے عز و شرف“ اسی کتاب تازیانہ عبرت کے آخر میں لکھتے ہیں۔

ہمارے اصال معین و مددگار ہمارے حضرات مشائخِ عظام تھے۔ حضرت اقدس پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گوڑا شریف کی خاص توجہ ہمارے شامل حال تھی اور آپ ہی کی دعا کی برکت سے

ہمارے جملہ مراحل کامیابی سے طے ہوتے رہے۔ ابتداء میں جب مقدمات شروع ہوئے تو میں حضرت والا کی خدمت میں باریاب ہوا اور عرض کی کہ اب دعا کا وقت ہے۔ دوسری طرف سے ہر قسم کے منصوبے قائم ہو رہے ہیں۔ اور ادھر مرزاجی کو یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور ان کے مخالف تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس بات سے تم بالکل بے فکر رہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ تم کامیاب ہو گے اور مرزا جس قدر زور خرچ کرے اس مقابلہ میں ہزیمت ہی اٹھائے گا۔ میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک یہ معرکہ رہے ایک خاص وقت دعا کے لئے مخصوص رہے گا۔ اور حق تعالیٰ سے نصرت و کامیابی کی دعا کی جایا کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایسے ایسے مشکل معرکے پیش آئے کہ ہر طرح سے مایوسی کا سامنا نظر آتا تھا۔ لیکن حضرت پیر چشتی مدظلہ کی کرامت اپنا ایسا کرشمہ دکھاتی تھی کہ عقل حیران رہ جاتی تھی۔ جس وقت مرزا کی جماعت کے بعض اشخاص حضرت والا کی اطلاع یابی من شہادت کرا کر لے گئی تھی، مرزائی اچھلتے کودتے پھرتے تھے کہ دیکھو پیر گوڑوی عدالت میں حاضر ہونے سے کیسے بچ سکتا ہے! لیکن آپ کو خدا نے حاضری عدالت کی تکلیف سے بالکل محفوظ رکھا حالانکہ مرزائیوں نے اس کے متعلق ناخنوں تک کا زور لگایا۔ کیا یہ پیر چشتی کی ایک روشن کرامت نہیں ہے۔ اور ہی دیگر مراتب میں بھی مرزائی جماعت کو ناکامی ہوتی رہی۔ ہم حضرت اقدس پیر صاحب مدظال اس باطنی توجہ کے کمال مشکور ہیں اور دعا ہے کہ ایزد تعالیٰ آپ کے ظل فیض کو دیر تک مدد دے۔

مولانا کرم الدین دبیر نے مرزا قادیانی کے ساتھ یہ مقدمات شروع کر رکھے تھے تو اعلیٰ حضرت گوڑوی کی توجہ ان مقدمات کی طرف تھی۔ اور اکثر و بیشتر ان کا ذکر بھی خانقاہ میں ہوتا رہتا تھا۔ آپ مولانا محمد چراغ چکوڑوی کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں ”قادیانی دعووں میں مع حواری جہلم میں مدعو ہوا ہے۔ مدعی مولوی کرم الدین ساکن بھیس ضلع جہلم ہے۔ ان دعاوی میں میری کوئی شہادت نہیں میری شہادت اس دعویٰ میں ہے کہ جو قبل از ہر دو دعویٰ مذکورہ بالا، حکیم فضل الدین بھیروی ثم لقادیانی نے مولوی کرم الدین صاحب پر ضلع گورداس پور میں کیا تھا۔ جس کی ایک تاریخ پر میں نہیں گیا اور نہ آئندہ جانے کا ارادہ ہے۔ الا ان یشاء اللہ قادیانی نے دوسرے ماہ کی ۱۷ تاریخ جہلم میں حاضر ہونا ہے۔ اس کے سارے الہامات و مبشرات و مویدات پر پانی پڑ گیا ہے۔“ ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے

ہیں ”گورداسپور میں مرزا کے روبرو ہماری شہادت کا جاری شدہ حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ جس میں چوتھی دفعہ ان کو سخت رویا ہی ہوئی۔“ اعلیٰ حضرت گولڈوی ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں ”جناب مولوی (کرم الدین) صاحب کو بھی تکلیف سے رہائی ہوئی۔ چنانچہ اس نیاز مند درویش کو بھی اس قدیم الاحسان نے گورداس پور کی شہادت سے باوجود نہایت اصرار و مساعی مخالفین بچالیا۔ اور وہ اصلاً مایوس ہوئے۔“ چونکہ اس دور میں انگریزی کورٹ میں شرفاء کی حاضری کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے مخالفین اس پر زیادہ زور لگاتے تھے۔ چنانچہ قادیانیوں نے بھی مولانا دبیر کی مقدمات میں اعلیٰ حضرت کو کورٹ میں حاضر کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر خداوند تعالیٰ نے آپ کو اس زحمت سے محفوظ رکھا۔ مولانا دبیر کو اس مقدمہ میں اعلیٰ حضرت گولڈوی کی طرف سے جو تائید و حمایت حاصل تھی وہ اظہر من الشمس ہے تاہم مولانا نے بھی اس کا شکر یہ بھر پور طریقہ سے کیا ہے۔ تا زمانہ عبرت کے اختتام میں لکھتے ہیں۔

تھی دوسری طرف کو امداد پیر چشتی اور ڈھا رہی غضب تھی کیا سیف چشتیائی

آخر شکست کھائی مرزائیوں نے بھاری میدان میں چشتیوں نے فتح عظیم پائی

ایک انتہائی اہم بات جو ان مقدمات میں سامنے آئی وہ مرزا قادیانی اور اس کے چیلوں کی راست بازی کی حقیقت کا عوام کے سامنے کھل کر آنا تھا اس سلسلہ میں مولانا کرم الدین دبیر صاحب کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

”ان مقدمات نے بہت بڑا راز جو کھولا وہ مرزا قادیانی کی صداقت کی قلعی کھولنا ہے۔ مرزا قادیانی نے اپنے حلفی بیانات میں جو عدالت میں اس نے لکھائے بہت جھوٹ بولے ہیں۔ جنکی مکمل فہرست ہم اس روداد کے آخر میں ہدیہ ناظرین کریں گے اور ساتھ ہی انکے بعض ارکان نے جو کچھ غلط بیانیاں کیں ان کی بھی فہرست دیں گے۔ تاکہ پبلک اس امر سے پورا فائدہ اٹھائے کہ جو شخص عدالت میں حلفی بیانات میں جھوٹ بولے وہ کبھی بھی خدا کا راستباز بندہ ولی یا امام و نبی نہیں ہو سکتا۔ ہم ان بیانات سے ثابت کریں گے تاکہ سوچنے والوں کو مرزا قادیانی کے دعوے مسیحیت و نبوت کے صدق و کذب کا معیار مل سکے۔ ایسے مقدمات میں جرمانہ وغیرہ کا ہونا یا نہ ہونا یا معاف ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہوتی ایسے واقعات ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔ سب سے اہم بات ایسے مواقع پر کذب و صدق کا

پر کھنا ہوتا ہے جو ان مقدمات میں ظاہر ہو چکا ہے۔“ (تازیانہ عبرت صفحہ ۶۹)

اسلام کے یہ بطل جلیل عقیدہ اہل سنت و جماعت کے محافظ تحریک ختم نبوت کے روح رواں مہر انور کے جلووں کی ایک کرن اپنی حیاتِ فانی کی ۹۶ منزلیں طے کر کے ۱۸ شعبان ۱۳۶۵ھ کو دار بقا میں منتقل ہو گئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ موضع بھیس ضلع چکوال میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ ایک بیٹے قاضی مظہر حسین ہیں جو مسلک دیوبند کے علم بردار ہیں۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَنَا حَامِلُكُمْ
وَأَنَا حَامِلُكُمْ
وَأَنَا حَامِلُكُمْ

حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ

(۱۹۱۸-۱۹۹۸ء)

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُر سوز

یہی ہے رحمتِ سفر میرِ کارواں کیلئے

ضیاء الامت، مفکرِ اسلام، مجاہدِ ختم نبوت سرمایہ اہلسنت حضرت پیر کرم شاہ صاحب الازہریؒ کی ولادت باسعادت مورخہ یکم جولائی ۱۹۱۸ء کو بھیرہ شریف ضلع سرگودھا میں ہوئی۔

(مقالات پیر کرم شاہ الازہری مرتبہ پروفیسر حافظ احمد بخش صفحہ ۷۱ جلد اول)

آپ کے والد محترم کا نام حضرت پیر محمد شاہ صاحب تھا۔ حضرت پیر محمد شاہ صاحب بھی صاحب علم و عمل بزرگ تھے اور آپ کی علم دوستی کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے ہونہار فرزند کی تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام فرمایا۔ حضرت ضیاء الامت نے دینی و دنیاوی علوم کی ابتداء اپنے آبائی شہر بھیرہ شریف سے کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۴۵ء میں بی اے پاس کرنے کے بعد ۱۹۵۱ء میں آپ جامعہ الازہر (مصر) تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے اپنے جوہر خداداد کو مزید جلا بخشی اور اپنے علم و دانش کی وجہ سے اپنے اساتذہ وہم مکتب طلباء سب میں ہر دلعزیز ہو گئے۔ آپ کے بعض اساتذہ تو آپ کو تعریفی اسناد دینے پر مجبور ہو گئے جو کہ ریکارڈ میں آج تک موجود ہیں۔ آپ اہلسنت کا عظیم سرمایہ تھے۔ آپ ساری عمر علم کے حصول و علم کے متلاشی افراد کی راہنمائی کرتے رہے۔ آپ اپنے علم خداداد کو عوام تک پہنچانے کی پوری پوری کوشش کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی سب سے پہلی تصنیف ”سنت خیر الانام“ ہے جو آپ نے زمانہ طالب علمی میں قیام مصر کے دوران تصنیف فرمائی اور اپنی اہمیت کے پیش نظر آج تک اس کے کتنے ہی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ تفسیر ضیاء القرآن۔ (پانچ جلد) اور سیرت النبی پر جامع و بلیغ کتاب ضیاء النبی (سات جلد) رہتی دنیا تک آپ کو زندہ و پائندہ رکھیں گے۔ ان دونوں کتب کے

مطالعہ سے آپ کے علمی سہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ علم کا ایک سمندر تھا جو آپ کے سینہ مبارک میں ٹھانھیں مار رہا تھا۔ نیز ماہنامہ ضیائے حرم اور پھر ضیائے حرم کے خصوصی نمبر آپ کے اہم علمی کارنامے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ ملک کے اہم اور ذمہ دار عہدوں پر بھی فائز رہے ہیں مثلاً دفاعی شرعی عدالت کے جج اور چیئر مین رویت ہلال کمیٹی وغیرہ۔ نیز دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کی سربراہی و حسن انتظام اور پھر دارالعلوم کی دیگر شہروں میں پھیلی ہوئی مختلف شاخوں کا انتظام و انصرام آپ ہی کے بس کا کام تھا۔ آپ نابغہء روزگار تھے جس پہلوئے زندگی کو لیں آپ رہبر و امام ہی نظر آئیں گے۔ سر دست ہم آپ کی ختم نبوت اور ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں کی جانیوالی مساعی جمیلہ کا تذکرہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر ضیاء القرآن میں مختلف آیات مبارکہ کے ذیل میں ختم نبوت و ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں نوٹ اور حاشیہ جات تحریر فرماتے ہیں ذیل میں چند اہم ترین مقامات پر لکھے گئے حاشیہ جات کے متعلقہ حصے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا (آل عمران ۷۹) (اور بھیجا ہم نے آپ ﷺ کو سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر) کے ذیل میں آپ فرماتے ہیں:

الناس پر الف لام استغراق کے لئے ہے یعنی ہم نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لئے اور ہر زمانہ کے انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کوئی رنگت، کوئی زبان، کوئی قومیت اور کوئی وطن اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ سب کے لئے آپ ہی ہادی اور مرشد ہیں (ضیاء القرآن جلد اول صفحہ ۳۶۹)

۲۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔۔۔ (الاعراف ۱۵۸)

کی تفسیر لکھتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں۔ ”اب جس مرشدِ اولین و آخرین، جس رہبرِ اعظم کا ذکر خیر ہو رہا ہے اس کی شان رہبری نہ کسی قوم سے مخصوص ہے نہ کسی زمانہ سے محدود ہے۔ جس طرح اس طرح کے بھیجنے والے کی حکومت و سروری عالمگیری ہے اسی طرح اس کے رسول کی رسالت بھی جہاں گیر ہے۔ ہر خاص و عام، ہر فقیر و امیر، ہر عربی و عجمی، ہر رومی و حبشی کے لئے وہ مرشد بن کر آیا۔ (ضیاء)

القرآن جلد دوم صفحہ ۹۳)

۳۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم ۴)

کی تفسیر آپ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

”حضور نبی اکرم ﷺ سے قبل جو انبیاء کرام مبعوث ہوئے وہ کسی مخصوص قوم یا کسی مخصوص علاقہ کے لئے مبعوث ہوئے لیکن حضور ﷺ کو سارے عالم کا ہادی اور مرشد بنا کر بھیجا گیا۔ وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔ اور حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ أُرْسِلَ كُلُّ نَبِيٍّ إِلَىٰ أُمَّتِهِ بِلِسَانِهَا وَأَرْسَلَنِي اللَّهُ إِلَىٰ كُلِّ أَحْمَرَ وَاسْوَدَ مِنْ خَلْقِهِ۔ یعنی مجھے سب کی طرف بھیجا گیا ہے۔ جبکہ تمام انبیاء کو ان کی اپنی مخصوص امت و زبان پر بھیجا گیا تھا۔

(ضیاء القرآن جلد دوم صفحہ ۵۰۴)

۴۔ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان۔ ۱) کی تفسیر آپ نے اس طرح فرمائی ہے

”للعالمین“ کے لفظ سے واضح ہو گیا ہے کہ حضور ﷺ کی نبوت و رسالت مکان و زمان کی حدود سے آشنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب کے لئے آپ رسول ہیں (ضیاء القرآن جلد سوم صفحہ ۳۵۰۔ ۳۵۱)

۵۔ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر ۲۴)

اس آیت مبارکہ پر حاشیہ تحریر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

”نبوت کا سلسلہ کسی خاص ملک علاقہ یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں جہاں بھی انسانوں کا کوئی گروہ آباد تھا وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ڈرانے والا ان کے پاس ضرور آیا۔ خواہ وہ نبی ہو یا کسی نبی کا پیروکار جس نے آ کر تبلیغ کا فریضہ ادا کر دیا۔ اس میں عرب مصر یا فلسطین کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہند، چین، جاپان، افغانستان اور دیگر براعظموں میں بھی نذیر تشریف لے آئے۔ یہ ہمارا ایمان ہے۔ اب جن انبیاء کرام کے نام قرآن مجید یا صحیح احادیث میں مذکور ہیں ان پر ایمان لانا شرط اسلام ہے جن کے اسماء مذکور نہیں ان پر بھی اجمالی طور پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یعنی ان علاقوں میں کسی زمانہ میں جس کو

اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہم اسی کی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن حضور ختمی مرتبت ﷺ کے بعد چونکہ سلسلہ نبوت ہی ختم ہو گیا۔ اس آفتاب عالم تاب کے طلوع ہونے کے بعد کسی چراغ کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اس لئے اب تا قیامت کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ آیت مبارکہ میں بھی خلا: یعنی گزر چکا ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو گزشتہ زمانے پر دلالت کرتا ہے۔ اب ہر قوم کے لئے ہر زمانہ میں حضور سید الانبیاء و خاتم الرسل ﷺ کی ذات پاک ہی منبع ہدایت اور اسوۂ حسنہ ہے۔

اب تبلیغ کا فریضہ حضور ﷺ کی امت کے اولیاء و علماء انجام دیں گے حضور ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا کذاب اور دجال ہے۔ جس طرح احادیث صحیحہ میں مذکور ہے۔ نیز ان آیات میں غور کرو۔ یا ایہ الناس انی رسول اللہ علیکم جمیعاً۔ نیز وما ارسلنا الا کافۃ للناس۔ جب حضور ﷺ اس ارشاد خداوندی کے مطابق تمام نبی نوع انسان کے لئے تا قیامت رسول ہیں تو پھر کسی مزید رسول کی گنجائش نہیں رہتی۔ (ضیاء القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۵۲)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِنْ رَجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

(الاحزاب ۴۰)

اس آیت مبارکہ کے ذیل میں حاشیہ تحریر فرماتے ہیں

”ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کے ان چند بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر امت کا اجماع رہا ہے۔ اگرچہ بد قسمتی سے امت اسلامیہ کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے۔ باہمی تعصب نے بارہا ملت کے امن و سکون کو درہم برہم کیا اور فتنہ و فساد کے شعلوں نے بڑے بڑے حادثات کو جنم دیا لیکن اتنے شدید اختلافات کے باوجود سارے فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ چنانچہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جس نے بھی نبی ہونے کا دعویٰ کیا اس کو کافر و مرتد قرار دے دیا گیا اور اس کے خلاف علم جہاد بلند کر کے اس کی جھوٹی نبوت کو خاک میں ملا دیا گیا۔“ (ضیاء القرآن جلد چہارم صفحہ ۶۶)

مرزا قادیانی کی تردید کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں۔

”انگریز کی غلامی کے دور میں ملت اسلامیہ کو جس طرح کئی دوسرے مصائب سے دوچار ہونا پڑا اسی طرح ایک جھوٹی نبوت قائم کر کے امت میں انتشار پیدا کیا گیا۔ وہ مدعی نبوت بظاہر

عیسائیت کا رد کرتا تھا اور پادریوں سے مناظرے کرتا تھا اس کے باوجود انگریز کا پرلے درجے کا وفادار تھا۔ ملکہ انگلستان کی خدمت میں اس نے ایسے ایسے تعریفی پیغامات لکھے کہ کوئی باغیرت مسلمان ان کو پڑھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ انگریز کی اسلام دشمنی اظہر من الشمس ہے۔ جس نے ہندوستان میں مسلم حکومت کا تختہ الٹا، سلطنت عثمانیہ کو پارہ پارہ کر دیا، ایسی ظالم اور اسلام دشمن حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا اسلام سے غداری نہیں تو اور کیا ہے! انگریز نے اس کی نبوت کو اپنی سینگنوں کے سائے تلے پروان چڑھنے کا موقع دیا۔ اور اس کو قبول کرنے والوں کے لئے بے نوازشات کے دروازے کھول دیے۔ ہر مرزائی کے لئے کسی استحقاق کے بغیر اچھی سے اچھی ملازمتیں مختص کر دی گئیں۔ سیاسی میدان میں بھی ان کو آگے لانے کی کوشش کی گئی۔ بے شک وہ شخص عیسائیت کے خلاف لکھتا اور بولتا تھا لیکن انگریز نے اس کے ذریعہ امت مسلمہ میں ایک نئی امت پیدا کر کے اور ایک متفق علیہ بنیادی عقیدہ میں تشکیک پیدا کر کے جو مقصد عظیم حاصل کیا وہ بہت بڑا کارنامہ تھا اور اپنے دورس نتائج کے اعتبار سے بڑا اہم تھا۔ اگر ایسا شخص عیسائیت کے خلاف کچھ بولتا ہے تو بولا کرے۔ اس سے انگریزی سیاست کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ عیسائیت کی مخالفت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے وہ انگریزی استعمار کی خدمت پوری دلجمعی سے کر سکتا تھا اگر وہ عیسائیوں کے خلاف نہ بولتا تو اس کی آواز سننے کے لئے کوئی آدمی تیار نہ ہوتا۔“

مرزا قادیانی کی نبوت کا پیغام لے کر جب مرزائی مبلغ اسلامی ممالک میں گئے وہاں انکا جو حشر ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ ممالک میں تو انہیں مرتد قرار دیکر توپ سے اڑا دیا گیا۔ عالم اسلام کے تمام علماء نے بالاتفاق اس مدعی نبوت کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ آگے چل کر آپ فرماتے ہیں۔

ایک مسلمان کے لئے جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید قیامت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کسی دلیل کی محتاج نہیں اسی طرح ختم نبوت کا مسئلہ بھی کبھی زیر بحث نہیں آیا اور اس کے ثبوت کے لئے کسی مسلمان کو کسی دلیل یا بحث و تمحیص کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن مرزا قادیانی نے وہ کام کر دکھایا جس کی جرأت آج تک شیطان کو بھی نہیں ہوئی۔

مرزا قادیانی کی پیروی کرنیوالوں کے بارے میں آپ فرماتے ہیں۔

”وہ لوگ جو شکم کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور مال و دولت کی خاطر اپنا دین بدلنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے بلکہ اسے کمال ہوشمندی سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ ہمیں ان کے لئے ملول نہیں ہونا چاہیے نہ ایسے ابن الوقتوں کی خدا کو ضرورت ہے نہ اس کے رسول کو“

آپ مزید رقمطراز ہیں۔

ہمارا دعویٰ بلکہ ہمارا غیر متزلزل عقیدہ اور ایمان ہے کہ۔

”حضور سرور عالم سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں، حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ حضور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا۔ اور جو شخص اپنے نبی ہونیکا دعویٰ کرتا ہے اور جو بد بخت اس کے اس دعویٰ کو سچا تسلیم کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے۔ اور اسی سزا کا مستحق ہے جو اسلام نے مرتد کے لئے مقرر فرمائی ہے۔“ (تفسیر ضیاء القرآن جلد چہارم صفحہ ۶۷، ۶۸)

قادیانی اکثر لاف زنی کرتے رہتے ہیں کہ ہم نے یورپ میں اسلام کو متعارف کرایا ہم نے افریقہ میں اتنے لوگ مسلمان کر دیے۔ یہ سب مرزا قادیانی کی نبوت کا فیض ہے اس کے رد میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

”تم مرزا قادیانی کو اس لئے نبی کہتے ہو کہ انہوں نے چند کافروں کو کلمہ پڑھایا ہم اولیاء کرام کے زمرہ سے آپ کو ایسے ایسے مبلغ دکھاتے ہیں جنہوں نے ہزاروں نہیں لاکھوں کفار کو کفر کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا“ پھر آپ ”حضرت خواجہ اجمیری“ و ”داتا گنج بخش“ کی مثال دینے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ ”ان اصحاب باصفا کی کوششوں سے مسلمان ہونے والے اور ساری امت مرزائیہ کی تبلیغی کوششوں کی نسبت سمندر اور قطرہ کی بھی نہیں۔ ان کا رہائے نمایاں کے باوجود ان حضرات نے نہ نبوت کا دعویٰ کیا نہ مجددیت کا نہ مسیحیت کا نہ نظلی کا نہ بروزی بلکہ اپنے آپ کو غلامانِ مصطفیٰ ہی کہا اور اسے باعث صدا افتخار اور موجب سعادت دارین سمجھا۔ (ایضاً صفحہ ۷۷)

مرزا قادیانی نے اپنی متعدد کتابوں میں خود کو مسیح موعود ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔

اس کی رد میں بھی حضرت ضیاء الامت نے متعدد احادیث مبارکہ صحیحہ تفسیر ضیاء القرآن جلد چہارم صفحات ۷۷ تا ۷۵ پر نقل فرمائی ہیں اور ثابت فرمادیا ہے کہ مرزا قادیانی اپنے مسیحت کے دعویٰ میں بھی سراسر جھوٹا تھا۔

سورت سباء کی آیت مبارکہ ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا“ (سبا ۲۸) کی تفسیر لکھتے ہیں ہوئے بھی آپ نے رسول اکرم ﷺ کا آخری نبی ہونا احادیث کی روشنی میں ثابت فرمادیا ہے۔

مارچ ۱۹۷۳ء کو پاکستان قومی اسمبلی میں بل منظور ہوا کہ آئندہ سے پاکستان کے صدر اور وزیراعظم کے حلف میں عقیدہ ختم نبوت پر غیر مشروط ایمان کا اقرار شامل کیا جائے۔ ختم نبوت کے باغی قادیانیوں کو اس بل کی منظوری پر بڑا دکھ ہوا اور انہوں نے تقریر و تحریر کے ذریعے اس قانون کی مخالفت شروع کر دی قادیانیوں کے اس وقت کے سربراہ مرزا ناصر احمد قادیانی نے اپنے جمعہ کے خطبات میں مذکورہ قانون کو ہدف تنقید بنانا شروع کر دیا۔ ۳۰ مارچ ۱۹۷۳ء کے جمعہ خطاب میں مذکورہ قادیانی سربراہ نے آیت ختم نبوت کی انتہائی سوقیانہ انداز میں تفسیر کی۔ بعد میں اس خطاب کو ”مقام ختم نبوت یعنی مقام محمدیت کی تفسیر“ کے عنوان سے پمفلٹ کی صورت میں شائع کر دیا۔ حضرت قبلہ پیر صاحب کی نظر کرم سے جب یہ تحریف و تغیر سے بھرپور پمفلٹ گزرا تو آپ نے اسے قرآن پاک اور صاحب لولاک ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر منافقانہ حملہ سمجھتے ہوئے اس کا رو کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ آپ نے اگست ۱۹۷۳ء کے ماہنامہ ضیاء حرم کے ادارہ سر دلبراں کا عنوان اسی پمفلٹ کو بناتے ہوئے نہایت پر مغز گفتگو فرمائی۔ قادیانی سربراہ کی تقریر و تحریر کے چند اقتباسات تحریر کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں۔

”جس شخص کے دل میں خدا کا خوف ہو اور جس کو یہ یقین ہو کہ قیامت آئیوالی اور اس روز اس سے اس کے اقوال و اعمال کی باز پرس ہوگی وہ قرآن پاک کی تفسیر میں ایسی تحریف کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ وہ اس قسم کی مضحکہ خیز مثال دے کر معانی قرآن پر پردہ نہیں ڈال سکتا۔ اس تحریف نے تو بنی اسرائیل کے دنیا پرست علماء کو بھی مات کر دیا ہے۔“ (ماہنامہ ضیاء حرم۔ اگست ۷۳ء۔ صفحہ ۶)

پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت ختم نبوت کا شانِ نزول اور سیاق و سباق بڑے احسن و دلکش

انداز میں بیان فرمانے کے بعد عربی لغت کے اعتبار سے اس کی تشریح فرمائی ہے اور سب سے آخر پر آپ نے آنحضرت ﷺ کی کی ہوئی تفسیر بیان فرماتے ہوئے مختلف احادیث مبارکہ پیش کر کے اپنے موقف کو انتہائی مضبوط اور ناقابل تردید بنا دیا ہے۔ مرزا محمود احمد قادیانی نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ مرزا قادیانی روحانیت میں ترقی کرتے کرتے پہلے ابراہیمؑ میں جا بیٹھا ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرماتے ہے۔ مرزا آنجنمانی کا ساتویں آسمان پر پہلے ابراہیمؑ میں جا بیٹھنا تو بالکل محال اور ناممکن بات ہے۔ کسی باذوق انسان کے لئے تو حضرت خلیل کے ساتھ مرزا قادیانی کا محض ذکر بھی ہر طرح کی مناسبت سے عاری اور مخمل میں ٹاٹ کا پوند لگانے کے مترادف ہے۔ کہاں سیدنا ابراہیم جنہوں نے نمرود جیسے سرکش اور مغرور انسان کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگادی۔ نہ اس کی سطوت و جبروت کی پرواہ کی نہ اس کے جلال شاہانہ سے مرعوب ہوئے۔ بھرے دربار میں اس کے منہ پر دلیل کا وہ زناٹے دار تھپڑ رسید کیا کہ ”نبھت الذی کفر“ کا سماں بندھ گیا۔ اور کہاں مرزا قادیانی کہ ساری عمر اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمن انگریز کی مدح سرائی چا پلوسی میں گزار دی۔ کہاں حضرت خلیلؑ کی جرات و بیباکی کہ بتکدہ میں داخل ہو کر تمام بتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا اور جب انہیں اس کی سزا دینے کے لئے آتش کدہ تیار کیا گیا تو بے خطر اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود پڑے اور کہاں مرزا قادیانی کی رو باہ مزاجی کہ نمرود کے جانیشوں کے خلاف حرمت جہاد کا فتویٰ صادر کر دیا انسان بات کرے تو اس میں کچھ مناسبت تو ہونی چاہیے۔“ (سر دلبراں۔ ضیائے حرم اگست ۱۹۷۳)

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو حکومت پاکستان نے پوری طرح سوچ بچار اور غور و فکر کے بعد جب قادیانیوں کو اقلیت قرار دے دیا تو اکتوبر ۱۹۷۴ء کے ماہنامہ ضیائے حرم کا ادارہ آپ نے اس مسئلہ کی وضاحت و اہمیت اور حکومت پاکستان کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے وقف کر دیا۔ آپ نے تمام امت مسلمہ خصوصاً تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں حصہ لینے والے افراد، ممبران قومی و صوبائی اسمبلی، سپیکر قومی اسمبلی، اٹارنی جنرل اور دیگر اہل علم افراد کے علاوہ وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو کو خصوصی خراج تحسین پیش کیا۔

دسمبر ۱۹۷۴ء کو آپ نے ماہنامہ ”ضیائے حرم“ کا خصوصی شمارہ ”ختم نبوت نمبر“ نکالا جس میں

تحریک ختم نبوت میں کام کر نیوالی اہم شخصیات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے علاوہ اثباتِ ختم نبوت و ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں انتہائی اہم دستاویزات کو یکجا فرما دیا ہے۔ اور ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں کام کر نیوالوں کے لئے ماہنامہ ضیائے حرم کا ختم نبوت نمبر ایک متاعِ عظیم ہے۔

اگست ۱۹۸۷ء میں آپ فرینکفرٹ (مغربی جرمنی) کے دورہ پر تشریف لے گئے۔ آپ نے پاک محمدی مسجد فرینکفرٹ میں مسلمانوں کے عظیم اجتماع سے خطاب فرماتے ہوئے اسلام اور ردِ مرزائیت کے عنوان سے سیر حاصل بحث فرمائی۔ آپ نے تقریر کے آغاز پر ہی اپنے موضوع کی اہمیت ان الفاظ سے واضح فرمائی۔

”آپ کے قیمتی وقت کی قدر و قیمت کا احساس کرتے ہوئے اور اپنے فرض کی اہمیت کا بھی احساس کرتے ہوئے کہ معلوم نہیں پھر کبھی اس قسم کے اجتماع اور اس میں ملاقات کا موقع ملے یا نہ ملے۔ ان دونوں احساسات نے مجھے مجبور کیا ہے کہ میں بہت ہی کم وقت میں آپ کے سامنے ایسی چیز بیان کروں جس سے آپ کی دنیا بھی سنورے، آپ کی قبر بھی روشن ہو اور قیامت کے دن آپ کو سرخروئی بھی ہو۔“ (ضیائے حرم ستمبر ۸۷ء صفحہ ۱۱)

آپ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت واضح کرنے کے بعد ثابت کیا کہ آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد اب کسی صورت میں کوئی بھی نبی و رسول نہیں آ سکتا اور اگر کوئی آپ کے بعد اب دعویٰ نبوت رسالت کرے وہ محض جھوٹا اور دجال ہے۔ پھر آپ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں مرزا قادیانی کو جھوٹا ثابت کیا۔ نیز مرزا قادیانی کے اپنے اقوال سے ثابت کیا کہ وہ جھوٹا اور دجال تھا۔ اور آپ نے مسلمانانِ عالم سے گزارش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دجال کے مکر و فریب سے خود بھی بچو اور دیگر مسلمان بھائیوں کو بھی بچنے کی تلقین کرو۔

اگست ۱۹۸۸ء میں جینوا میں اقوام متحدہ کے ذیلی ادارہ انسانی حقوق کا اجلاس ہوا۔ صدر پاکستان جناب محمد ضیاء الحق شہید کی خواہش پر آپ جنیوا تشریف لے گئے۔ پاکستان کی نمائندگی فرماتے ہوئے قادیانیوں کی طرف سے پاکستان و حکومت پاکستان پر لگائے جانے والے الزامات کا مسکت

جو اب دیا۔ اپنے اس دورہ یورپ اور رِقادِ یانیت کے سلسلہ میں کی جانوالی کوششوں کی مکمل روداد آپ نے ”فتنہ مرزائیت اور پاکستان“ کے عنوان سے ماہنامہ ضیائے حرم اکتوبر ۱۹۸۸ء میں تحریر فرمائی۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

”سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت بیج کا اجلاس ۳۰ جولائی ۱۹۸۸ء سے لاہور میں منعقد ہو رہا تھا۔ اسی اثنا میں شہید صدر ضیاء الحق کا فون موصول ہوا کہ اقوام متحدہ کے ذیلی ادارہ انسانی حقوق کا اجلاس ۸ اگست سے جنیوا میں منعقد ہو رہا ہے۔ وہاں مرزائیوں نے بڑا اودھم مچا رکھا ہے۔ پاکستان کے بارے میں انہوں نے یہ پروپیگنڈا زور شور سے شروع کر رکھا ہے کہ پاکستان میں ان کو قتل کیا جا رہا ہے ان کو چین چین کر ملازمتوں سے نکالا جا رہا ہے ان کی عبادت گاہوں کو منجمد کیا جا رہا ہے ان کے افراد کو زد و کوب کیا جاتا ہے اور ہر قسم کے انسانی حقوق سے ان کو محروم کیا جا رہا ہے۔ صدر محترم نے مجھے حکم دیا کہ میں جنیوا جا کر پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے ان کے گمراہ کن پروپیگنڈہ کا جواب دوں۔ چنانچہ گیارہ اگست ۸۸ء کو بھیرہ سے روانہ ہوا۔ جنیوا پہنچنے پر سفیر پاکستان جناب سعید دہلوی صاحب نے مجھے وہاں کے حالات سے آگاہ کیا اور قادیانیوں کی طرف سے شائع شدہ مختلف قسم کے پمفلٹ وغیرہ دکھائے جن میں مرزائیوں نے حکومت پاکستان و پاکستانی عوام پر طرح طرح کے بے سرو پا الزامات عائد کئے ہوئے تھے۔ ایک خالی الذہن انسان کو طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے کے لئے یہ پمفلٹ ایک موثر ہتھیار تھے۔

ہم نے طے کیا کہ ہر روز دو تین ممبران کو دوپہر کے کھانے پر بلا لیا جائے اور انہیں حقیقت سے آگاہ کیا جائے چنانچہ ۱۶ تا ۲۵ اگست ۸۸ء تک روزانہ مختلف ممالک کے نمائندگان کو ہم رات کے کھانے پر بلاتے رہے اور قادیانیوں سے متعلق حکومت پاکستان کی فراخ دلانہ پالیسی و عوام کے رعایتی سلوک کے بارے میں انہیں بریف کرتے رہے۔

”میں نے مدعوین کو دو تین اہم باتیں سمجھائیں ایک تو یہ کہ جو آدمی جس نبی و رسول سے خاص قلبی لگاؤ رکھتا ہے وہ اس کا امتی و پیروکار کہلاتا ہے۔ مثلاً مسلمان حضرات موسیٰ و عیسیٰ کو انبیاء خدا تسلیم کرنے کے باوجود یہودی و عیسائی نہیں بلکہ مسلمان ہیں کیونکہ ان کا خاص قلبی تعلق پیغمبر اسلام

حضرت محمد ﷺ کے ساتھ وابستہ ہے۔ عیسائی حضرت موسیٰ کو نبی ماننے کے باوجود یہودی نہیں ہیں کیونکہ ان کا خاص تعلق حضرت عیسیٰ کے ساتھ ہے۔ بالکل اسی طرح قادیانی حضرات حضرت موسیٰ و عیسیٰ نیز آنحضرت ﷺ کو نبی اللہ ماننے کے باوجود مسلمان نہیں کیونکہ ان کا خاص تعلق ایک جھوٹے نبی مرزا قادیانی سے وابستہ ہے“

دوسری بات میں نے انکو یہ ذہن نشین کرائی کہ تکفیر کا آغاز مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ مرزا قادیانی کی طرف سے ہوا ہے میں نے امثلہ و دلائل سے ثابت کیا کہ آغاز تکفیر مرزا قادیانی نے کیا اور اسکی کتب آج تک اس مسئلہ کی گواہ ہیں۔ نیز قادیانی اکابر مرزا محمود، مرزا بشیر احمد و ظفر اللہ خان کا مسلمانوں سے بائیکاٹ کا طرز عمل ہمارے سامنے ہے۔ نیز پاکستان میں قادیانیوں کو کسی جذبات غصہ یا دباؤ کے تحت غیر مسلم قرار نہیں دیا گیا بلکہ انتہائی زیادہ غور و فکر اور سوچ بچار کرنے اور قادیانیوں کو اپنے دفاع کا پورا پورا موقع فراہم کرنے کے بعد قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی اس نتیجے پر پہنچ پائی تھی کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔ ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

تیسری بات میں نے یہ سمجھائی کہ قادیانی جو یہ شور مچا رہے ہیں کہ پاکستان میں ان کے انسانی حقوق پامال کئے جا رہے ہیں یہ گمراہ کن پراپیگنڈہ ہے۔ پاکستان کے عوام بہت زیادہ فراخ دل و رحم دل واقع ہوئے ہیں دیگر بے شمار اقلیتیں پاکستان میں رہائش پذیر ہیں کبھی بھی فرقہ وارانہ اختلافات پاکستان میں پیدا نہیں ہوئے۔

نیز قادیانیوں کی طرف سے کلمہ طیبہ کی توہین کے بارے میں سوالات اٹھائے گئے اور میں نے ان کے جوابات دیئے۔ میری کاوشوں اور اللہ کے فضل سے وہی ممبران جنہوں نے گزشتہ برس انسانی حقوق کے حوالے سے پاکستان پر تازہ توڑ حملے کئے تھے اب کی بار جب اجلاس ہوا تو کسی ممبر نے بھی پاکستان کے بارے میں کوئی ایک لفظ ایسا نہ بولا جو پاکستان کے عزت و وقار کے منافی ہو۔

واپسی پر میں براستہ فرینکفرٹ (جرمنی) اسلام آباد آیا۔ قیام فرینکفرٹ کے دوران قادیانیوں کے ایک وفد نے میرے ساتھ ملاقات کر کے اپنے کچھ اعتراضات کئے جن کا میں نے تسلی بخش جواب دے دیا۔ نیز نماز ظہر کے بعد ایک عام جلسہ کا اہتمام کر کے سواد گھنٹے تک عقیدہ ختم نبوت

اور علامات مسیح موعود پر خطاب کیا۔ (آپ کے اس خطاب کو ترتیب دے کر ماہنامہ ضیائے حرم لاہور کے شمارہ جنوری فروری ۱۹۸۹ء میں قسط وار شائع کر دیا گیا تھا۔ یہ خطاب پڑھنے سے بے شمار نئی باتیں سامنے آئی ہیں۔) اسلام آباد پہنچ کر میں نے فوراً جینوا میں پاکستان کے سفیر جناب سعید دہلوی سے رابطہ کر کے فون پر پوچھا کہ ہماری کوششوں کا کیا نتیجہ نکلا تو انہوں نے مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب رہے ہیں۔ کسی غیر ملکی نمائندے نے اب کی بار پاکستان کی مخالفت نہیں کی۔ (ماہنامہ ”ضیائے حرم“ اکتوبر ۸۸ء خلاصہ صفحات ۳۶ تا ۴۷)

۱۹ جون ۱۹۸۸ء کو لندن میں ادارہ منہاج القرآن کے تحت انٹرنیشنل اسلامک منہاج القرآن کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں آپ نے ”ملت اسلامیہ اور عقیدہ ختم نبوت“ کے عنوان سے خطاب فرمایا۔

عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت و ضرورت بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

”اس عقیدہ پر ہماری زندگی اور موت ہماری فنا و بقا کا دار و مدار ہے۔ جس طرح عقیدہ توحید کو نظر انداز کر کے ہم بحیثیت امت مسلمہ زندہ نہیں رہ سکتے اسی طرح اگر خدا نخواستہ ہم عقیدہ ختم نبوت سے دستبردار ہو جائیں تو ہماری تعداد اگرچہ ایک ارب کے قریب ہے تعداد کی اس کثرت کے باوجود بحیثیت امت ہم چشم زدن میں نیست و نابود ہو جائیں گے۔ بحیثیت ملت ابراہیمی ہمارا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔ امت مسلمہ کا یہ قصر رفیع صرف دو بنیادوں پر استوار ہے عقیدہ توحید اور عقیدہ ختم نبوت۔“

آپ نے مزید فرمایا۔

”جب یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ عقیدہ توحید کی طرح عقیدہ ختم نبوت پر ہماری زندگی اور بقاء کا انحصار ہے تو ہم اپنے عقیدہ ختم نبوت کو نظر انداز کر کے اپنی شاہ رگ کاٹ ڈالیں۔ ہم کس کو خوش کرنے کے لئے خودکشی کے مرتکب ہوں؟ یہ کیوں کر ممکن ہے؟؟ حالانکہ نوع انسانی کی فلاح اور بقا کے لئے ہمارا زندہ و سلامت رہنا ضروری ہے۔“

آپ نے مرزا قادیانی کا اجمالی تذکرہ کرتے ہوئے اس کی اسلام سے غداری و انگریزوں سے وفاداری کے واضح و بین ثبوت اس کی اپنی کتب سے پیش کرنے کے بعد فرمایا۔

”مرزا قادیانی کی نبوت کا اعلان چونکہ ملت اسلامیہ کو منتشر کرنے کے لئے ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے اور ان کی فکری یک جہتی کو درہم برہم کرنے کے لئے ایک موثر حربہ تھا اس لئے تمام وہ قوتیں جو مسلمانوں کو کمزور اور بے بس بنانے کے لئے کوشاں ہیں انہوں نے زور شور سے مرزا قادیانی کی تائید کی۔“

۳۔ ”نتیجہً قادیانیت کی آبیاری کرنے والے افراد و عناصر کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا۔
”در حقیقت دفاعِ ختم نبوت کا جذبہ ہی ملتِ اسلامیہ کی زندگی کی علامت ہے جب تک یہ جذبہ زندہ و سلامت اور قوی و توانا رہے گا ابلسی نظام کا کوئی فتنہ کوئی سازش اس نورِ ہدایت کو بجھانہ سکے گی جس کو بڑھانے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔“ (ماخوذ از ماہنامہ ضیاءِ حرم لاہور جولائی ۱۹۸۸ صفحہ ۱۷-۲۷)

کسی شخصیت سے کسی کو جتنی زیادہ محبت ہوگی وہ اس کے مخالفین سے اتنی ہی شدت سے نفرت کا اظہار کرے گا۔ آنحضرت ﷺ سے محبت اور مرزا قادیانی سے حضرت ضیاء الامت کی نفرت کا اندازہ آپ کی اس تحریر سے لگایا جاسکتا ہے۔ جو ۱۹۹۳ء میں آپ نے مجلہ ختم نبوت جناب محمد متین خالد صاحب کی شہرہ آفاق تصنیف ”قادیانیت ہماری نظر میں“ کا ادارہ لکھتے ہوئے تحریر فرمائی آپ فرماتے ہیں۔
”بہر حال جس شخص نے امت کو انگریز کی ابدی غلامی کے لئے تیار کرنے میں ساری عمر کھپا دی ہو، ہم مجبور ہیں کہ اسے ملت کا بدخواہ اور غدار قرار دیں۔ جس طرح ہم خارش زدہ کتے کو مسجد میں داخل نہیں ہونے دیتے اسی طرح ایسے غداروں کو ہم حرمِ ملت کے پاس نہیں پھینکنے دیں گے۔“ (قادیانیت ہماری نظر میں۔ صفحہ ۳۱)

علاوہ ازیں آپ نے قادیانیت سے متعلق ”ضیاء ختم نبوت کے عنوان سے لکھنے کا حتمی ملہ کیا تھا لیکن حیاتِ مستعار نے مہلت نہ دی اور آپ اپنے اس منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے سے قبل اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو کروٹ کروٹ سکھ اور چین نصیب نئے اور ہم رو سیاہوں کو آپ کے علمی و روحانی فیوض سے کما حقہ استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولنا سید لعل شاہ دوالمیالوی

۱۸۴۷ء - ۱۹۳۷ء

صوبہ پنجاب کے ضلع چکوال کی تحصیل چو اسیدن شاہ کے گاؤں دوالمیال میں سادات مشہدی کاظمی کا ایک خانوادہ آباد ہے۔ اس خاندان کے ایک بزرگ حضرت مولانا سید رسول شاہ نامی گاؤں تترال کی درمیانی مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ ان کے ہاں فرزند پیدا ہوا جس کا نام سید لعل شاہ رکھا گیا۔ اس فرزند کو ابتدائی تعلیم چکوال شہر کے مولانا غلام حسین نے دی اور مزید تعلیم بھیرہ پشاور اور لاہور میں مولانا عبدالعزیز بگوی، مولانا غلام قادر قریشی اور مولانا قاضی غلام محی الدین پشاور سے حاصل کی۔ قرآن کریم حفظ کیا۔ آپ خداداد ذہانت کے مالک تھے۔ چنانچہ جب آپ بھیرہ میں زیر تعلیم تھے تو امتحان میں شامل سوطالب علموں میں سے آپ کی کارکردگی سب سے بہتر رہی۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں خواجہ احمد میرودی قدس سرہ العزیز کے مرید و خلیفہ مجاز ہوئے۔ ۱۸۹۴ء کے قریب آپ نے سفر حج و زیارت کیا۔ حرمین شریفین میں آپ کو تقاریر کا شرف حاصل ہوا۔ سفر سے واپسی پر آپ بہت سی کتب خرید کر ہمراہ لائے۔ آپ کئی خوبیوں کے مالک تھے مثلاً مفتی، مصنف، شاعر، پیر طریقت، مبلغ اسلام اور مناظر اسلام۔

اس زمانے میں آپ کا گاؤں دوالمیال قادیان کے بعد مرزائیوں کا دوسرا بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے مرزائیوں کا سرخیل مولوی کرم داد مرزائی تھا جو کہ مولوی نور دین بھیروی مرزائی کا شاگرد تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے مرزائیت کی سرکوبی کے لئے تحریر و تقریر کے ذریعے بساط بھر کوشش کی۔ چنانچہ کرم داد دوالمیالوی مرزائی سے آپ کے متعدد مناظرے ہوئے اور مقدمات بھی قائم ہوئے۔ مرزائیوں نے دوالمیال کی مسجد میں علیحدہ جمعہ قائم کرنے کے لئے عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ جس کی مسلمانوں کی طرف سے حضرت سید لعل شاہ صاحب نے پیروی کی، ۹ فروری ۱۹۰۷ء کو اسٹینٹ کمشنر پنڈ دادن خان نے فیصلہ شاہ صاحب کے حق میں سنایا۔

آپ نے تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے ایک تنظیم ”انجمن اسلامیہ حنفیہ“ قائم کی اس کا تیسرا اجلاس ۱۳ تا ۱۵ مارچ ۱۹۲۳ء کو موضع پیر مخدوم جہانیاں اور دوالمیال میں منعقد ہوا۔ مرزائی مبلغ کرم داد دوالمیالوی نے کہا کہ اگر حیات مسیح ثابت ہوگئی تو میں مرزا قادیانی کو کافر اور سب دعووں میں کذاب اور جھوٹا مان لوں گا۔ چنانچہ انجمن کے متذکرہ بالا اجلاس میں ۱۶ مارچ ۱۹۲۳ء کو چوہا سیدن شاہ شہر میں حضرت سخی سیدن شاہ شیرازی کی آخری آرامگاہ سے ملحق ایک بڑے میدان میں بہ انتظام پولیس مسلمانوں اور مرزائیوں کے درمیان مناظرہ طے پایا۔ مسلمانوں کی طرف سے حاجی عبدالواحد علمبردار لاہوری صدر مناظرہ اور مولانا سید لعل شاہ دوالمیالوی اور قاضی فضل احمد لودھیانوی معاون مقرر ہوئے۔ مرزائی کرم داد دوالمیالوی مناظر اور فتح محمد نمبردار دوالمیالوی اور محمد بخش باقندہ دوالمیالوی معاون مقرر ہوئے۔ اختتام مناظرہ پر انسپکٹر پولیس جناب مہر خان صاحب نے مسلمانوں کے دلائل کی تائید کی اور قادیانیوں کو اپنا موقف ثابت کرنے میں بری طرح ناکامی ہوئی۔ اس کے باوجود کرم داد مرزائی کو قبول حق کی توفیق کبھی نہ ہوئی۔ اس مناظرہ کی مکمل روداد ”انجمن تائید اسلام لاہور“ کے ماہوار رسالہ کے شمارہ مئی ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی۔

گجرات شہر کا ملک عبدالرحمن خادم ایڈووکیٹ مرزائی مبلغ اور مرزا کے قریبی حواریوں میں سے تھا۔ جس نے بعد ازاں ۱۹۵۳ء میں مرزائیت کے فروغ کے لئے ”احمدی پاکٹ بک“ کتاب تصنیف کر کے شائع کی۔ حضرت شاہ صاحب کے گاؤں دوالمیال کے قریب ہی ایک دیہات چھسبھی کوٹ راجگان نام کا آباد ہے۔ یہاں کاراجہ علی محمد گجرات میں محکمہ جنگلات کا افسر تھا، راجہ علی محمد کا رابطہ ملک عبدالرحمن خادم سے تھا۔ اس نے مرزائیت اختیار کی اور ملک عبدالرحمن خادم کی بہن سے دوسری شادی کر لی۔ اس طرح ملک عبدالرحمن خادم کا اس علاقے میں آنا جانا اور زیادہ ہو گیا۔ حضرت شاہ صاحب نے اس کا تعاقب کیا چنانچہ ۱۹۳۲ء کے لگ بھگ موضع چھسبھی کوٹ راجگان میں حضرت مولانا سید لعل شاہ اور عبدالرحمن خادم کے درمیان مناظرہ ہوا جس میں مرزائیت کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ اس کے علاوہ بھی دوسرے مذاہب باطلہ سے آپ کے مختلف موضوعات پر کئی مناظرے ہوئے۔ لیکن مرزائیت کا تو آپ نے اور آپ کے بعد آپ کی اولاد کے تمام علماء کرام نے ایسا ناطقہ بند کیا کہ مرزائی مبلغین کی

تمام تر کوششوں کے باوجود مرزائیت اب تک اس گاؤں کی حدود سے باہر نہیں نکل سکی اور سچ فرمایا مولانا قاضی محمد زاہد الحسنی صاحب مدظلہ نے کہ اگر اس علاقہ میں حضرت مولانا سید لعل شاہ اور حضرت مولانا کرم الدین دبیر موجود نہ ہوتے تو پورا علاقہ مرزائی و سبائی ہو چکا ہوتا۔ تحفظ اسلام کا فریضہ آپ نے آخر دم تک سرانجام دیا۔ چنانچہ ۱۹۳۰ء میں جب کہ آپ انتہائی ضعیف ہو چکے تھے اور آپ کی عمر نوے برس سے تجاوز کر چکی تھی دو المیال کے مرزائیوں سے مناظرہ کی نوبت آئی تو آپ نے خود اس کا اہتمام دسر پرستی فرمائی۔ مولانا قاضی محمد زاہد الحسنی کو جوان دنوں نواحی قصبہ ڈلوال میں خطیب تھے اپنی طرف سے مناظر مقرر کیا۔ مرزائی مناظر کرم الہی ٹیچر منڈی بہاؤ الدین کو شکست فاش ہوئی اور اسلام کا بول بالا ہوا۔ اس مناظرہ کی مکمل روداد علامہ زاہد الحسنی کی مطبوعہ کتاب ”درۃ الزاہد یہ برفرقہ احمدیہ“ میں محفوظ ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے تصنیف و تالیف کا کام بخوبی انجام دیا۔ آپ کے دور میں جہلم شہر سے ہفت روزہ سراج الاخبار حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر کی زیر ادا رت نکلا کرتا تھا۔ اس اخبار میں مسلمانوں کے دین سے متعلق سوالات شائع ہوا کرتے جن کے جوابات آئندہ شمارے میں علماء کرام دیا کرتے۔ جوابات دینے والوں میں آپ سرفہرست تھے۔ امرتسر سے شائع ہونے والے ہفتہ وار ”الفقہ“ میں بھی حضرت شاہ صاحب اور آپ کے فرزند حضرت مولانا حکیم سید کرم حسین شاہ کے رد مرزائیت پر مضامین و مراسلات شائع ہوا کرتے۔ آپ کی مطبوعہ تصانیف ”الہی عتاب بردشمن“ ابو بکر و عمر بن خطاب ”اظہار حق“ تیغ الہی برفرقہ سبائی ”اور ”باغ فدک کا قصہ“ شامل ہیں۔ رد مرزائیت پر آپ نے ”حقیقت مرزائیت“ تالیف کی۔

حضرت شاہ صاحب کے شاگردوں میں آپ کے دو فرزندوں حضرت مولانا سید فضل شاہ اور حضرت مولانا سید کرم حسین شاہ کے علاوہ مولانا میاں لعل دین حضرت پیر مہتاب دین اور نامور عالم دین سید فردوس شاہ قابل ذکر ہیں۔ مولانا سید کرم حسین شاہ جید عالم مصنف اور تھے۔ آپ کی تصانیف میں ”سوز احقر“ اور ”ذکر ولی“ مطبوعہ صورت میں ہیں۔ اور عبدالرحمان خادم گجراتی کی کتاب ”احمدیہ پاکٹ بک“ کے جواب میں آپ نے ”حنفیہ پاکٹ بک“ مرتب کی تھی۔ علاوہ ازیں مولانا لعل دین نے اپنے استاذ محترم سید لعل شاہ صاحب کے سوانح حیات مرتب کر کے انہیں ”گودڑی کے لعل“ کے نام سے

۱۹۳۷ء میں شائع کیا۔

۱۳ فروری ۱۹۳۷ء بروز جمعرات دوالمیال میں حضرت مولانا سید لعل شاہ صاحب نے مختصر علالت کے بعد تقریباً ایک سو سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ (ہفت روزہ ختم نبوت کراچی جلد نمبر ۹ شمارہ نمبر ۳۶ مضمون جناب عابد حسین شاہ صاحب۔)



علامہ ابوالحسنات محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۹۶ء--۱۹۶۱ء)

مولانا سید محمد احمد قادری سید دیدار علی شاہ الوری کے فرزند اکبر تھے۔ آپ ۱۸۹۶ء میں ریاست الور (بھارت) میں پیدا ہوئے اور ۲۰ جنوری ۱۹۶۱ء بوقت ساڑھے بارہ بجے لاہور میں وفات پائی۔ برصغیر کی عظیم روحانی ہستی حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کے مزار مبارک کے احاطہ میں دفن ہوئے۔ (تذکرہ اکابر اہل سنت جلد اول مرتبہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صفحہ ۳۲۸)

آپ کی زندگی کے اہم واقعات میں مسجد تریولیہ (الور) کی ہندوؤں کے ہاتھوں شہادت اور آپ کی مساعی جمیلہ سے اس کا از سر نو سرکاری خرچہ پر تعمیر کیا جانا، تحریک پاکستان و تحریک کشمیر کی پر زور حمایت اور تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی قیادت آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اس وقت ہم صرف تحریک ختم نبوت اور تردید قادیانیت کے حوالے سے کی گئی خدمات کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں:

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے پس منظر میں ملتان فائرنگ کیس (جولائی ۱۹۵۲ء) اور ظفر اللہ خان قادیانی سابق وزیر خارجہ پاکستان کی تقریر منعقدہ جہانگیر پارک کراچی ۱۹۵۲ء کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان دونوں واقعات کو ذہن میں رکھا جائے تو تحریک اور کارکنان تحریک ۵۳ء کے کردار کو سمجھنا آسان رہے گا۔ لہذا دونوں واقعات مختصراً تحریر کئے جاتے ہیں:-

ظفر اللہ خان کی تقریر:

ظفر اللہ خان قادیانی بد قسمتی سے پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ بن گیا۔ مملکت خداداد پاکستان کا وزیر ہونے کے باوجود وہ اپنے مذہبی پیشوا مرزا محمود کے اشاروں پر ناچتا تھا۔ ۱۷-۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو قادیانیوں نے جہانگیر پارک کراچی میں اپنے سالانہ جلسہ کا اہتمام کیا اور اس میں ظفر اللہ خان قادیانی کا خصوصی خطاب رکھا۔ خطاب کا عنوان تھا ”اسلام زندہ مذہب ہے“ مسلم عوام کے دباؤ کے پیش نظر خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان نے ظفر اللہ خان کو جلسہ میں شرکت کرنے سے باز رہنے کو کہا تو ظفر اللہ

خاں نے جواب دیا ”وزارت سے استعفیٰ دے سکتا ہوں مگر مذہبی پیشوا کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا چنانچہ ظفر اللہ خاں نے جلسہ عام میں شرکت کی اور احمدیت (قادیانیت) کے بغیر (پرانے اور اصل) اسلام کو مردہ اسلام کہہ ڈالا۔ اس پر ملک کے طول و عرض میں احتجاج اور ہنگامے شروع ہو گئے۔

(منیر انکواری رپورٹ صفحہ ۷۷)

ملتان فائرنگ کیس :- معروف احراری لیڈر ماسٹر تاجدین انصاری تحریر فرماتے ہیں ”غالباً ۹ جولائی ۱۹۵۲ء پاکستان بھر میں یومِ انتباہ منایا گیا (جس میں حکومت کو متنبہ کیا گیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دو اور ظفر اللہ خاں کو وزارت خارجہ سے ہٹاؤ ورنہ مسلمان عوام کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ) جامعہ مسجد جناز گاہ ملتان میں جناب شوکت حسین سجادہ نشین دربار پیر صاحب کی صدارت میں جلسہ عام منعقد ہوا۔ اس عظیم الشان تاریخی جلسے میں مولانا ہدایت اللہ اور مولانا عبدالقادر سمیت تمام ذمہ دار افراد نے مطالبات دہرائے اور حکومت کو وارننگ دی کہ مطالبات نہ ماننے کی صورت میں نتائج کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ یہ جلسہ جلوس کی شکل میں بدل گیا۔ جلوس شہر کے مختلف راستوں سے ہوتا ہوا تھانہ کپ کے سامنے سے گزرنے لگا۔ تھانہ کے باہر لکڑی کا جنگل تھا۔ جلوس میں کسی آدمی کا توازن بگڑا اور گرنیوالوں کی قطار لگ گئی۔ دھکم پیل میں لوگ تھانے کے حفاظتی جنگلے پر گرے جنگل ٹوٹ گیا۔ پولیس نے فائرنگ کر دی۔ چھ مسلمان شہید ہو گئے اور زخمی تو ان گنت ہوئے۔ شہر میں کہرام مچ گیا اور ہڑتالوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ ممتاز دولتاناہ کی وزارت اعلیٰ بھی داؤ پر لگ گئی۔ وزرانے عوام سے اظہارِ یک جہتی کرتے ہوئے استعفیٰ دینا شروع کر دیئے تھے۔ (تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ مرتبہ مولانا اللہ وسایا صفحہ ۱۳۳ تا ۱۳۹)

ان دونوں واقعات کو ذہن میں رکھیے اور مولانا ابوالحسنات قادریؒ کا کردار ملاحظہ کریں۔

ملتان فائرنگ کیس کے بعد ملتان میں ہڑتال ہو گئی۔ ۱۰-۱۲ روز تک ہڑتال جاری رہی کوئی پولیس افسر، مجسٹریٹ، وزیر یا کوئی بھی سیاستدان ہڑتال ختم کروانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس پر مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے اکابرین کے مشورہ سے ایک وفد ترتیب دیا گیا جو ملتان جا کر اہلیانِ ملتان کی

دلجوئی کرے اور ہڑتال ختم کرنے کی کوشش کرے۔ اس وفد کی رہبری حضرت مولنا ابوالحسناتؒ نے فرمائی دیگر ارکان میں مولنا مرتضیٰ احمد خان میکش، صاحبزادہ فیض الحسن اور مولنا محمد علی جالندھری شامل تھے۔ یہ وفد ۲۱ جولائی ۵۲ کو لاہور سے روانہ ہوا۔ ملتان پہنچنے پر وفد کا پر جوش استقبال کیا گیا۔ یہ وفد حضرت پیر صاحب کے احاطہ میں آئندہ لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے مشوروں میں مصروف تھا کہ بہت بڑا ہجوم جلوس کی شکل میں آ پہنچا اس جلوس کو بھی حضرت مولنا ابوالحسناتؒ محمد احمد قادری صاحبؒ نے بڑے احسن طریقہ سے خطاب فرما کر مطمئن کر دیا اور جلوس منتشر ہو گیا۔ (ایضاً صفحہ ۱۳۷) حضرت مولنا ابوالحسناتؒ کے مشورہ سے ۲۲ جولائی ۵۲ء کو تمام بازاروں کے چودھریوں اور بڑے لوگوں کو بلا کر احسن طریقہ سے سمجھایا گیا اگلے دن شہر کی ہڑتال ختم ہو گئی۔ یہ حضرت قبلہ ابوالحسناتؒ کی پہلی کامیابی تھی۔ ہڑتال ختم ہونے پر وفد لاہور واپس لوٹ آیا لیکن اب تحفظ ختم نبوت کا کام تیز تر ہو چکا تھا۔ ملک بھر میں عظیم الشان کانفرنسیں منعقد ہونے لگیں جن میں سے اکثر کی صدارت حضرت مولنا ابوالحسناتؒ کے سپرد کی جاتی۔ ملک بھر میں احتجاجی جلسے اور جلوس زور و شور سے ہو رہے تھے کہ وسط اگست ۵۲ء کو خواجہ ناظم الدین وزیراعظم پاکستان نے مولنا ابوالحسنات صاحب کو دستور کے سلسلہ میں مشورہ کرنے کے لئے کراچی بلوا بھیجا اور تاکید فرمائی کہ بذریعہ ہوائی جہاز فوراً کراچی تشریف لے آئیں (یاد رہے تب پاکستان کا دارالخلافہ کراچی تھا) مولنا صاحب کراچی تشریف لے گئے۔ وزیراعظم صاحب سے ملاقات کے وقت مولنا عبدالحامد بدایونی بھی آپ کے ساتھ موجود تھے۔ آپ نے ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے ہٹائے جانے کا مطالبہ کیا تو خواجہ ناظم الدین صاحب کہنے لگے ”آپ مطالبہ تو کر رہے ہیں کہ سر ظفر اللہ خان کو علیحدہ کر دیا جائے مگر آپ اس مشکل کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ اگر ہم سر ظفر اللہ خان کو علیحدہ کر دیتے ہیں تو ہمارے کتنے کام بگڑ جائیں گے اور ہم کن مشکلات میں پھنس جائیں گے۔ اس پر آپ جلال میں آ گئے اور فرمایا۔

”خواجہ صاحب ہم تو اللہ کے نیک بندے سے ملنے اور اپنی گذارشات عرض کرنے آئے تھے۔ ہمیں نہ معلوم تھا کہ ہم سر ظفر اللہ خان کے بندے سے ملاقات کر رہے ہیں“ آپ نے اپنے ساتھی مولنا عبدالحامد بدایونی سے فرمایا ”چلیے حضرت! یہاں سر ظفر اللہ خان ہیں تو سب ٹھیک ہے ورنہ سب کام

چوہٹ ہو جائیں گے۔ اس پر خواجہ صاحب کافی شرمندہ ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں نرم نرم باتیں کرنے لگے (تحریک ختم نبوة ۱۹۵۳ء از مولانا اللہ وسایا صفحہ ۱۵۵)

یہ ملاقات ۱۶ اگست ۱۹۵۲ء کو ہوئی، ملاقات میں ناظم الدین نے جب مطالبات نہ مانے تو آپ دیگر اراکین وفد کے ہمراہ واپس لاہور تشریف لے آئے۔ اب آئندہ کالائج عمل تیار کرنے کے لئے آل مسلم پارٹیز کے زیر اہتمام ۲۳ اگست ۱۹۵۲ء بروز ہفتہ بوقت ساڑھے آٹھ بجے شب دہلی دروازہ لاہور میں ایک عظیم الشان جلسہ عام کا اعلان اخبارات و اشتہارات کے ذریعے کر دیا گیا۔ جلسہ گاہ میں ایک لاکھ سے زائد فرزند ان توحید اکٹھے ہوئے۔ اس جلسہ کی صدارت بھی آپ نے فرمائی اور تاریخی خطاب فرمایا (ایضاً صفحہ ۱۵۶) دوران خطاب آپ نے فرمایا

تمام مسلمان خاتم الانبیاء ﷺ کی عزت و ناموس کی خاطر جان دینا سعادت سمجھتے ہیں۔ اس معاملے میں صرف مولوی ہی پیش پیش نہیں ہیں بلکہ میرے نزدیک تو پنجابی زبان میں ”ما بے“ اور ”گائے“ کہلانے والے شائید سب سے زیادہ قربانی کر جائیں۔ اس جگہ پڑھے لکھے آدمی کی طرح اگر مگر کی پالیسی ٹھیک نہیں جب تاج و تخت ختم نبوة پر کوئی گستاخانہ حملہ ہو تو عشق و محبت کا تقاضا یہی ہے کہ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

جب ناموس رسالت پر آنچ آتی ہو تو ہر مسلمان کا فرض ہو جاتا ہے کہ گھر، خاندان، اولاد مال اور جان سب کچھ نام مصطفیٰ ﷺ پر قربان کر دے۔ آپ نے مزید فرمایا

ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ایک اسلامی ملک کے خارجہ معاملات ایک ایسے شخص کے سپرد کر دئے جائیں جو ملک و ملت کا دشمن اور اور محمد عربی ﷺ کا باغی ہو۔ اور جس کی وفاداریاں پاکستان کی بجائے ہندوستان سے وابستہ ہوں۔ جو قادیان کی رسالت کی بدولت ہندوستان سے اپنے تعلقات استوار کر کے مسلمانان پاکستان سے غداری کر رہا ہے۔ (تحریک ختم نبوة ۱۹۵۳ء از مولانا اللہ وسایا صفحہ

(۱۵۷)

خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے سردھری کا مظاہرہ ہونے پر بطور اتمام حجت آپ نے دیگر ارکان کے ساتھ وفد کی صورت میں وزیر اعلیٰ پنجاب ممتاز محمد خان دولتانہ سے بھی

ملاقات کی اور اپنے مطالبات دھرائے مگر دولتاناہ صاحب نے بھی باتوں ہی باتوں میں ٹر خا دیا
(ایضاً۔ ۲۳۲)

اس کے بعد ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو آپ نے بحیثیت صدر آل پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوۃ پنجاب
بھر کے نامور مشائخ عظام سے اپنے مطالبات کے حق میں تائیدی دستخط لیے اور بصورت اشتہار و پوسٹر
تقسیم کر دئے ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو حاجی مولا بخش سومرو کی کوٹھی پر آل مسلم پارٹیز کنونشن کا
اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں بھی آپ نے شرکت فرمائی اور قابل قدر مشورے دئے۔

۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کو ہونے والے اختتامی اجلاس میں جنرل کونسل نے اپنے آٹھ نمائندے
مقرر فرمائے جو مجلس عمل کے رکن قرار پائے ان میں سر فہرست آپ کا نام نامی تھا (تفصیل کے لئے
ملاحظہ فرمائیں تحریک ختم نبوۃ ۵۳ صفحات ۲۳۷ تا ۲۴۰)

۲۲ جنوری ۱۹۵۳ء کو مجلس عمل تحفظ ختم نبوۃ کے نمائندوں نے وزیراعظم پاکستان خواجہ ناظم
الدین سے ملاقات کی اور مطالبات نہ ماننے کی صورت میں ایک ماہ بعد تحریک چلانے کا الٹی میٹم دے
دیا۔

۵ فروری ۱۹۵۳ء کو آپ کی زیر صدارت بیرون باغ موچی دروازہ لاہور میں ایک عظیم
الشان جلسہ منعقد ہوا۔

حکومت کی ہٹ دھرمی کو دیکھتے ہوئے اسے اپنے مطالبات ماننے پر رضامند کرنے کے لئے
علماء کرام نے ملک بھر میں جلسے منعقد کرنا شروع کر دئے۔ نیز اپنے خطابات جمعہ کا موضوع بھی عقیدہ ختم
نبوۃ اور قادیانیت ہی کو بنا لیا۔ اسی سلسلے میں ۶ فروری ۱۹۵۲ء کو جامع مسجد وزیر خان میں خطبہ جمعہ ارشاد
فرماتے ہوئے آپ نے بڑی جرأت و بہادری سے خواجہ ناظم الدین کو لکارتے ہوئے فرمایا

”وزیراعظم صاحب ہمارا پروگرام تعمیری ہے تخریبی نہیں۔ اگر وقت کی نزاکت کے پیش نظر
آپ ملت کے جائز مطالبات تسلیم کر لیں تو اس حکومت کا خواہ اور خیر اندیش ہم سے زیادہ اور کون
ہو سکتا ہے۔ مجھے تو بتایا جائے کہ ظفر اللہ خان کو وزارت سے نکالنے سے آپ اتنے خوفزدہ کیوں ہیں آخر
کھوڑو کو وزارت سے علیحدہ کرنے کی جرأت آپ میں کیسے پیدا ہو گئی تھی بنگال کے مسلم لیڈر فضل الرحمن کو

نکالنے کا حوصلہ آپ میں کس نے پیدا کر دیا تھا۔ اور اب ظفر اللہ خان کو نکالنے سے بل قوم سے قربانیاں کیوں مانگ رہے ہو۔ وزیراعظم صاحب میں آپ کو دعوت فکر دیتا ہوں۔ اپنے ضمیر کو جھنجھوڑیے کیا ملتِ اسلامیہ ختم نبوت کی حفاظت کی خاطر ہر قربانی دینے کو تیار نہیں ہے؟

آخر میں آپ نے فرمایا ”خواجہ صاحب میں ایک بار پھر اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ عوام اور علماء کرام سے نکرمت لیں۔ جب علماء کرام نے تحریک کے لئے قدم ایک بار بڑھا دیا تو مطالبات کی منظوری سے قبل وہ قدم واپس نہ لیں گے۔ (روزنامہ زمیندار ۸ فروری ۱۹۵۳ء)

۲۲ فروری کو حکومت کو دیئے گئے الٹی میٹم کی معیار ختم ہو گئی۔ اکابرین تحریک نے لاہور میں آخری جلسہ ۲۲ فروری کو کیا اور کراچی روانہ ہو گئے۔ روانگی سے قبل نشست صدر مجلس عمل کارکنوں اور رضا کاروں کے لئے مندرجہ ذیل ہدایات جاری کیں۔

(۱) مجلس عمل کی اپیل پر آج تک جس قدر رضا کار حلف نامے پر کر چکے ہیں وہ سربکف تیار ہیں۔
(۲) ہر ضلع کے صدر مقام سے قافلے کے رضا کاروں کی تعداد پانچ ہوگی اور ہر قصبے سے دو رضا کار قافلے میں شامل ہوں۔

(۳) عہدیداران مجلس عمل ختم نبوت اپنے یہاں سے روانہ ہونے والے رضا کاروں کے زور راہ کا انتظام کریں گے۔

(۴) ہر قسم کی ہنگامہ آرائی اور بد امنی سے بھر صورت اجتناب کریں۔ اور کسی قسم کے اشتعال سے مشتعل نہ ہوں۔ اس مقدس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے نظم و ضبط اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کریں۔

(۵) اپنے یہاں کے ہر ضلع و قصبہ کے تناسب سے قافلوں کو ترتیب دے لیں

ان ہدایات پر فوراً عمل کیا جائے میں کراچی جا رہا ہوں مزید ہدایات کا انتظار کیا جائے۔ (تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ از اللہ وسایا مولانا صفحہ ۲۲)

کراچی پہنچتے ہی آپ نے دیگر ساتھیوں کی معیت میں خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کی مگر نتیجہ وہی پرانا۔ کہ مطالبات ماننے سے ملک مشکلات میں گھبر جائے گا۔

کراچی پہنچ کر آپ نے تین روزہ ختم نبوت کانفرنس کی صدارت فرمائی۔ یہ کانفرنس ۲۳ فروری

۲۶ تا فروری جاری رہی۔ اور اس کانفرنس کے آخری اجلاس میں آپ کی اجازت سے سید عطا اللہ شاہ بخاری نے کل سے باقاعدہ تحریک شروع کرنے کا اعلان کر دیا۔

قائدین تحریک ختم نبوت ۲۷ فروری سے تحریک کے آغاز کا اعلان فرما کر دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت (کراچی) تشریف لے آئے بعض علماء کرام سو گئے اور بعض سونے کی تیاری کر رہے تھے کہ پولیس کی بھاری نفری آگئی اور علماء کرام کو گرفتار کر لیا۔ اس وقت دفتر میں آٹھ علماء کرام موجود تھے آٹھوں ہی گرفتار کر لیے گئے۔ ان میں مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری بھی شامل تھے۔ تمام علماء کرام کو سنٹرل جیل کراچی میں قید کر دیا گیا (تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء از مولانا اللہ وسایا صاحب صفحہ ۲۸۹)

جیل میں جاتے ہی تمام اسیران ختم نبوت نے مولانا ابوالحسنات قادری کی امامت میں نماز صبح ادا کی تو آپ نے پروردگار عالم کے حضور ان الفاظ میں دعا کی۔ ”اے رب العزت ہمارا کوئی جرم اس کے سوا نہیں کہ محمد ﷺ کی عزت باقی رہے۔ ہم رہیں یا نہ رہیں، مگر تیرے دنیا دار لوگوں نے ایوان سلطنت میں بیٹھ کر ہماری فرد جرم پر ہمارے باغی ہونے کی مہر ثبت کی ہے مگر تو دلوں کو جاننے والا ہے، ہماری لڑائی ہماری اپنی ذات یا اپنے کسی منصب کے لئے نہیں بلکہ تیرے ارشاد کی تعمیل میں ہے کہ ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا“ آپ کی دعا سے متاثر ہو کر تمام اسیران ختم نبوت کے دلوں میں طوفان اور آنکھوں میں آنسو اُڑ آئے۔ جیل کے اہلکار بھی ضبط نہ کر سکے۔“ (دفاع ختم نبوت صفحہ ۹۳ از طاہر رزاق صاحب)

مولانا ابوالحسنات قادری کے سوا باقی تمام لوگ پہلے کئی کئی بار جیل جا چکے تھے مگر آپ زندگی میں پہلی بار جیل گئے تھے مگر آپ نے جس صبر و استقامت کا مظاہرہ فرمایا اس کا نقشہ معروف احراری لیڈر ماسٹر مولانا تاج دین انصاری نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں

حضرت مولانا ابوالحسنات پہلی مرتبہ جیل گئے تھے ہمارے لئے تو جیل نئی بات نہ تھی مگر حضرت مولانا جیسا نازک اور نفیس مزاج بزرگ جس کی زیارت کو لوگ ترستے ہوں اور جن کے معتقدین کا ان کی دکان پر تانتا بندھا رہے جس طرف آنکھ اٹھائیں لوگ جھک جائیں آپ پہلی بار پکڑے گئے تھے اور سنگ آمد و سخت آمد کے مصداق قید بھی ایسی جس کی معیاد کی کچھ خبر نہیں۔ اس پر ستم یہ کہ مولانا ابوالحسنات

کا اکلوتا بیٹا۔ خلیل احمد قادری۔ جس کی والدہ بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئی۔ جسے حضرت مولانا صاحب نے بڑے لاڈ اور پیار سے پالا پوسا۔ اس جان سے پیارے بیٹے کا کچھ علم نہیں قید ہو گیا ہے یا شہید ہو گیا ہے۔ مولانا کے علاوہ ہم سب نے سرگوشیوں سے آپ کے صاحبزادے کا تذکرہ کیا اور بار بار آپس میں باتیں کیں کہ اگر خلیل احمد شہید ہو گئے یا لمبی قید میں چلے گئے تو مولانا کا کیا حال ہوگا؟ بے چارے پہلی بار جیل آئے ہیں۔ ان کی آزمائش بھی ایسی سخت ہوئی کہ عام انسان اسے برداشت نہ کر سکے۔ مگر ہم سب کو حیرانی ہوئی کہ آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا مولانا نے کبھی ذکر تک نہ کیا گھر سے بھی کوئی اطلاع نہ آئی۔ کچھ معلوم نہیں خلیل زندہ بھی ہے یا نہیں مگر مولانا ابوالحسناتؒ نہ گھبراتے ہیں نہ اکیلے میں بیٹھ کر آنسو بہاتے ہیں بلکہ ان کی زبان مبارک پر کبھی خلیل کا تذکرہ تک نہیں آیا۔ ہم سب اس صورت حال کو دیکھ کر حیران تھے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ بخاریؒ نے بارہا فرمایا کہ اگر میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آجاتا تو خدا جانے میرا کیا حال ہوتا۔ مگر بھی مولانا ابوالحسناتؒ تو بڑی کوہ وقار شخصیت ثابت ہوئے ہیں۔ مولانا ہم میں بیٹھ کر خوش گپیاں اڑاتے یا الگ بیٹھ کر تسبیح و وظائف میں مصروف رہتے۔ اللہ جسے حوصلہ اور صبر دے۔ جیل خانہ فخر و غرور کا مقام نہیں ہے۔ یہاں تو بڑے بڑوں کے پاؤں ڈگمگاتے ہیں۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس کے نام پر آج تک توڑتے رہے اس کے نام کی لاج رکھنے کا موقعہ آیا ہے تو گھبراتا کیا۔ نمک حرامی ٹھیک نہیں ہم نے مولانا کو صبر و استقامت کا پہاڑ اور شرافت و خلق کا بہترین نمونہ پایا۔ ایک روز ہم سب نے مشورہ کیا کہ ہم مولانا صاحب کو خلیل احمد سے متعلق صاف صاف بتادیں کہ وہ آزمائش میں ہیں ابھی کوئی معتبر اطلاع نہیں۔ خدا کرے وہ زندہ ہوں موت کا وقت مقرر ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی گفتگو کر کے ہم مولانا کو حوصلہ دلائیں۔

ان خیالات کو لئے ہم مولانا کی کوٹھڑی میں جا دھمکے اور باتوں باتوں میں لاہور کا تذکرہ کیا پھر خلیل صاحب کا ذکر بھی شروع کیا۔ سوچی سمجھی سکیم کے تحت جب ہم تسلی بخش الفاظ استعمال کر چکے تو مولانا موصوف نے نہایت آرام سے فرمایا کہ بھی بات تو ٹھیک ہے خلیل میرا اکلوتا بیٹا ہے مجھے اس سے بے پناہ محبت ہے اس لئے کہ میں ہی اس کا باپ ہوں اور میں ہی اس کی ماں بھی۔ یوں بھی اولاد سے

کے محبت نہیں ہوتی مگر اس مقام پر صبر کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے پھر اس نیک کام میں اگر خلیل قربان بھی ہو جاتا ہے تو یہ سعادت دارین ہے۔ وہ بھی تو ماؤں کے لخت جگر تھے جو سرکار مدینہ ﷺ کی ناموس پر قربان ہوئے ان میں میرا خلیل بھی شامل ہو جائے تو میرے لئے فخر کی بات ہے۔ اللہ میری حقیر قربانی کو قبول فرمائے۔ ع

سر عشق از عالم ارحام نیست

او ز سام و حام روم و شام نیست

مولانا کا صبر اور بے نظیر حوصلہ دیکھ کر ہمارے حوصلے دو گنے ہو گئے حقیقت تو یہ ہے کہ اس روز کے بعد ہم سب آپ کی اور زیادہ عزت کرنے لگے۔ مولانا نے نہایت صبر و استقامت سے جیل کاٹی آپ کے دل میں دھرا جذبہ موجزن تھا۔ آپ عالم دین بھی تھے اور سید زادے بھی آپ آخردم تک صحیح مقام پر ڈٹے رہے اور آپ کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی۔ اللہ جسے توفیق دے۔ (تحریک ختم نبوة ۱۹۵۳-صفحہ ۲۹۳-۲۹۵ از مولانا اللہ وسایا)

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں آپ کے مجاہدانہ کردار کی تصویر کشی کرتے ہوئے پیرزادہ اقبال

احمد فاروقی رقمطراز ہیں

”مولانا ابوالحسنات کو جیل میں خبر دی گئی کہ ان کے اکلوتے جوان سال صاحبزادے خلیل احمد کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا ہے۔ جیل میں بوڑھے باپ پر کیا گزری ہوگی یہ کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی ہم لکھ سکتے ہیں۔ اس کیفیت کو وہ محسوس کر سکتے ہیں جو ان حالات میں کسی اصول کی خاطر نبرد آزما ہوتے ہیں“

علامہ مرحوم نے سیدنا یعقوب علیہ السلام کی سنت میں صبر جمیل کا مظاہرہ کر کے اپنے کردار کو ہمارے لئے مشعل راہ بنا دیا۔

مولانا نے ”ملزم“ کی حیثیت سے جس بے باکی سے اپنے نصب العین کی وضاحت کی اس کے لئے ہائی کورٹ کا مفصل فیصلہ دیکھئے جسے سابق چیف جسٹس محمد منیر نے لکھا اور منیر انکوائری رپورٹ کے نام سے سامنے آیا۔ جیل کی بے جا سختیوں موسم کی شدت اور ناقص غذا نے پس دیوار زنداں آپ کی

صحت پر بہت ناگوار اثر ڈالا۔ آپ مستقل مریض بن کر جیل سے باہر آئے اور پوری کوشش و علاج کے باوجود آپ کی صحت سنبھل نہ سکی۔ اسی بیماری نے طول پکڑا تو موت کو بہانہ مل گیا۔ آج اصولوں کو مصلحت وقت کی نذر کرنے والے جب مولانا کی سیاسی اور دینی خدمات پر تنقید کرتے ہیں تو غالب یاد آ جاتا ہے

مبیاورید گر ایں جا بود زبان دانے
غریب چہر سخن ہائے گفتنی دارد

جیل سے مستقل بیمار بن کر نکلنے والا سینوں کا یہ عظیم زعیم رہائی کے ایک سال بعد ہی ۲ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ جمعہ ساڑھے بارہ بجے ۱۹۶۱ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملا رحلت سے چند لمحات بیشتر یہ شعر

زبان پر تھا

کائناتِ غم بس اتنی مریض غم کی تھی

اک بچگی میں طلسم آرزو باطل ہوا

(تذکرہ علمائے اہلسنت وجماعت لاہور صفحہ ۳۳۵ از پیرزادہ اقبال احمد فاروقی)

سید عطاء اللہ شاہ بخاری آپ کے عزم و حوصلے کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”خیر تو ذکر سکھر جیل کا ہو رہا تھا۔ میری تو بھلی پوچھیے، میں تو سرد گرم چشیدہ تھا اور پوری زندگی

جیل اور ریل کی نظر ہو گئی۔ یہ بڑے میاں (مولانا ابوالحسنات) بے چارے اس وادی پر خار میں پہلی مرتبہ

قدم رنجہ ہوئے تھے۔ مجھے ان کا بڑا احساس رہا۔ لیکن ماشاء اللہ ان کو تو میں نے اپنے سب ساتھیوں سے

صابر و شاکر پایا۔“ (حیات امیر شریعت صفحہ ۶۷۳ از جانباز مرزا)

مولانا خلیل احمد قادری صاحب فرماتے ہیں۔

”ایک دن میں نے والد محترم (سید ابوالحسنات شاہ) کو سکھر جیل کے پتہ پر اپنی خیریت سے

متعلق خط لکھا۔ پندرہ دن بعد والد صاحب کی طرف سے جواب موصول ہو گیا جس میں آپ نے لکھا

مجھے یہ جان کر بے حد افسوس ہوا کہ تم رتبہ شہادت حاصل نہ کر سکتے لیکن یہ جان کر بہر حال دل کو اطمینان

ہوا کہ تم ناموس مصطفیٰ کی خاطر لڑ رہے ہو۔“ خط کے آخر میں لکھا تھا کاش اللہ تعالیٰ میرے بیٹے کی قربانی

قبول کر لیتا۔ (جنہیں ختم نبوت سے عشق تھا۔ صفحہ ۱۱۳۔ از طاہر رزاق)

جناب مظفر علی صاحب شمسی بیان کرتے ہیں کہ:

”میں اس وقت مجلس عمل کا سیکرٹری تھا۔ ہر جلسہ میں مجھے موصوف کے قریب رہنے کا موقع ملا۔ میں ان سے بہت متاثر تھا۔ انہیں ہر اسٹیج پر باعمل پایا۔ خواجہ ناظم الدین مرحوم وزیر اعظم سے ہر ملاقات میں مولانا کے ہمراہ رہا۔ جس شان سے موصوف نے قوم کے مطالبات پیش کئے، انہیں کا حصہ تھا۔ ہر ملاقات کے بعد خواجہ صاحب اکثر حضرت مولانا کے پیچھے نماز ادا کرتے، ان کی شخصیت اور علم و فضل کا اقرار کرتے۔ مولانا ہر ملاقات میں ان سے ایک ہی خواہش کا اظہار کرتے کہ شمع رسالت ﷺ کے پروانوں کے مطالبات تسلیم کر لیں۔ اس سلسلہ میں مولانا نے پورے ملک کا دورہ کیا اور ختم نبوت کے سلسلے میں لاکھوں مسلمانوں سے خطاب کیا۔ میں حیران تھا کہ ایک گوشہ نشین عالم کس طرح اس مسئلہ کے لئے بے قرار ہے۔ میں نے اکثر موصوف کو مسلمانوں نے لئے رو کر دعائیں مانگتے دیکھا۔“

جس ہمت اور اولوالعزمی سے علامہ ابوالحسنات نے قید میں دن گزارے، اس کی مثال ملنی بہت مشکل ہے۔ ناز و نعم میں پلا ہوا انسان لاکھوں انسانوں کے دلوں کا بادشاہ، علم و عمل کا شہنشاہ، مگر محبت رسول نے امتحان چاہا تو بے دریغ قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس شان سے قید کاٹی کہ مثال بن گیا۔ کیا مجال، جو کسی سے شکایت کی یا کسی سے شکوہ کیا ہو یا اپنے مشن سے دستبرداری کا ارادہ کیا ہو۔ جیل میں آپ کا بہترین شغل قرآن کریم کی تفسیر لکھنا تھا، کئی برس قید میں کانٹے اور بہت شدت کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ جن کے باعث آپ کی زندگی پر بہت برا اثر پڑا۔

(ماہنامہ رضائے حبیب علمائے اہلسنت نمبر صفحہ ۲۱)

محمد بوٹا اثر انصاری فیض پوری

(پ: ۱۹۴۳)

محمد بوٹا اثر انصاری فیض پوری کا تعلق ایک معزز انصاری گھرانے سے ہے۔ انہوں نے ۱۹۴۳ء میں حکیم محمد ابراہیم کے گھر جنم لیا۔ اور اسی گاؤں کے پرائمری سکول میں پنجم تک تعلیم پائی۔ والدہ کی وفات پر تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ اور بچپن ہی سے محنت مزدوری کر کے اپنے بہن بھائیوں کی پرورش کرنے لگے۔ جن دنوں مرزائیوں کے پمفلٹ اور کتابچے شائع ہو رہے تھے۔ جب ایک طرف عیسائی مبلغ مصروف کار تھے تو دوسری طرف مرزائی۔ اثر انصاری اپنے دادامیاں اللہ دتہ کے پاس بیٹھ کر لوگوں کو ردِ مرزا ایت پر شائع ہونے والے کتابچے پڑھ کر سنا تے۔ اور چراغِ دین جونیکے والے کے ردِ مرزا ایت پر قصے بھی محفل میں پڑھتے۔ ان کو بچپن سے شعر لکھنے کا بھی شوق ہے۔ اس لئے انہوں نے بچپن ہی میں ایک قصہ لکھ لیا۔ اور کئی محفلوں میں پڑھ کر داد پائی اور آج علم و ادب میں ان کا مقام بہت اونچا ہے۔ ان کے بچپن کے کچھ شعر ملاحظہ کریں۔

پہلاں رب داناں دھیاواں	نبی تے فیرو رو پوچاواں
صدقے آخری نبی توں جاواں	جیہڑا چھیکر اُتے آیا اے
رب آخری نبی بنایا اے	رب آخری نبی بنایا اے
گھر عبداللہ احمد جایا	مکے وچ تشریف لیا یا
آمنہ بی بی گود کھڈایا	رب عرشاں تے بلایا اے
جیہڑا چھیکر اُتے آیا اے	رب آخری نبی بنایا اے
جدوں خدا نے جگ سجایا	اودوں نبی دانور بنایا
لے کے آدم تھیں عیسیٰ تک	قطب ستارے وچ نکایا
جیہڑا چھیکر اُتے آیا اے	رب آخری نبی بنایا اے

رب نے آکھیا سن محبوباً
 میرا ہے اک منصوبہ
 توں ہیں دین دُنی دا صوبہ
 تیرا عرش فرش تے سایا اے
 جیہڑا چھیکر اُتے آیا اے
 لے کے ازل توں ابد اں تا کیں
 رب آخری نبی بنایا اے
 توں وی میتھوں دکھرانا ہیں
 جیہڑا چھیکر اُتے آیا اے
 کنیاں جھوٹے دعوے کیتے
 رب آخری نبی بنایا اے
 اوہناں دے اج بکھ نے سیتے
 جیہڑا چھیکر اُتے آیا اے
 اج مسیلمہ کتھے گیا
 دوزخ دے وچ سڑا پیا
 جیہڑا چھیکر اُتے آیا اے
 قادیان دے وچ مرزا جایا
 شیطان نے غلبہ پایا اے
 جیہڑا چھیکر اُتے آیا اے
 نہ ثبوت نہ کوئی دلیلاں
 رب آخری نبی بنایا اے
 نبی بن لئی کرداھیلاں
 جیہڑا چھیکر اُتے آیا اے
 وچ ٹٹی دے موت سی آئی
 میں نہیں کلا کہے خدائی
 جیہڑا چھیکر اُتے آیا اے
 پیر جماعت علی فرمایا اے
 کل ہووے گا صفن صفایا
 رب ایس دا بھٹھہ بٹھایا اے
 رب آخری نبی بنایا اے
 جے توں جھوٹا بن کے آیا
 ہو یا جو فرمایا اے
 رب آخری نبی بنایا اے

حضرت علامہ محمد حسن فیضی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۵۹ء--۱۹۰۱ء)

حضرت علامہ ابوالفیض محمد حسن فیضی ابن نور الحسن موضع بھیس ضلع چکوال میں ۱۲۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا قاضی عبدالحکیم اور علاقہ کے علماء کرام سے حاصل کرنے کے بعد لاہور میں حافظ غلام احمد حافظ آبادی اور حضرت مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر درس نظامی کی تکمیل کی۔ دہلی اور سہارنپور کے علماء کرام سے بھی استفادہ کیا۔

آپ نابغہ عصر اور عبقری شخصیت کے حامل تھے۔ کئی علوم میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ عربی ادب میں اتنا ملکہ تھا کہ باید و شاید غیر منقوط عربی نظم و نثر لکھنے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ اور اسی وجہ سے فیضی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ سورۃ فاتحہ کی عربی میں ایک غیر منقوط تفسیر لکھی تھی جو طبع نہ ہو سکی۔ ”القرائن الفیضیہ فی القرائن والوصیہ“ کے نام سے عربی میں علم میراث پر ایک رسالہ لکھا۔ اس کے علاوہ راولپنڈی میں مدرسہ اسلامیہ میں تدریس کے زمانہ میں ”روض الربی فی حقیقۃ الربو“ کے نام سے اردو میں ایک رسالہ لکھا جس میں دارالحدیث میں مسلمانوں کے لئے سود کے احکام وغیرہ لکھے ہیں۔

مولانا فیضی زمانہ طالب علمی میں حضرت مجدد گولڑوی کے علم و فضل اور حقیقت و عرفان کی شہرت و عظمت سن چکے تھے۔ قیام راولپنڈی کے زمانہ میں گولڑہ شریف مسلسل حاضر ہوتے رہے جس سے حضرت مجدد گولڑوی کی صحبتوں اور مجلسوں سے براہ راست استفادہ کا موقع ملا۔ حضرت مجدد گولڑوی کا یہ دور علوم اسلامیہ کی تدریس کا تھا۔ آپ اس وقت تدریس و تقریر کے ذریعہ اسلام دشمن طاقتوں، نیچریت، قادیانیت، وہابیت اور منکرین حدیث وغیرہم کے افکار و نظریات کے نتائج و عواقب سے علماء کرام کو باخبر کر رہے تھے۔ مولانا فیضی نے مجدد گولڑوی کے فضل و کمال اور ان کی حقانی و ربانی قوتوں کو بڑے قریب سے دیکھا۔ اور رد قادیانیت کے سلسلہ میں باقاعدہ آپ سے تیاری کی۔ علماء کرام کی وہ جماعت جس کا کام اسلام پر اندرونی اور بیرونی حملوں کا مقابلہ کرنا تھا مولانا فیضی اس میں شامل ہو گئے۔

اسلامی عقیدہ کے تحفظ کی خاطر باقاعدہ میدان عمل میں آگئے اور قادیانیت (جو اس دور کی سب سے بڑی اسلام دشمن تحریک تھی) آکاش بیل کی طرح شجر اسلام کو پڑ مردہ کر رہی تھی) کی طاقت و قوت مٹانے اور بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے معرکہ کارزار میں اتر آئے۔ ۱۳۱۵ھ ہی میں حضرت مولانا غلام احمد حافظ آبادی صدر المدرسین جامعہ نعمانیہ لاہور کی خواہش اور حضرت مجدد گوڑوی کی اجازت سے مدرسہ نعمانیہ میں تدریس کے لئے لاہور جلوہ افروز ہوئے۔ ایک طرف آپ نے علوم اسلامیہ کی تدریس اس شان سے کی کہ علماء لاہور تحسین و آفرین کہہ اٹھے تو دوسری طرف مدعی نبوت مرزا قادیانی کا تعاقب شروع کر دیا۔ لاہور میں مقیم قادیانیوں کا ناطقہ بند کرنے کے بعد بعض اکابر کے مشورے سے براہ راست گفتگو کے لئے ۱۳ جنوری ۱۸۹۹ء کو سیالکوٹ جا پہنچے۔ مولانا فیضی نے بعد میں سیالکوٹ والی گفتگو کو مفت روزہ ”سراج الاخبار“ جہلم کے ۹ مئی ۱۸۹۹ء کے شمارہ میں شائع کرایا۔ جو درج ذیل ہے:

”مرزا صاحب کی حالت پر نہایت ہی افسوس آتا ہے کہ وہ باوجودیکہ لیاقت علمی بھی جیسا کہ چاہئے نہیں رکھتے۔ کس قدر قرآن و حدیث کا بگاڑ کر رہے ہیں! سیالکوٹ کے کئی ایک احباب جانتے ہوں گے کہ ۱۳ فروری ۱۸۹۹ء کو جب یہ خاکسار سیالکوٹ میں مسجد حکیم حسام الدین صاحب میں مرزا قادیانی سے ملا تو ایک قصیدہ عربی بے نقط منظومہ خود مرزا قادیانی کو ہدیہ کیا جس کا ترجمہ نہیں کیا ہوا تھا اس لئے کہ مرزا قادیانی خود بھی عالم ہے اور ان کے حواری بھی جو اس وقت حاضر محفل تھے ماشاء اللہ فاضل ہیں اور قصیدہ میں ایسا غریب لفظ بھی کوئی نہیں تھا اور پھر اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ کو الہام ہوتا ہے تو مجھے آپ کی تصدیق الہام کے لئے یہی کافی ہے کہ اس قصیدہ کا مطلب حاضرین مجلس کو واضح سنادیں۔ مزید برآں مسائل مستحدہ مرزا قادیانی کی نسبت استفسار تھا۔ مرزا قادیانی اسکو بہت دیر تک چپکے دیکھتا رہا۔ لیکن اسے اس کی عبارت بھی نہ آئی باوجودیکہ عربی میں خوش خط لکھا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے ایک فاضل حواری کو دیا۔ جو بعد ملاحظہ فرمانے لگے۔ اس کا تو ہم کو پتہ نہیں ملتا۔ آپ ترجمہ کر کے دیں۔ خاکسار نے واپس لے لیا۔ پھر زبان سے عرض کیا تو مرزا قادیانی کلمہ شہادت اور آمنت باللہ الخ مجھے سناتے رہے کہ میں نبی نہیں نہ رسول ہوں۔ نہ میں نے یہ دعویٰ کیا۔ فرشتوں کو لیلۃ القدر کو معراج کو احادیث کو قرآن کریم کو ماننا ہوں۔ مزید برآں عقائد اسلامیہ کا اقرار کرتا رہا۔ دوسرے دن حضرت مسیح

کی وفات کی نسبت دلیل مانگی تو آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي - اور اِنِّي مُتَوَفِّيكَ پڑھ سنائی معنی کے وقت علم عربی سے تجرد ظاہر ہوا۔ یہ پوچھا گیا کہ آپ کیوں مثیل مسیح موعود ہیں آپ سے بہتر آج کل اور پہلے بھی کئی ایک ولی عالم گذرے ہیں۔ وہ کیوں نہیں اور آپ کیوں ہیں۔ تو فرمایا میں گندم گوں ہوں اور میرے بال سیدھے ہیں۔ جیسا کہ مسیح اللہ کا حلیہ ہے۔ افسوس اس لیاقت پر یہ غل! مرزا صاحب وقت ہے توبہ کر لیجئے اخیر پر میں مرزا قادیانی کو اشتہار دیتا ہوں کہ اگر وہ اپنے عقائد میں سچے ہوں تو آئیں صدر جہلم میں کسی مقام پر مجھ سے مباحثہ کریں۔ میں حاضر ہوں۔ تحریری کریں یا تقریری اگر تحریر ہو تو نثر میں کریں یا نظم میں عربی ہو یا فارسی یا اردو۔ آئیے۔ سنیے اور سنائیے۔

راقم ابوالفیض محمد حسن فیضی حنفی ساکن بھین ضلع جہلم۔

آپ نے جو قصیدہ مہملہ مرزا قادیانی کے سامنے پیش کیا وہ درج ذیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا

لمالك ملكه حمد سلام	علیٰ رسولہ علم الکمال
محمودا احمد و محمد و	طہور مع اولاد و آل
اما مملوك احمد اہل علم	والہام و ہلال السوال
لودك كم مدی همع الدموع	وطأ طأ داس اعلام عوال
علیٰ مر المدی و كع الموده	وحمل اہلہا ادھے الحمال
هواك الدهر ما دار السماً	وراهك اہلہ روم العسال
اطاعك عالم طوعا و سهلا	راؤك معلما سهل المال
محامدك الا واسع هم امالح	وطورا كلہا ملعسل حال
هداك الله مسلك اہل ود	واعلم كل اسرار الكمال
وكم مرأسعوا ورا و لحلاك	وكم واہ و ك معدو موالوصال
وكم مدحوك لما ہم اطاعوا	الی دعوك الوالا كدال

حکوالملائح الکلم المدلل مکارمک المہا لسمہا معال
 رسائل حرروا سطرورا حلاک وعدوک المدعی اولی اوال
 وہم علموک موعود الرسول ولسہم مالک مولی الموال
 امام الدھر رسول الالہ ومصلح اہل عصر ملمحال
 دعوا اعلی الدعاء الالہموا روالموعود مسعود المسال
 رسائلک الرسائل للمہدء لہم ولہمہم مراک سال
 کلامک للدواہ لہم دواء سروروع مائلروع صال
 وما ارواحہم الا وداک علی اسمک ورد کل کل حال
 وہم رھط اولو ورع وحلم عمائد اہل کرم و الکحال
 وکم عادولما والوک اصل وکم لاموک ملؤم الملال
 زاوا الہامک الولع الموسوس وعدوک الملح لطمع مال
 وسموک الماول للصرائح وراد مسلم الرھط الاوال
 وھاکم لہوا راء العدول الی کم لطم داماء المحال
 عدوک مرسلی المسعود سهل مواردہ امام اولی المحال
 ومحمود عطاء العالم اسما ہمام احل امر و العدال
 اوائلہ الکرام امام سلم مکارسہم کا اعداد الرمال
 علوسہم کامطار الدھور و علم الدھر طراً کالطلال
 درامک دارہم کحل المدارک و کحل سوالہم دک الہلال
 عصاسہم الحسام لکل عدو حساسہم السلام لکل حال
 مدعی اعمالہ اعلام علم و اعلاء الہدی وسط الصلال
 مسہد للاولاء العلوم ومعط اہلہا اعداد مال
 اسواللہ اسئلک المسائل اسئل ہلم سل اولی السوال

الاهل صارد عونك الرسال
ام اصطا دوامعادوك هواء
وما املا كه ملك العلوم
وهل كلم الرسول اصول علم
وهل كلم الهدى مدلولها ما
ام اسرار و مسلكه محمى
كلام الله هل محوى العلوم
كما ادراك ام لا علم كلا

كموحى الله معصوم المحال
املهم الهوى سوال الملل
و ملهم واحد و هدى كسال
كمسطور الاله على الاصال
درى العلماء ملمع الدلال
و ما اطلع العوام على المال
ادراها الاله لكل وال
سوى العلام محمود و عال

قصیدہ کے آخر میں آپ نے تحریر فرمایا! اب ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا قادیانی اس قصیدہ کا جواب اس صنعت کے عربی قصیدہ کے ذریعے ایک ماہ تک لکھنے کی طاقت رکھتا ہے یا نہیں۔ ہر دو قصائد کا موازنہ پبلک خود کر لے گی۔ لیکن تہذیب و متانت سے جواب دیا جائے۔

یہ غیر منقوٹہ قصیدہ ۳۲ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس دور میں روسیدار مقدمہ قادیانی ہفت روزہ سراج الاخبار جہلم اور انجمن نعمانیہ لاہور کے ماہانہ رسالہ میں فروری ۱۸۹۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ مولانا کرم الدین دبیر اس قصیدہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

”جس کو شائع ہوئے تقریباً ۶ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اب تک مرزا قادیانی یا ان کے کسی حواری کو جواب لکھنے کی طاقت نہ ہوئی اور نہ اس کیفیت کی جو اخبارات میں شائع ہوئی کسی مرزائی نے تردید لکھی۔“

مرزا قادیانی نے اعلیٰ حضرت مجدد گوڑوی قدس سرہ کے ساتھ مناظرہ کا اشتہار شائع کیا اور آپ نے اسے قبول فرمایا۔ چنانچہ ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء میں اعلان مناظرہ ہو گیا تو مولانا فیضی نے کہا کہ حضرت پیر صاحب کی ذات گرامی تو بہت بلند ہے۔ آپ اپنے شرائط کے مطابق مجھ سے مناظرہ کر لیں تو حقیقت واضح ہو جائے گی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ۱۳ اگست ۱۹۰۰ء کو ہفت روزہ سراج الاخبار جہلم میں آپ نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کرایا۔

مکرمی مرزا صاحب زید اشفاقہ

والسلام علی من اتبع الهدی آپ ۲۰ اور ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء کے مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف اور دیگر علماء کو یہ دعوت کرتے ہیں کہ لاہور میں آ کر میرے ساتھ پابندی شرائط مخصوصہ فصیح و بلیغ عربی میں قرآن کریم کی چالیس آیات یا اس قدر سورہ کی تفسیر لکھیں کہ فریقین کو ۷ گھنٹہ سے زیادہ وقت نہ ملے اور ہر دو تحریرات ۲۰ ورق سے کم نہ ہوں۔ آپ تجویز کرتے ہیں کہ ان ہر دو تحریرات کو تین بے تعلق علماء کے حوالے کر دیا جائے گا جس تحریر کو وہ حلقہ فصیح و بلیغ کہہ دیں گے وہ فریق سچا اور دوسرا جھوٹا ہوگا۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر دو فریق کی تحریرات کے اندر جس قدر غلطیاں نکلیں گی وہ سہو و نسیان پر محمول نہیں کیجاویں گی۔ بلکہ واقعی اس فریق کی نادانی اور جہالت پر محمول کی جاویں گی۔ مجھے آپ سے اس معیار صداقت پر بعض شکوک ہیں جن کو میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

(۱) کسی عربی عبارت کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ اس کے مقابلہ میں کوئی شخص اس انداز فصاحت کی دوسری عبارت معارضہ کے طور پر نہیں لکھ سکتا آج سے پہلے صرف قرآنی عبارت کا خاصہ تھا۔ بشر کا کلام اعجاز کے حد پر نہیں پہنچ سکتا۔ حتیٰ کہ فصیح العرب حضرت سید الرسل ﷺ نے بھی اپنے کلام کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کیا۔ اور نہ معارضہ کے لئے فصحائے عرب کو بلایا۔ اگر مان لیا جائے کہ بجز کلام خدا کے دوسرے کلام بھی اعجاز تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر فرمائیے کہ الہی کلام اور بندہ کے کلام میں ما بہ الامتیاز کیا رہا۔

(۲) ہزار با عربی کے غیر مسلم اعلیٰ درجہ کے فاضل اور منشی گذرے ہیں۔ ان کی تصانیف عربی میں موجود ہیں۔ اور ان کے عربی قصائد اور نثر اعلیٰ درجہ کے فصیح اور بلیغ مانے گئے ہیں کئی ایک غیر مسلم عالم قرآن کریم کے حافظ گزرے ہیں۔ بعض غیر مسلم شاعروں کے قصائد کے نمونے میں نے اپنے مضمون میں دیئے ہیں جو ۱۸۹۹ء کے رسالہ انجمن نعمانیہ میں پھر اخبار چودہویں صدی کے کئی پرچوں میں چھپا ہے۔

(۳) مجھے سمجھ نہیں آئی کہ چالیس علماء کی کیا خصوصیت ہے۔ اگر یہ الہامی شرط ہے تو خیر ورنہ ایک عالم بھی آپ کے لئے کافی ہے اور یوں تو چالیس علماء بھی بالفرض اگر آپ کے مقابلہ میں ہاں جائیں تو دنیا کے

علماء آپ کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کریں گے۔ کیونکہ مجددیت رسالت کا معیار عربی نویسی کسی طرح بھی تسلیم نہیں ہو سکے گی۔

(۴) تعجب کی بات ہے کہ آپ اپنے اس اشتہار کے ضمیمہ کے ص ۱۴ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مقابلہ کے وقت پر جو عربی تفسیریں لکھی جاویں گی ان میں کوئی غلطی سہو و نسیان پر حمل نہیں کی جاوے گی۔ مگر افسوس کہ آپ خود اسی اشتہار میں لفظ محسنات کو جو قرآن کریم میں مذکور ہونے کے علاوہ ایک عمومی اور مشہور لفظ ہے۔ دو دفعہ محسنات لکھتے ہیں۔ س اور ص کی تمیز نہ ہونا اتنے بڑے دعویٰ دار عربیت کے حق میں سخت ذلت کا نشان ہے۔ یہ لفظ اگر ایک دفعہ غلط لکھا ہوتا تو شاید سہو پر حمل کیا جاسکتا مگر دو دفعہ غلط لکھا اور پھر شرط یہ ٹھہراتے ہیں کہ دوسروں کی غلطیوں کو سہو اور نسیان پر حمل نہیں کیا جائے گا۔

اخیر میں میرا التماس ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہر ایک مناسب شرط پر عربی نظم و نثر لکھنے کو تیار ہوں۔ تاریخ کا تقرر آپ ہی کر دیجئے اور مجھے اطلاع کر دیجئے کہ میں آپ کے سامنے اپنے آپ کو حاضر کروں۔ مگر یاد رہے کہ کسی طرح بھی عربی نویسی کو مجددیت یا نبوت کا معیار تسلیم نہیں کیا گیا۔

والسلام علی من اتبع الهدی

راقم محمد حسن حنفی۔ بھیں ضلع جہلم تحصیل چکوال

مدرس دارالعلوم نعمانیہ لاہور ۵ اگست ۱۹۰۰ء

مرزا قادیانی نے اس چیلنج کا کوئی جواب نہ دیا اور حسب دستور چشم بندی میں عافیت سمجھی۔

جب اعلیٰ حضرت مجدد گولڑوی نے مرزا قادیانی سے مناظرہ کے لئے لاہور کو اپنے قدم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ تو مولانا فیضی ریلوے اسٹیشن پر آپ کے استقبال کے لئے موجود تھے اور ۲۹ اگست تک آپ کی معیت میں رہے۔ ۲۷ اگست کو بادشاہی مسجد لاہور میں پورے ہندوستان سے آئے ہوئے مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ ہوا۔ جس سے مولانا محمد علی، مولانا عبدالجبار غزنوی، خلیفہ تاج الدین احمد، مولانا ابوسعید محمد عبدالخالق سجادہ نشین جہاں خیل، مولانا ثناء اللہ امرتسری، پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری، مولانا عبداللہ ٹونگی اور مولانا احمد الدین نے خطاب فرمایا۔ اس عظیم الشان جلسہ میں مولانا فیضی نے مفصل تقریر کے علاوہ جلسہ کے انعقاد اور مباحثہ کی کارروائی کے بارے میں ایک تحریری

مضمون پڑھا۔ جس کا ایک حصہ ”جلسہ اسلامیہ لاہور کی روئیداد“ میں شائع ہوا جو درج ذیل ہے:

حضرات ناظرین! مرزا غلام قادیانی نے ایک مطبوعہ چٹھی بصورت اشتہار مطبوعہ ۲۰

جولائی ۱۹۰۰ء مشہتر ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء بذریعہ رجسٹری مولانا المعظم و مطاعنا المکترم عالیجناب حضرت خواجہ

سید مہر علی شاہ صاحب چشتی سجادہ نشین گولڑا شریف ضلع راولپنڈی کے نام نامی پر بشمولیت دیگر علماء کرام

و مشائخ عظام ایڈ ہم اللہ تعالیٰ و کثر ہم کے بھیجی جس کے پہلے دو صفحوں پر مرزا نے اپنی عادت کے مطابق

اپنے کو مرسل مامور من اللہ اور پھر مجدد مہدی مسیح ہونے کے ثبوت میں بخیاں مجبوظ خود دلائل پیش کئے۔ اور

عالیجناب حضرت پیر صاحب موصوف اور دیگر علماء و فضلاء اسلام کو لکھا کہ میرے دعادی کی تردید میں کوئی

دلیل اگر آپ کے پاس ہے تو کیوں پیش نہیں کرتے ہو۔ اس وقت مفاہد بڑھ گئے ہیں۔ اس لئے مجھے

مصلح کے عہدہ میں بھیجا گیا ہے۔ اخیر پر آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ پیر صاحب ضد میں باز نہیں آتے

یعنی نہ وہ میرے دعادی کی تردید میں کوئی دلیل پیش کرتے ہیں اور نہ مجھے مسیح وغیرہ مانتے ہیں۔ تو اس

ضدیت کے رفع کرنے کے واسطے ایک طریق فیصلہ کی دعوت کرتا ہوں اور وہ طریق یہ ہے کہ پیر صاحب

میرے مقابلہ پر دارالسلطنت پنجاب (لاہور) میں چالیس آیات قرآنی کی عربی تفسیر لکھیں اور ان

چالیس آیات قرآنی کا انتخاب بذریعہ قرعہ اندازی کر لیا جائے۔ یہ تفسیر فصیح عربی میں سات گھنٹوں کے

اندر بیس ورق پر لکھی جاوے۔ اور میں (مرزا) بھی ان ہی شرائط سے چالیس آیات کی تفسیر لکھوں گا۔ ہر

دو تفسیریں تین اعلیٰ علماء کی خدمت میں فیصلہ کے لئے پیش کی جائیں کہ جو فریقین سے ارادت و عقیدت

کا ربط و تعلق نہ رکھتے ہوں۔ ان علماء سے فیصلہ سنانے سے پہلے وہ مغلف حلف لیا جاوے جو قذف

محسنت کے بارہ میں مذکور ہے اس حلف کے بعد جو فیصلہ ہر سہ علماء فریقین کی تفسیروں کے بابت صادر

فرمادیں۔ وہ فریقین کو منظور ہوگا۔ ان ہر سہ علماء کو جو حکم تجویز ہوئے فریقین کی تفسیروں کے متعلق یہ فیصلہ

کرنا ہوگا کہ قرآن کریم کے معارف اور نکات کس کی تفسیر میں صحیح اور زیادہ ہیں اور عربی عبارت کس کی

بامحاورہ اور فصیح ہے۔ اگر پیر صاحب خود یہ مقابلہ نہ کریں تو اور چالیس علماء مل کر مقابلہ پر شرائط مذکور سے

تفسیر لکھیں تو ان کی چالیس تفسیریں اور میری ایک تفسیر اس طرح تین علماء کو فیصلہ کے لئے دی جائیں

گی۔ الخ۔ مرزا کی یہ چٹھی تو بارہ صفحہ کی ہے۔ مگر اس کی دل خراش گالیاں اور ناجائز نامشروع اور بیہودہ

بدظنیوں کو حذف کر دیا جائے تو اس کا تمام ما حاصل اور خلاصہ صرف یہی ہے جو اوپر کی چند سطروں میں لکھا گیا ہے۔ ہمیں نہ الہام کا دعویٰ ہے نہ وحی کا مگر یہ قیاس غالب ہے کہ اس خط میں حضرت پیر صاحب کو علی الخصوص مخاطب کرنا دو وجہ کا تھا۔

اول:- یہ کہ صوفیائے کرام کا طریق و مشرب مرنج و مربخان کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ گوشہ تنہائی میں عمر بسر کرنا غنیمت سمجھتے ہیں۔ کسی کی دل شکنی انہیں منظور نہیں ہوتی پھر حضرت صاحب ممدوح کے دینی مشاغل و مصروفیت سے بھی یہی قیاس ہو سکتا ہے کہ آپ عزلت نشینی اور للہی مصروفیت کو ہر طرح سے ترجیح دیں گے۔ اور اس طریق فیصلہ کو جو حقیقتاً مرزا کے دعادی کی تصدیق کا فیصلہ نہیں تھا پسند نہیں فرمائیں گے۔ جو ظاہر بینوں کی نظروں میں مرزا کی فتیابی کا نشان ہوگا۔ نیز دوسرے علماء کرام کے ساتھ تحریری معارضہ کو چالیس والی شرط کے ساتھ گائٹھنا یہی راز رکھتا تھا۔ کوئی بتا سکتا ہے کہ ذرا چالیس سے کم علماء کے ساتھ کیوں ایسا تحریری مباحثہ نہیں کرتا۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس کو جھوٹی شیخی اور بیہودہ تعلی دکھانا مطلوب تھی۔ ورنہ اگر صرف تصدیق دعویٰ اور ہدایت علماء مقصود ہوتی تو اس خاکسار نے جو ۱۱۳ اگست ۱۹۰۰ء کو ”سراج الاخبار“ جہلم میں بہ تسلیم جملہ شرائط مرزا کو میدان مباحثہ میں لایا تھا۔ اور بعد ازاں خط بھی ارسال کیا تھا اور صاف لکھا تھا کہ مجھے بلا کم و کاست آپ کی جملہ شرائط منظور ہیں۔ آئیے جس صورت پر چاہیں مقابلہ کر لیجئے۔ اس کے جواب میں مرزا جی ایسے دم بخود ہوئے کہ اب تک کروٹ نہیں بدلے۔ وہ مضمون ہی اڑا دیا۔ اور وہ خط ہی غائب کر دیا۔

دوم:- یہ کہ مرزا قادیانی حسب عادت مستمرہ خود (اس لئے کہ فقط اس کو اپنی شہرت ہی مطلوب ہے) ہمیشہ نامی اشخاص کے مقابلہ میں مباحثہ کا اشتہار دے دیا کرتا ہے۔ اس طور پر دوسرے اشخاص کے مصارف، اپنی شہرت کروا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس چٹھی میں بھی حضرت موصوف سے استدعا کرتا ہے کہ وہ جوابی چٹھی کی پانچ ہزار کاپی چھپوا کر اس مباحثہ کی شہرت ملکوں میں کرا دیں۔ اور یہ کاپیاں مختلف اطراف میں بھجوا دیں۔

لیکن فخر الاصفیاء والعلماء حضرت پیر صاحب نے ایسے نازک وقت میں کہ اسلام کو ایک خطرناک مصیبت کا سامنا تھا۔ مرزا کے مقابلے میں آنے کو عزلت نشینی پر ترجیح دی اور حسب

الدرخواست مرزا جواب قبولیت دعوت بصورت اشتہار ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء کو طبع کرا کر بذریعہ رجسٹری بتاریخ ۱۲ اگست ۱۹۰۰ء ارسال فرمایا۔ اور لکھ دیا کہ وہ خود ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کو (اس لئے کہ مرزا نے تقرر تاریخ کا اختیار حضرت پیر صاحب کو دیا تھا) لاہور آ جاویں گے۔ آپ بھی تاریخ مقررہ پر تشریف لے آویں۔ چونکہ مرزا نے ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کی چٹھی میں اس طریق فیصلہ کی طرف دعوت کرنے سے پہلے اپنے دعویٰ پر اور کئی استدلال پیش کئے تھے۔ چنانچہ آپ نے لکھا ہے کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کبھی اور کسی زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھ گئے تھے یا کسی آخری زمانہ میں جسم عنصری کے ساتھ نازل ہونگے۔ اگر لکھا ہے تو کیوں ایسی حدیث پیش نہیں کرتے۔ ناحق نزول کے لفظ کے لئے معنی کرتے ہیں۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ اور ذَكَرْنَا رَسُوْلًا كَارًا زَيْلًا سَمِعْتُمْ۔ میری مسیحیت و مہدویت کا نشان رمضان میں کسوف و خسوف کا دیکھ چکے ہیں پھر نہیں مانتے۔ صدی سے سترہ سال گزر چکے ہیں۔ پھر مجھے مجدد نہیں مانتے یہ تمام استدلالات مرزا نے اس طریق فیصلہ کی طرف دعوت کرنے سے پہلے اسی چٹھی میں تحریر کئے ہیں۔ صرف ایک ہی فیصلہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر دو باتیں علی الترتیب پیش کی ہیں۔ اس لئے حضرت ممدوح نے بھی ہر دو طریق فیصلہ کو علی الترتیب ہی تسلیم کیا۔ اور پسند فرمایا کہ مرزا سے اس کے اپنے استدلالات جو اس نے اپنی چٹھی میں تحریر کی فیصلہ سے پہلے پیش کئے تھے سن لئے جائیں اور مسیح علیہ السلام کا جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر جانے کی بابت حدیث بلکہ قرآن کریم کی قطعی الدلالت نص پیش کی جاوے کہ اگر مسیح کا بجمد عنصری آسمان پر جانا قرآن کی نص صریح سے ثابت نہ ہو تو پھر کیا کرنا چاہئے۔۔۔ حدیث ہی کی جستجو کی جائے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ نزول کے وہ معنی جو اب تک تیرہ سو سال سے مجتہدین اور محدثین بلکہ صحابہ کرام اور اہل بیت نے نہیں سمجھے وہ کیا ہوں گے۔ اور یہ بھی سمجھ نہیں آتا کہ رمضان میں کسوف و خسوف جن تاریخوں میں ہوا ہے وہ کیونکر آپ کی مسیحیت کا نشان ہے۔ یہ سب امور احقاق حق کی غرض سے حضرتنا الحمد و ح مرزا کی اپنی زبانی سننا ضروری خیال کرتے تھے۔ اور بعد ازاں یہ قرارداد تھی کہ تحریری فیصلہ کی طرف رجوع کر لیا جاوے اور مرزا کی قرارداد شرائط کے موافق تفسیر لکھی جاوے۔

اس عرصہ میں آج تک مرزا کی طرف سے کوئی جواب نہ نکلا۔ البتہ ان کے بعض حواریوں کی

طرف سے اشتہارات نکلے اور شائع ہوئے کہ تقریری مباحثہ کی کوئی شرط نہیں تھی۔ لیکن ان تحریرات کو اس لئے بے معنی خیال کیا گیا تھا کہ خود مرزا نے اپنے اشتہار مشتہرہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء میں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے ہر دو امور فیصلہ علی الترتیب مطلوب تھے۔ اور پہلے ایک اشتہار میں مولوی غازی صاحب نے صاف طور پر مرزائی جماعت کو مطلع کر دیا تھا کہ پیر صاحب صرف اس صورت میں قلم اٹھاویں گے یا کوئی مباحثہ کریں گے جبکہ بالمقابل مرزا خود میدان میں آدے یا کچھ تحریر کرے ورنہ نہیں۔ پس حضرت پیر صاحب کی جوابی چٹھی مطبوعہ ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء خاص مرزا کے نام پر تھی۔ بصورت انکار مرزا کو بذات خود جواب دینا چاہیے تھا۔ لیکن اس نے باوجود انقضائے عرصہ مدید ایک ماہ کے کوئی انکار شائع نہیں کرایا۔ بلکہ اپنے طریق عمل سے تسلیم کر لیا کہ وہ اس امر پر راضی ہے کہ ہر دو طرح سے مباحثہ ہو جاوے۔

اس کے بعد حافظ محمد الدین صاحب تاجر کتب مالک و مہتمم کارخانہ مصطفائی پریس لاہور نے ایک ضروری چٹھی رجسٹری شدہ چٹھی نمبر ۱۲ چھاپ کر مرزا کو روانہ کی اور عام تقسیم کر دی۔ مگر مرزا کو کہاں ہوش و تاب کہ کچھ جواب دیتا۔

تاہم اس کارہا سہا عذر دفع کرنے کے لئے حکیم سلطان محمود صاحب ساکن حال پنڈی نے (جس کی طرف سے پہلے بھی متعلق مباحثہ کئی ایک اشتہارات شائع ہوئے تھے) ایک مطبوعہ اشتہار بذریعہ جوابی رجسٹری مرزا کے پاس ارسال کر دیا جس کا آخری مضمون یہ تھا کہ اگر مرزا کی علمی و عملی کمزوریاں اس کو اپنی من گھڑت شرائط کے احاطہ سے باہر نہیں نکلنے دیتیں اور اسے ضد ہے کہ تم ان ہماری ہی پیش کردہ شرائط کو تسلیم کرو تو ہم بحث کریں گے ورنہ نہیں۔ تو خیر۔ لویہ بھی سہی۔ پیر صاحب تمہاری سب پیش کردہ شرطیں بعینہ جس طرح سے تم نے پیش کیں ہیں منظور کر کے تمہیں چیلنج کرتے ہیں کہ تم مقررہ تاریخ ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور آ جاؤ۔ یہ اعلان عام طور پر مشتہر کر دیا گیا تھا۔ علاوہ اس اعلان کے جناب پیر صاحب نے بنظر تاکید مزید حافظ محمد دین صاحب مالک مطبع مصطفائی پریس لاہور کو بھی ایما فرمادیا کہ ہماری طرف سے مرزا کی تمام شرائط کی منظوری کا اعلان کر دو۔ چنانچہ حافظ صاحب موصوف نے بذریعہ اشتہار مطبوعہ ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء مشتہر کر دیا کہ آج بروز جمعہ ۴ بجے شام کی ٹرین میں بوجہ ہمدردی اسلام پیر صاحب مرزا کی تمام شرائط منظور کر کے لاہور تشریف فرما ہونگے اور محمد ن ہال

انجمن اسلامیہ واقع موچی دروازہ لاہور میں بغرض انتظار مرزا قیام فرمائیں گے۔ چنانچہ وہ اسی شام کی گاڑی میں معدومین سو علماء و مشائخ و غیر ہم ہمراہیان کے تشریف فرما لاہور ہوئے۔

حضرت ممدوح کی زیارت و استقبال کے لئے اس شوق و ولولہ سے لوگ گئے کہ اسٹیشن لاہور اور بادامی باغ شانہ سے شانہ چھلتا تھا۔ شوق دیدار سے لوگ دوڑتے اور ایک دوسرے پر گرتے چلے جاتے تھے۔ حضرت ممدوح اسٹیشن سے باہر ایک باغ میں چند منٹ تک استراحت کر کے محض ہاں موچی دروازہ میں مقیم ہوئے لاہور کے علماء کرام جو آپ کی تشریف آوری کے منتظر تھے آپ کے ساتھ شامل ہو گئے نیز اور علماء مشائخ و معززین اسلام اضلاع پشاور، پٹنڈی، جہلم، سیالکوٹ، ملتان، ڈیرہ جات، شاہ پور، گجرات، گوجرانوالہ، امرتسر وغیرہ وغیرہ مقامات سے بغرض شمولیت مجلس مناظرہ مصارف کثیرہ کے متحمل ہو کر آ پہنچے۔ مرزا کے لاہوری پیروؤں نے مرزا کے نام خطوط تاریں اور ضروری قاصد روانہ کئے بعض گرم جوش چیلے نہایت مضطرب حالت میں قادیاں پہنچے اور ہر چند اپنے پیرو مرشد مرزا کو لاہور لانے کے لئے منت و سماجت کی۔ پاؤں پکڑے مگر مرزا کی دلی کمزوری نے ان کو اپنے فدائی پیروؤں کی درخواست منظور کرنے کی طرف مائل نہ کیا۔ اور وہ بیت الفکر میں ہی داخل دفتر رہا۔

حضرت پیر صاحب ۲۴ اگست سے آج تک لاہور میں رونق افروز ہیں اور مرزا کا ہر ایک ٹرین میں بڑے شوق سے انتظار ہو رہا ہے۔ مگر ادھر سے صدائے برنخواست کا معاملہ ہوا۔ یہ حقیقت میں خود مرزا کے اپنے قول کے مطابق ایک الہی عظمت و جلال کا کھلا کھلا نشان تھا جس نے مرزا کی جھوٹی و بیجا شیخی کو کچل ڈالا اور اس کے حواس کی وہ گتہ ہوئی کہ مقابلہ و مباحثہ لاہور تو درکنار سوائے اپنے بیت المقدس کے تمام دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی اور وَقَدْ فِي قُلُوبِهِمُ الرَّغْبُ (الاحزاب: ۲۶) کا مضمون دوبارہ دنیا کے صفحہ پر معرض ظہور پر آیا۔ برخلاف اس کے حضور پر نور حضرت پیر صاحب ممدوح کے دست مبارک پر خداوند کریم نے وہ شان ظاہر کر دیا جس کا آیت ”وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ“ (الروم: ۴۷) میں وعدہ دیا گیا تھا۔ خداوند عالم نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مقدس و بابرکت ذات پر نبوت اور رسالت کے تمام مدارج ختم کر دیئے ہیں جس طرح پہلے سینکڑوں جھوٹے رسولوں کو الہی غیرت اور خودان کے اپنے کفر و غرور نے انہیں ذلیل و خوار کر دیا ہے۔ ایسا ہی اس نے مرزا

کی جھوٹی مہدویت رسالت و مسیحیت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اور آج دنیا پر بخوبی روشن ہو گیا کہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے مخصوصہ مناصب اور مفروضہ مراتب کے اندر بیجا مداخلت کرنے والا اس طرح سے رو سیاہ ہوتا ہے اور اپنے ہاتھوں خود ذبح ہوتا ہے کیا غور و عبرت کا مقام نہیں ہے کہ مرزا نے بلا کسی تحریک کے خود بخود حضرت پیر صاحب اور ہندو پنجاب کے تمام مسلم الثبوت مشائخ و علماء کو تحریری و تقریری مباحثہ کی دعوت کا اعلان کیا جس کی ہزار ہا کاپیاں ہندو پنجاب کے تمام اضلاع و اطراف میں مرزا نے خود تقسیم کیں۔ اپنی عربی و قرآن دانی میں وہ لاف زنی کی جس کا وہ خواب میں بھی خیال کرنے کا مستحق نہیں تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے لکھا کہ اگر میں پیر صاحب اور علماء کے مقابلہ پر لاہور نہ پہنچوں تو پھر میں مردود جھوٹا اور ملعون ہوں اس شد و مد کے اشتہار کے بعد جب اس کو پیر صاحب اور دیگر علمائے کرام نے بمنظوری شرائط لاہور میں طلب کیا تو مرزا کی طرف سے سوائے بہانہ گریز کے اور کوئی کارروائی ظہور میں نہ آئی۔ سخت افسوس کا موقع ہے کہ مرزا کے مریدانہی دنوں میں جبکہ پیر صاحب خاص لاہور میں سینکڑوں علماء، فقراء اور ہزاروں مریدوں کے ساتھ تشریف رکھتے تھے اس قسم کے اشتہارات شائع کر رہے تھے کہ پیر صاحب مباحثہ سے بھاگ گئے۔ اور شرائط سے انکار کر گئے۔ سبحان اللہ ڈھٹائی اور بے شرمی ہو تو ایسی کہ دروغ گوئم بروئے شام!

اس موقع پر مرزا کی مسیحی تعلیم پر سخت افسوس آتا ہے کیا امام زمان کی تعلیم کا یہی اثر ہونا چاہئے کہ ایسا سفید جھوٹ لکھ کر مشتہر کیا جائے اور زیادہ افسوس اس پر ہے کہ ہندوستان کے اخبارات بھی مرزائیوں کی اس ناشائستہ حرکت پر نفرین کر رہے ہیں اور ہنسی اڑا رہے ہیں۔ میں از جانب اہالیان جلسہ جن کی تعداد کئی ہزار ہے اور پنجاب کے مختلف اضلاع کے رہنے والے ہیں۔ اس امر کا صدق دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ پیر صاحب نے مع ان علمائے کرام و مشائخ عظام کے جو آپ کے ساتھ شامل ہیں اسلام کی ایک بے پناہ خدمت کی ہے اور مسلمانوں کو بے انتہا مشکور فرمایا۔ اور ہزار ہا شکر ہے آئندہ کو بہت سے مسلمان بھائی مرزا کے اس سلسلہ حرکات سے اس کی دام ترویج میں گرفتار ہونے سے بچ گئے۔

(الی آخرہ)

مولانا فیضی اپنے والد ماجد جناب نور الحسن کی طرح اعلیٰ حضرت گولڑوی سے شرف بیعت

رکھتے تھے۔ اور آپ کے فرزند ارجمند مولانا فیض الحسن بھی حضرت کے دامن گرفتہ تھے۔ اہلسنت کے مشہور عالم مولانا کریم الدین دبیر آپ کے چچا زاد بھائی تھے۔ مولانا دبیر اگرچہ سلسلہ بیعت حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی سے رکھتے تھے مگر اعلیٰ حضرت گوڑوی سے استفادہ بھی کیا اور عقیدت و محبت بھی بہت زیادہ تھی۔ مولانا فیضی کو اپنے مرشد طریقت سے والہانہ الفت تھی۔ گوڑہ شریف حاضری معمولات زندگی میں شامل تھی۔

اگرچہ آپ عہد شباب ہی میں عالم عقبی کی طرف کوچ فرما گئے۔ مگر زندگی کے آخری چار پانچ سال بڑے ہنگامہ خیز گذرے۔ قادیانیت کا تعاقب جس زور و شور سے آپ نے کیا اور جس جوانمردی سے اسے زیر پا کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ چند روز بیمارہ کرۂ ۱۹۰۱ء بمطابق ۱۳۱۹ھ کو اس عالم فانی سے رحلت کر گئے اور اپنے آبائی گاؤں بھیس ضلع چکوال میں دفن ہوئے۔ اعلیٰ حضرت گوڑوی کو آپ کی وفات پر بڑا صدمہ ہوا۔ مجلس میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کی گئی اور بعد میں تعزیتی مکتوب بھی آپ کے والد ماجد کی طرف روانہ کیا گیا۔

آپ کے انتقال پر ملال سے جہاں مسلمان علماء و عوام کو صدمہ ہوا وہاں قادیانیوں نے خوشی کے شادیاں بجا ئے کہ انہیں ایک ضیغم اسلام کے حملوں کے خوف سے خسلا صی ہوئی تاہم ان دنوں اعلیٰ حضرت گوڑوی اور مرزا قادیانی کے مابین اختلافی مسائل پر زور و شور سے بحث جاری تھی۔ مرزا قادیانی مقابلہ لاہور سے گریز پائی کے بعد تحفہ گوڑویہ 'اعجاز المسیح' اعجاز احمدی وغیرہ کتابیں تالیف کر کے حضرت گوڑوی پر سب دشم کر رہا تھا۔ اس کے امتی مولوی محمد احسن امر وہی نے بھی "شمس بازغہ" لکھ کر لاہوری زخموں کے گھاؤ مند مل کرنے کی سعی لا حاصل کی۔ ادھر دوسری طرف اعلیٰ حضرت گوڑوی نے "اعجاز المسیح" شمس بازغہ" اور اس کے دیگر خرافات کے جواب میں جون ۱۹۰۲ء کو ایک معرکہ آراء کتاب "سیف چشتیائی" کے نام سے تحریر فرما کر شائع کی۔ جس نے قادیانی ستونوں کو زمین بوس کر دیا اور اس کی اختراعی نبوت کے تار و پو بکھیر کر رکھ دیئے۔ مرزا قادیانی کو "سیف چشتیائی" یکم جولائی ۱۹۰۲ء کو موصول ہوئی۔

جب کہ وہ ”نزول المسیح“ کی تالیف میں مشغول تھا۔ چنانچہ ”ڈوبتے کو تنکے کا سہارا“ کے مطابق اس دوران مولانا کرم الدین اور میاں شہاب الدین کے دو خطوط ۲۶ جولائی اور ۱۵ اگست ۱۹۰۲ء کی درمیانی مدت کے دوران اسے موصول ہوئے۔ جن میں تحریر تھا کہ آپ کی کتاب ”اعجاز المسیح“ اور امر وہی کی ”شمس بازغہ“ کے حواشی پر مولانا محمد حسن فیضی نے تردیدی نوٹ لکھے تھے جن کو مولانا فیضی کے انتقال کے بعد پیر صاحب نے من و عن ”سیف چشتیائی“ میں نقل کر دیا اور اس کا حوالہ بھی نہیں دیا۔ گویا حضرت پیر مہر علی شاہ نے ”سیف چشتیائی“ کی تصنیف میں مولانا فیضی کے مضامین کا سرقہ کیا ہے۔ بس خطوط کا پہنچنا تھا کہ مرزا قادیانی فرط مسرت میں آپے سے باہر ہو گئے۔ اور ”نزول المسیح“ پر ہی سترہ صفحات پر مشتمل ایک طویل حاشیہ لکھا جس میں بڑے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ فیضی اور پیر مہر علی شاہ دونوں میری پیش گوئی کے مطابق رسوا ہوئے ایک بڑی موت کا شکار ہوا اور دوسرا سارق ثابت ہوا۔ کیونکہ میں نے ”اعجاز المسیح“ کے سرورق پر اپنا الہام لکھ دیا تھا کہ من قام للجواب فسوف یری انہ تندم وتذمر (یعنی جو شخص اس کتاب کے جواب پر آمادہ ہوگا اور پلنگی دکھائے گا وہ عنقریب دیکھے گا کہ اس کام سے نامراد رہا اور اپنے نفس کا ملامت گر رہا) مگر برا ہوا اس عجلت بازی کا کہ مولانا کرم الدین دبیر اور میاں شہاب الدین نے نفی روزہ ”سراج الاخبار جہلم“ کے ۲ اور ۱۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے شماروں میں ان خطوط کے جعلی ہونے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ ان خطوط کی بنیاد پر فریقین کی آپس میں مقدمہ بازی شروع ہو گئی جو ایک طویل عرصہ تک جاری رہی۔ اس مقدمہ میں مرزا قادیانی بھی پیش ہوتا رہا اور عدالت میں اس کا بیان بھی ہوا۔ جب آل سے مندرجہ بالا الہام کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو کہا کہ ”یہ الہام فیضی کی نسبت نہیں ہے یہ اس شخص کی نسبت ہے جو ”اعجاز المسیح“ کا جواب لکھے۔“ اور مزید کہا کہ ”میرے پاس جب کرم الدین کا خط آیا تو اس خیال سے کہ اس کا خط صحیح ہوگا وہ تذکرہ ”نزول المسیح“ میں کیا مگر جب سراج الاخبار میں اس نے اس کے برخلاف لکھا تو وہ میرا خیال قائم نہ رہا“ اسی دوران جب اس سے یہ سوال ہوا

کہ مولانا محمد حسن فیضی اور پیر مہر علی شاہ کے بارے میں آپ کے دونوں الہام سچے ہوئے ہیں یا نہیں تو جواب میں کہا ”میں نے قبل سراج الاخبار کے شائع ہونے کے خیال کیا تھا کہ یہ دونوں الہام سچے ہو گئے ہیں۔ مگر سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ یہ میری رائے غلط نکلی کیونکہ پیش گوئیوں کا مصداق ہمیشہ رائے سے ہوا کرتا ہے۔

چنانچہ مولانا فیضی اس دنیا سے جانے کے بعد بھی مرزا قادیانی کے دونوں الہاموں کو اس کے اپنے قول کے مطابق باطل کر کے اسے ساری دنیا میں رسوا اور روسیہ کر دیا ہے۔ گویا موت کے بعد بھی اپنا مشن جاری رکھا۔ (تجلیات مہر انور صفحات ۸۲۲ تا ۸۶۱)

(یہ تمام تفصیل انتخاب مناقب سلیمانہ نزول المسیح، تازیانہ عبرت اور روئیداد جلسہ اسلامیہ لاہور سے ماخوذ ہے۔)

ابولقاسم حضرت مولانا محمد حسین کولوتارڑوی

حضرت مولانا محمد حسین صاحب کولوتارڑوی جامع پنجاب کے مولوی فاضل تھے۔ آپ نے اپنی تمام زندگی دین اسلام کی خدمت اور تردیدِ فتنہ مرزائیت میں گزاری۔ پنجاب کے ہر علاقے میں آپ نے مرزائی مبلغین کے ساتھ مناظرے کئے۔ آپ کو مرزا قادیانی اور اس کے تبعین کی تصانیف پر ایسا کامل عبور حاصل تھا کہ ہر مناظرہ میں انہیں کی کتب کے حوالہ جات پیش کر کے مرزائی کذب و فریب کو بے نقاب فرمادیتے تھے۔

ردِ مرزائیت کے سلسلہ میں جو دسترس اور ملکہ آپ کو حاصل تھا اس کی نظیر موجودہ زمانہ میں مشکل ہی نظر آئے گی۔ خصوصاً آپ حیات و وفات عیسیٰ کے ماہر تھے۔ مقدمہ مرزائیہ بہاولپور نے جب برصغیر میں اپنی اہمیت و انفرادیت کی وجہ سے ملک گیر شہرت حاصل کی اور مسلمان مدعیہ کی طرف سے قادیانیوں کا کفر و ارتداد ثابت کرنے کے لئے دلائل و براہین سے لیس گواہان کی ضرورت پیش آئی تو ملک بھر سے چھ جید علماء مناظرین منتخب کئے گئے۔ ۱۳ جولائی ۱۹۳۲ء کو آپ بھی بطور خاص گوجرانوالہ سے بہاولپور تشریف لائے اور بطور گواہ مدعیہ اپنا بیان قلمبند کرایا۔ ختم نبوت پر ایسی بصیرت افروز شہادت دی کہ مرزائیت کے کفر و ارتداد کے ہر پردے کو چاک کر دیا۔ مدعا علیہ اگرچہ اصالتاً عدالت میں موجود تھا لیکن اس نے آپ پر جرح کرنے کی جرأت نہ کی۔ مقدمہ بہاولپور کی مطبوعہ روئیداد میں آپ کا اسم گرامی گواہان کی فہرست میں شامل ہونیکے ساتھ ساتھ آپ کے بیان کی نقل بھی بیانات گواہان کے سلسلہ میں شامل ہے۔ آپ کے بیان کا حوالہ دیتے ہوئے جسٹس محمد اکبر صاحب اپنے فیصلہ میں رقمطراز ہیں:-

ختم نبوت اور انقطاعِ وحی پر مولوی محمد حسین صاحب گواہ مدعیہ نے ایک اور دلیل پیش کی ہے وہ یہ کہ قرآن شریف پر مجموعی طور پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ

آخری نبی ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ جس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے آدم علیہ السلام سے وحی نبوت کے جاری ہونے کے سلسلہ کی خبر دی ہے۔ یہ ابتداء وحی اور آغا وحی ہے۔ اس کے بعد ہم نوح علیہ السلام کے زمانہ تک پہنچتے ہیں۔ اور قرآن شریف سے یہ پتہ لیتے ہیں کہ آیا سلسلہ نبوت جاری ہے یا نہ۔ جواب ملتا ہے ہاں جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا۔ **وَلَقَدْ أَوْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ (الحديد-۲۶)**۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں سلسلہ نبوت جاری ہے۔ اور ذریت ابراہیم میں بھی ابھی سلسلہ نبوت جاری ہے۔ جس کا عملی ثبوت یہ ہے۔ کہ اللہ عزاسمہ نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں دو شعبہ قرار دیئے ہیں ایک ”بنی اسحاق“ جن میں پہلے نبوت کا سلسلہ جاری رہا اور بہت انبیاء ان میں آئے۔ اور یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ دوسرے ”بنی اسماعیل“ جن میں آنحضرت ﷺ تک کوئی نبی نہ آیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی طرف نگاہ کیجائے تو قرآن شریف سے یہ معلوم ہوگا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سلسلہ نبوت جارہی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ (البقرہ-۸۷)**۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ موسیٰ کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے۔ اور کئی ایک رسولوں کے آئینکا وعدہ ہے۔ جیسا کہ لفظ ”الرسول“ سے ظاہر ہے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وقت آتا ہے۔ تو قرآن کریم سے سوال ہوتا ہے۔ کہ آیا بکثرت انبیاء ابھی آئیں گے؟ یا کیا ہوگا۔ تو خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ..... اَلْحُودُ خَدَاوْنِد سَجَانَهُ تَعَالَى نَعْنِيهَا** یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر اسلوب جواب کو بالکل بدل دیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول تمہاری طرف ہو کر آیا ہوں اور مجھ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات جو خدا کی طرف سے ان کو عطا ہوئی ہے۔ اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور خوشخبری دیتا ہوں۔ ایک رسول کی کہ جو میرے بعد آئے گا۔ نام اس کا احمد ہوگا۔ قرآن کریم نے اس سے پہلے رسل کے لفظ سے عام طور پر رسولوں کے آنیکی خبر دی تھی۔ اور یہاں ایک خاص رسول کی خبر دیکر اس کے نام سے مشخص اور معین فرما دیا یہ اسلوب صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ احمد ﷺ پر نبوت کو ختم کر رہا ہے اور عام طور پر جو رسولوں کے آئینکا اسلوب تھا اس کو بدل کر ایک خاص معین شخص کے آنیکی

اطلاع دیتا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا زمانہ آتا ہے تو ہم قرآن سے پوچھتے ہیں کہ آنحضرت کے آنے کے بعد سلسلہ نبوت جاری ہے یا بند ہو جاتا ہے۔ تو قرآن کریم فرماتا ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ (احزاب ۴۰) یہ بات قابل غور ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ نے مختلف انبیاء کے زمانہ میں سلسلہ نبوت جاری رہنے اور رسل کے آنیکی اطلاع دی۔ اور آنحضرت ﷺ پر آ کر اس اطلاع کے برخلاف جو بصورت اجراء نبوت بمثل سابق ایسی اطلاع دی جانی ضروری تھی۔ جیسا کہ پہلے دیکھنی۔ ختم نبوت کا اعلان کر دیا۔ جس سے قطعاً اور یقیناً یہ بات معلوم ہوئی کہ قرآن کریم مجموعی طور پر ختم نبوت کا اعلان کر رہا ہے۔

اس ضمن میں دو احادیث کا حوالہ جو گواہ مذکور نے دیا ہے۔ اور دیگر گواہان مدعیہ کے بیانات میں بھی موجود ہے دیا جانا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ فریق ثانی کے جواب میں یہ حدیثیں بحث طلب ہیں۔ ایک حدیث یہ ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں انبیاء آتے رہے جب ایک نبی فوت ہو جاتا۔ تو دوسرا نبی آ جاتا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں اور خلیفہ ہونگے پس بہت ہوں گے۔“ دوسری حدیث یہ ہے کہ ”جنگ تبوک پر جاتے ہوئے آپ نے جب حضرت علی کو اہلبیت کی نگرانی کے لئے چھوڑا تو حضرت علی نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو مجھ سے وہی نسبت رکھتا ہے۔ جیسا کہ ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔“ اگر نبوت آنحضرت کے بعد تشریحی یا غیر تشریحی جاری ہوتی تو حضرت علیؑ کو رسول اللہ ﷺ لانا نبی بعدی کہہ کر اس وصف سے محروم نہ کرتے۔ گواہ مذکورہ نے قرآن مجید سے ختم نبوت کی ایک اور یہ دلیل بھی پیش کی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کی گئی وہ زمانہ ماضی میں ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں انہی انبیاء پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔ جو آنحضرت سے پہلے ہو چکے ہیں۔ اور کسی ایسے نبی کے لئے ایمان لانیکی تاکید نہیں کی۔ جو آپ کے بعد ہو۔ اگر کوئی نبی آنحضرت ﷺ کے بعد آ نیوالا ہوتا تو ضرور اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر ایمان لانیکی تاکید فرماتا۔ سورۃ بقرہ کی آیت وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ..... الخ (البقرہ۔ ۴) میں بھی خداوند تعالیٰ نے انہی کو ہدایت پر قائم رہنے والا اور ”مفلہون“ فرمایا ہے۔ جو آنحضرت کی وحی پر آپ

سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی وحی پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں (مقدمہ مرزائیت بہاولپور۔ صفحہ ۲۲ تا ۲۷ مرتبہ ابو العباس محمد صادق نعمانی مطبوعہ جولائی ۱۹۳۵ء)

۲۷، ۲۸، ۲۹ مئی ۱۹۳۲ء کو انجمن اہلسنت والجماعت شیخوپورہ کے زیر اہتمام شیخوپورہ شہر میں دوسرا عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا غلام محمد گھوٹوی، مولانا کریم بخش ایم۔ اے، مولانا امین الحق شیخوپورہ، مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ، مولانا محمد حسین کولوتارڑوی، مولانا لال حسین اختر، بابو حبیب اللہ کلرک اور دیگر علمائے کرام نے شرکت کی۔ رسالہ تائید الاسلام کی رپورٹ کے مطابق مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۲ء کی صبح کو مرزائیوں کے ساتھ زیر صدارت خان بہادر احمد خان صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس، حیات و ممات مسیح علیہ السلام و ختم نبوت پر (قادیانیوں سے) مناظرہ ہوا انجمن اہلسنت والجماعت کی طرف سے مولانا مولوی محمد سلیم صاحب اور مولانا محمد حسین صاحب کولوتارڑوی مناظر تھے جن کے دلائل قاطع نے مرزائیوں کو اس حد تک ساکت کر دیا کہ انہیں اپنی شکست تسلیم کئے بغیر چارہ نہ رہا۔

مناظرہ کے بعد مرزائیوں کی کتب سے بابو حبیب اللہ امرتسری اور مولانا لال حسین اختر نے مرزائیت کے زہر آلودہ پروپیگنڈا کا اپنی تقاریر میں اس حد تک سدباب کیا کہ عوام کو مرزائیت کے بطلان کا اعلان کرتے دیکھا گیا۔ (تائید الاسلام، جون ۱۹۳۲ء، ص ۲۲)

ستمبر اکتوبر ۱۹۳۲ء میں قادیانیوں نے سرگودھا و ضلع شاہ پور میں تبلیغ مرزائیت کا پروگرام بنایا علمائے اسلام جن میں مولانا محمد شفیع خوشابی، مولانا ابوالقاسم محمد حسین کولوتارڑوی، مولانا ظہور احمد بگوی و مولانا عبدالرحمن صاحب رحمہم اللہ علیہم اجمعین شامل تھے نے قادیانیت کی بھرپور مزاحمت کی بلکہ منظم پروگرام کے تحت انکے مقابل جلسہ کرتے۔ اگر مناظرہ و مہابہ کی نوبت آتی تو قائدین ختم رسالت کا یہ گروہ ہر طرح دلائل و براہین سے لیس ہو کر مخالفین کو ناکوں چنے چبواتا۔ بالآخر قادیانی گروہ خائب و خاسر ہو کر تقریباً ڈیڑھ ماہ علمائے اسلام سے پے در پے شکست کھانے کے بعد قادیان کی طرف بھاگ گیا۔ فی الوقت ہمارے پیش نظر مولانا محمد حسین کولوتارڑوی کی رد قادیانیت کے سلسلہ میں کی جانے والی خدمات کا تذکرہ ہے۔ مولانا ظہور احمد بگوی برقی آسمانی برزخ من قادیانی (اس کتاب کے آغاز میں مصنف

کتاب نے بطور خاص مولانا موصوف کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انکا شکر یہ ادا کیا ہے) میں مولانا ابوالقاسم محمد حسین کولوتارڑوی کی مجاہدانہ و مناظرانہ خدمات کا تذکرہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

۳ ستمبر ۱۹۳۲ء کو قادیانیوں نے بھیرہ شریف میں ایک اشتہار شائع کیا کہ مسلمان ہمارے ساتھ مناظرہ کر لیں اس کے جواب میں مولانا عبدالرحمان صاحب سیکرٹری تبلیغ جماعت اسلامیہ بھیرہ شریف نے قبولیت مناظرہ کا اشتہار شائع کر دیا۔ نیز مولانا محمد حسین کولوتارڑوی نے بھی مندرجہ ذیل اشتہار شائع کر کے درودیوار ہائے شہر پر چسپاں کر دیا۔

مرزائیت کی موت:

جملہ مرزائیوں کو اور خصوصاً مرزائیان بھیرہ کو واضح ہو کہ میں نے ستمبر ۲۸ء کے العدل میں ایک مکتوب مفتوح بنام مرزا محمود احمد صاحب قادیانی شائع کیا تھا کہ میں ”مرزا کے انعامی اشتہار دوبارہ لفظ توفی“ کی دوسری شق کے مطابق ثابت کر دوں گا کہ اس کے معنی جسم مع روح کو ہیبت کذائی و صورت مجموعی اپنے قبضہ میں لے لینے کے ہیں۔ آپ میرے ساتھ منصفانہ شرائط طے کرنے کے بعد فیصلہ کر لیں۔ لیکن مرزائیت کے علمبردار نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد مختلف مواقع پر مرزائی مولویوں کو مناظروں میں فیصلہ کی دعوت دی گئی۔ مگر مارچ ۳۲ء کے رسالہ شمس الاسلام میں مکرر بعنوان ”اتمام حجت“ اس مضمون کو مشہر کیا گیا۔ لیکن مرزائیوں کی طرف سے کوئی آمادگی نہ ہوئی۔ العدل و شمس الاسلام کے پرچے بذریعہ رجسٹری خلیفہ قادیان کے پاس بھیجے گئے۔ پھر بھی انہیں مقابلہ کا حوصلہ نہ ہوا۔ حق کا رعب ان کے دلوں پر مسلط ہو چکا ہے۔ لہذا ان میں جرات نہیں ہے کہ اس فیصلہ پر آمادہ ہوں۔ جملہ مرزائیوں کو لازم ہے کہ اپنے خلیفہ کو اس فیصلہ پر آمادہ کریں۔ ورنہ سمجھ لیں کہ مرزائیت مرگئی لہذا اس کی تجہیز و تکفین کر کے میرے ہاتھ پر توبہ کر لیں۔ حجت تمام ہو چکی۔ خدا کے حضور تمہارے پاس کوئی عذر نہ ہوگا۔ اگر تمہارے مولوی جو قادیان سے آئے ہیں فیصلہ پر آمادہ ہوں تو فوراً بذریعہ تارا اپنے خلیفہ سے اپنی نیابت کی تصدیق کرائیں۔ اور خلیفہ صاحب لکھ دیں۔ کہ ان علماء کا ساختہ پرداختہ میرا ساختہ پرداختہ ہے۔ ان کی فتح میری فتح اور ان کی شکست میری شکست ہے۔ (برق آسمانی بر خرمین

۱۵ اور ۶ ستمبر ۱۹۳۲ کو قادیانیوں کو ہزار طرح کی قیل و قال کے بعد مجبوراً میدان مناظرہ میں آنا پڑا۔ مناظرہ کا موضوع حیات مسیح تھا۔ جماعت اسلامیہ کی طرف سے حضرت مولانا ابوالقاسم محمد حسین کو لوٹارڑوی مناظر منتخب ہوئے۔ ان مناظروں کی روداد کا خلاصہ مولانا ظہور احمد بگویی نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے:

”تین بج کر چالیس منٹ پر حضرت مولانا ابوالقاسم صاحب نے حیات مسیح علیہ السلام پر تقریر شروع کی۔ مولانا کی تقریر اس قدر واضح مدلل اور دلچسپ تھی کہ تمام حاضرین فرط مسرت سے جھوم رہے تھے۔ مولانا کی چھ تقریریں ہوئیں اور مرزائی مناظر مولوی محمد سلیم کی پانچ ہوئیں۔ محمد سلیم قادیانی کی آخری تقریر میں آندھی کا طوفان آیا۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے اسلامی اسٹیج اس کے اثر سے محفوظ رہا۔ مرزائیوں کے چہرے گرد آلود ہو گئے۔ اور ان کے مناظر کا منہ مٹی سے بھر گیا۔ ان کا سایہ بان اکھڑ گیا۔ ان پر بدحواسی کا عالم طاری تھا۔ حاضرین نے جنگ خندق والا سماں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ بچے شام مرزائی اپنے سر و سینہ اور منہ سے گرد جھاڑتے ہوئے گھروں کو سدھارے۔ مرزائیوں نے تمام رات دعا اور عبادت میں گزاری تھی۔ اور صدقہ و خیرات سے بھی کام لیا۔ مگر آج کی واضح شکست اور ان کے مایہ ناز مسئلہ کی حقیقت واضح ہونے پر ان کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ مسجد مرزائیہ میں مغرب و عشاء کی اذان بھی دینے کی توفیق نہ ہوئی۔ اور تمام رات نہایت کرب و اضطراب سے بسر کی۔ حاضرین پر مرزائی مذہب کی حقیقت واضح ہو گئی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی حیات قرآن و حدیث اور مسلمات مرزائیہ سے مولانا ابوالقاسم صاحب نے اس قدر وضاحت سے ثابت کی کہ ان کے دلائل کا مرزائی مناظر کوئی جواب نہ دے سکا۔ مناظرہ کے اختتام پر ایم ڈی کریم اسٹنٹ سیکرٹری انجمن مرزائیہ بھیرہ نے اقرار کیا کہ حیات مسیح ثابت کرنے میں مولانا کو زبردست کامیابی ہوئی ہے۔ اور اس نے مولانا کو اس کامیابی پر مبارک باد دی۔

دوران مناظرہ صدر جماعت مرزائیہ نے لفظ مرزائی کے استعمال سے اسلامی مناظر کو روکنا چاہا مگر مولانا مدوح نے فرمایا ”کہ تم مرزائی ہو۔ تمہارے نبی کا نام خدا نے الہام میں مرزا بتایا ہے۔

اسے الہام ہوا تھا سفرغ لك يا ميرزا۔ مرزائی مناظر قرآن کی آیات غلط پڑھتا تھا۔ اور اس کی آخری تقریر نہایت ہی مہمل تھی۔ بدحواسی کے آثار اس کے چہرہ پر رونما تھے۔ خدائی قہر کا نشان یعنی آندھی کی مٹی سے اس کے منہ کو پوند کرنے میں مصروف تھی۔ چہرہ خاک آلود تھا مرزائی مناظر نے ہشمن پگڑی سر پر باندھ رکھی تھی۔ اور داڑھی کٹی ہوئی تھی۔ اس کا رویہ نہایت ہی دلاؤ زار تھا۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا کہ ”عیسیٰ علیہ السلام کیا بلا ہے؟“۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ توہین سکر قریب تھا کہ مجمع جوش غضب سے بے قابو ہو جاتا۔ مگر خاکسار نے لوگوں کو صبر و تحمل کی تلقین کی۔“

مورخہ ۶ ستمبر صبح ساڑھے آٹھ بجے ختم نبوت پر مناظرہ کا آغاز ہوا۔ اسلامی مناظر مولانا ابوالقاسم محمد حسین کولوتار زوی صاحب نے ۱۸ آیات قرانیہ دس احادیث صحیحہ اور دو اقوال مرزا سے ثابت کیا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔ مرزائی مناظر کی امداد کیلئے اسی روز ملک عبدالرحمن خادم قادیان سے پہنچ گیا تھا۔ مرزائی چاہتے تھے کہ کسی طرح کوئی فرار کا راستہ نکالیں۔ مگر مولانا ابوالقاسم نے دلائل کے زبردست شکنجہ میں انہیں جکڑے رکھا۔

مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۳۲ء بعد نماز ظہر مرزائیوں کی طرف سے آخری اور فیصلہ کن مناظرہ ”دعاوی مرزا“ کے متعلق تھا اس میں مرزائی مدعی تھے اس لئے پہلی اور آخری تقریر کا حق انہیں حاصل تھا۔ محمد سلیم قادیانی کی کمرہمت ٹوٹ چکی تھی۔ اور مرزائیوں نے ملک عبدالرحمن خادم گجراتی کو اپنی طرف سے مناظر مقرر کیا۔ اہل اسلام کی طرف سے حضرت مولانا ابوالقاسم محمد حسین صاحب نے حسب سابق نہایت قابلیت سے حق نمائندگی ادا کیا۔ عبدالرحمن خادم نے فحش کلامی دریدہ دھنی اور گند مذاقی کا ثبوت دیا۔ حقائق کا منہ چڑانے اور جی بھر کر گالیاں دینے سے اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہا۔ اسے کئی دفعہ روکا گیا مگر وہ اپنی عادت سے مجبور تھا۔ اس نے تمام سامعین کو جن میں معززین بھی موجود تھے بھانڈ اور میراثی کہدیا۔ اس پر مجمع میں اشتعال پیدا ہوا اور ہیڈ کانسٹیبل پولیس نے عبدالرحمن گجراتی کو ان الفاظ کے واپس لینے پر مجبور کیا۔ یہ آخری مناظرہ مرزائیت کے لئے پیام موت ثابت ہوا۔ حق کا نور چمکا اور باطل بھاگ نکلا۔ (برق آسمانی بر خرمین قادیانی صفحہ ۱۱۴ تا ۱۱۸ از مولانا ظہور احمد بگویی)

آپ کی تقریر و مناظرہ سے متاثر ہو کر کئی قادیانی مسلمان ہو گئے۔ ایک قادیانی فضل داد

صاحب نے مسلمان ہونیکا اشتہار ان الفاظ میں شائع کروایا۔:

”عرصہ سے کفر و ضلالت کے گڑھے میں پڑا ہوا صراطِ مستقیم کا متلاشی تھا۔ جب دیکھا کہ روحانی موت قریب آرہی ہے اور قادیانی بھول بھلیوں سے نکلنا دشوار نظر آ رہا ہے تو تائید ایزدی شامل حال ہوئی اور حضرِ راہ نے دستگیری کی۔ سر زمین بھیرہ میں عظیم الشان مناظرہ ہوا۔ مولانا محمد حسین صاحب کو لوٹا رڑوی فاتح قادیان کی بصیرت افروز اور قادیانیت شکن تقریر نے میرے دل کے قفل کھول دیئے۔ اور میں نے اس کے بعد کھلے بندوں اعلان کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ تاکہ اور بھائیوں کو بھی ہدایت ہو۔ لیکن مرزائی پسو میرے پیچھے پڑ گئے اور ہر جائز و ناجائز طریقہ سے مجھے اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔

میں یہ سمجھتا تھا کہ جب تک مرزا بیت کا جو اتار نہ پھینکوں گا شفاعت محمد ﷺ سے محروم رہوں گا۔ پس میں نے بغیر کسی لالچ کے محض خوفِ خدا اور رسول کی وجہ سے جامع مسجد میں جا کر صراطِ مستقیم اختیار کیا۔“ (برق آسمانی بر خرمن قادیانی صفحہ ۱۱۸-۱۱۹ از مولانا ظہور احمد بگویی)

آپ کے دلائل و براہین سے بھیرہ شریف میں رہنے والے غیر مسلم سکھ، ہندو وغیرہ بھی بہت متاثر ہوئے اور تعریفی نوٹ لکھے جو برق آسمانی پر خرمن قادیانی میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ بھیرہ شریف میں علمائے حق سے عبرت ناک شکست کھانے کے بعد قادیانی مبلغین خوشاب اور مجوکہ وغیرہ کی طرف فرار ہو گئے مگر مسلمان مناظرین نے انکا پیچھا جاری رکھا اور ذلت آمیز شکست و در شکست سے قادیانی عوام بھی قادیانی مذہب سے متنفر ہو کر مسلمان ہونے لگے۔ آپ نے قادیانیوں کے سربراہ کو بار بار بار خطوط لکھے کہ مقابلہ میں آؤ مگر وہ مقابلہ کے لئے تیار ہی نہ ہوا۔

آپ نے شیخ مبارک احمد میرزائی کو لفظ توفی کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے خط لکھا جس کے جواب میں مرزائیوں نے مرزا محمود احمد کی سند نمائندگی حاصل کرنے سے انکار کیا۔ اور لکھا کہ مولانا ابوالقاسم صاحب عالم اسلام کے علماء سے سند نمائندگی حاصل کر لیں۔ اس کے بعد ہم سے سند نمائندگی دکھانے کا مطالبہ کریں۔ اس کے جواب میں مولانا ابوالقاسم صاحب نے حسب ذیل آخری خط مبارک احمد کے نام بھیجا۔ جس کے جواب میں انہوں نے کامل خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

از: بھیرہ ۸ ستمبر ۲۰۲۲ء

مکرمی مولوی مبارک احمد صاحب سلام علی من اتبع الهدی

آپ کا رقعہ میرے رقعہ کے جواب میں پہنچا۔ وقت کو ضائع نہ فرمادیں۔ برائے مہربانی پہلے آپ مرزا قادیانی کے چیلنج کو ملاحظہ فرمادیں۔ اور اس کے مطابق عمل کریں۔ اس چیلنج میں کہیں بھی یہ نہ پاویں گے۔ کہ جواب دینے والا روئے زمین کے مسلمانوں کا یا کسی مرکزی جماعت کا نمائندہ ہو۔ پھر آپ کا یہ شرط زیادہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ میں نے جناب کو سند نیابت نمائندگی حاصل کرنے کی کیوں تکلیف دی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے مرزا قادیانی کے چیلنج کا جواب دینا ہے نہ آپ کے کسی احمدی کا۔ اگر آپ کی تعدی اصلاً ہوتی تو سند نمائندگی و نیابت کی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن جبکہ آپ مرزا قادیانی کی طرف سے نیابت کے طور مقابلہ میں آنے والے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہے کہ اس صورت میں سند نیابت از بس ضروری و لازم ہے۔ ورنہ بصورت دیگر ممکن بلکہ اغلب ہے۔ کہ مرزا محمود احمد قادیانی خلیفہ و خلیفہ مرزا قادیانی کہہ دے۔ کہ یہ فیصلہ ہمیں منظور نہیں ہے پس آپ اس صورت میں ”مان نہ مان میں تیرا مہمان“ کا مصداق قرار پاتے ہیں۔ لہذا سند نیابت حاصل کرنا از بس ضروری ہے۔ ورنہ فیصلہ ناطق نہیں ہو سکتا۔ اور جب کہ آپ کو سند نیابت کے حصول کا پورا اعتماد ہے۔ تو آپ اس سے پہلو تہی کیوں کرتے ہیں۔ اور اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟ براہ مہربانی توضیح اوقات اور ٹال مٹول چھوڑ کر تحریر فرمادیں۔ کہ میں سند نیابت حاصل کروں گا۔ بعدہ آج ہی بقیہ شرائط طے کر کے تیار ہو جائیں۔ سند نیابت آجانے پر گفتگو شروع ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور اگر آپ اس ضروری شرائط سے بھی پہلو تہی کریں۔ اور سیدھی راہ پر نہ آویں۔ تو پھر فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے سے خاموشی بہتر ہے۔ میری طرف سے اتمام حجت ہو چکی۔

والسلام علی من اتبع الهدی

(ابوالقاسم محمد حسین کولوتارڑوی)

میرزائیوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ مرزائیوں کو تحریری مناظرہ کا بہت شوق تھا۔ مگر انہوں نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ (برق آسمانی بر خرمین قادیانی صفحہ ۲۷۷ از مولانا ظہور احمد بگویی)

آپ کی خط و کتابت اور مناظرہ خوشاب و مجوکہ کی مکمل روئیداد برق آسمانی میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ مولانا ظہور احمد بگویی کے بقول قادیانیت کی سرکوبی کی آپ کو اتنی فکر تھی کہ آپ اگر کبھی مناظرہ سے رات بارہ بجے فارغ ہوتے تو اسی وقت نئی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے۔ آپ نے اپنا آرام و سکون مرزائیت کی تردید کی خاطر ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ علاوہ ازیں 'سرگودھا' 'سلانوانی' چک نمبر ۲۷ جنوبی، 'مڈھ رانجھا چھنی تاجہ رہان' کوٹ مومن، بھلوال اور چک نمبر ۹ شمالی میں بھی آپ نے قادیانیوں کو عبرت انگیز شکست سے دوچار کیا۔

مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء بعد نماز صبح مسکنی رمضان میرزائی مولانا ابوالقاسم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے بیان کیا کہ ہمارے مولوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مہدی کے زمانہ میں کسوف و خسوف ہوگا۔ اور وہ چودھویں صدی میں ہوگا۔ ان احادیث کی موجودگی میں مرزا قادیانی کے دعاوی تسلیم کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ ہر دو نشان مرزا قادیانی کے زمانے میں پورے ہوئے ہیں۔ اور آج تک کوئی اور مدعی مہدویت ظاہر نہیں ہوا۔ مولانا ابوالقاسم صاحب نے حسب ذیل تحریر لکھ کر رمضان مذکور کو دی۔ اور اسے کہا کہ اس کا جواب ان سے تحریر کرا کر لے آؤ۔

باسمہ سبحانہ

۱۔ دارقطنی جو روایت خسوف و کسوف کی ہے وہ نبی کریم ﷺ کی حدیث نہیں ہے۔

۲۔ چودھویں صدی میں مسیح آئے گا اور وہ مہدی ہوگا یہ بھی حدیث نہیں ہے۔

۳۔ مرزا قادیانی اپنی کتاب چشمہ معرفت جلد دوم ص ۱۰ پر لکھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کان فی الہند نبیاً اسود اللون اسمہ 'کاهنا' یہ بھی حدیث نہیں ہے۔

میرزائی صاحبان ان کا حدیث ہونا ثابت فرمائیں اور کسی حدیث صحیح مرفوع متصل سے بیان کریں۔ یا کسی حدیث کی کتاب ملزم الصحیح سے یہ حدیث دکھائیں۔

ابوالقاسم محمد حسین عفی عنہ

اس کا جواب جو میرزائیوں کی طرف سے موصول ہوا۔ وہ بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے

قارئین میرزائیوں کی حق پسندی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

- ۱۔ ماں بہن وغیرہ محرمتا ابدیہ کے ساتھ اپنی مرضی سے نکاح جائز ہے
- ۲۔ حیوان سے بد فعلی یا مردہ سے بد فعلی کرنے والے پر ضروری نہیں کہ وہ غسل کرے۔ اور اس کا روزہ بھی نہیں ٹوٹتا۔

۳۔ استمتاع بالید (جلق) سے انسان گنہگار نہیں ہوتا۔ یہ تین عقائد صحاح ستہ یعنی حدیث کی کسی صحیح کتاب سے بسند صحیح و مرفوع ثابت کرو۔ ورنہ خدا سے ڈرو۔

جب تین مندرجہ بالا امور کا آپ جواب دیں گے تو آپ کے سوالوں کا جواب اس الزامی

جواب کے علاوہ بھی دے دیا جائے گا۔

محمد نذیر۔ مولوی فاضل“

قادیانی مولوی فاضلوں کی علمیت کا اظہار اس تحریر کے ہر لفظ سے ہوتا ہے۔ جلسہ عام میں یہ تحریر سنائی گئی۔ لوگوں میں اشتعال پیدا ہو گیا مگر انہیں صبر و سکوت سے کام لینے کی تاکید کی گئی اور میرزائیوں کو جواب تحریر کیا گیا کہ ”ان ہر مسئلہ کے جائز کہنے والے کو ہم کافر اور ملعون سمجھتے ہیں اس لئے ہم سے جواز کی سند طلب کرنے سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ میرزائیوں نے اس کے بعد کامل خاموشی اختیار کر لی۔“ (برق آسمانی صفحہ ۱۳۵)

مورخہ ۲۷ ستمبر ۲۰۲۲ء بعد نماز ظہر ۳ بجے حیات مسیح علیہ السلام پر مولانا ابوالقاسم صاحب کا مولوی محمد سلیم قادیانی سے مناظرہ ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث معراج مسند امام احمد کے حوالے سے پیش کی گئی۔ اس حدیث کا کوئی جواب نہ دے سکنے پر محمد سلیم نے کہا کہ یہ روایت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے اس لئے غیر معتبر ہے۔

عبداللہ بن مسعود غیر معتبر اور جھوٹا اور مفتری تھا (نعوذ باللہ من ہذا الہفوات) مسلمانوں کے تمام مجمع میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ رسول کریم ﷺ کے جلیل القدر صحابی کی شان میں یہ گستاخی مسلمانوں کے



لئے ناقابل برداشت تھی۔ مگر افسوس کہ شرائط کے مطابق مرزائی صدر نے اپنے مناظر کو اس دریدہ ذہنی سے نہ روکا مسلمانوں کے قلوب مجروح ہو گئے آج تک کسی شیعہ کو بھی ایسی تہر ابازی کی مجمع عام میں ہمت نہیں ہوئی۔ اہلسنت والجماعت کے فیصلے کے مطابق تمام صحابہ جرح وغیرہ سے پاک و بری اور راوی ہونیکے لحاظ سے ثقہ اور عادل ہیں۔ صحابہ پر جرح کر کے دراصل مرزائیوں نے تمام احادیث کا انکار کر دیا۔ (برق آسمانی بر خرمن قادیانی صفحہ ۵۳ از مولانا ظہور احمد بگوی)

تمام مناظروں کی روئیدار کا خلاصہ برق آسمانی بر خرمن قادیانی میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ مورخہ ۱۸ تا ۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ کو ہونے والے معرکہ سلانوالی کا خلاصہ درجہ ذیل میں لکھا جاتا ہے:

مورخہ ۱۸-۱۹ اور ۲۰ ستمبر ہر دو روز مرزائیوں کے ساتھ فیصلہ کن مناظرہ ہوا۔ حق و باطل میں امتیاز پیدا ہو کر رہا۔ آفتاب صداقت کے طلوع سے کذب و افترا کی تاریکیاں دور ہو کر رہیں۔ حیات مسیح علیہ السلام پر مولانا ابوالقاسم محمد حسین صاحب کے دلائل کا کوئی معقول جواب مرزائی مناظر محمد سلیم نہ دے سکا۔ اجراء نبوت پر ملک عبدالرحمن خادم مدعی تھا۔ اسلامی مناظر مولانا ابوسعید محمد شفیع صاحب نے اس کے دلائل کے پر نچے اڑا دیئے۔ مورخہ ۱۹ ستمبر بعد دوپہر ختم نبوت پر مولانا ابوالقاسم صاحب کے ساتھ محمد سلیم کا مناظرہ ہوا۔ مرزائی مناظر نے خلطِ مبحث اور خلاف ورزی شرائط سے کام لینا چاہا۔ مرزائی صدر ملک عبدالرحمن خادم فحش کلامی پر اتر آیا۔ اس نے معزز حاضرین کو غلیظ اور گندی گالیاں دیں۔ ملک عباس خان ہیڈ کانسٹیبل پولیس نے مداخلت کر کے امن قائم کر دیا۔ ورنہ لوگوں کا مشتعل ہو جانا یقینی تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل نے ملک عبدالرحمن کو شرافت اور انسانیت کا واسطہ دیا۔ اور اسے بدزبانی سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ مورخہ ۲۰ ستمبر کو صبح ۹ بجے دعاوی مرزا پر مولانا ابوالقاسم کیساتھ ملک عبدالرحمن کا مناظرہ ہوا۔ اس میں مرزائی مناظر کو شرمناک ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ مرزائی مولوی فاضلوں کی علمیت بے نقاب ہو گئی۔ مولانا ابوالقاسم صاحب نے مرزا قادیانی کی کتاب سے انا مہلکو بعلہا پڑھا۔ محمد سلیم وغیرہ نے شور مچایا۔ کہ لام کو کسور پڑھنا جائز نہیں۔ اس پر ان کو چیلنج دیا گیا کہ اس جگہ بعلہا جائز ثابت کر دیں۔ مرزائی یہ سن کر مبہوت ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ خادم مرزائی قرآن مجید کی آیات صحیح نہ پڑھ سکا۔ اس مناظرہ نے مرزائیوں کا رہا سہا وقار خاک میں ملا دیا۔ الحمد للہ کہ نواح سلانوالی میں



مرزائیت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ان کی ترقی کی رفتار رک گئی۔ (برق آسمانی بر خرمن قاد یانی صفحہ ۱۴۱ از مولانا ظہور احمد بگویی)

ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں فتنہ قادیانیت کی نقاب کشائی کی۔

”حضرات! ہم بد قسمتی سے ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں جبکہ اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ مذہبی و سیاسی تکالیف میں ہم گھر چکے ہیں۔ امت میں تفرقہ پڑ چکا ہے۔ نئے نئے جھگڑے پیدا ہو رہے ہیں۔ ان تمام مصائب کو اندرونی فتنوں نے زیادہ مہیب بنا دیا ہے۔ تمام فتنوں سے زیادہ خطرناک فتنہ مرزائیت ہے جس کی وجہ سے باپ سے بیٹا الگ اور بیٹے سے باپ الگ ہو چکا ہے۔ مرزائیوں کے نزدیک چالیس کروڑ مسلمانان عالم کافر ہیں کیا یہ ماتم کا موقع نہیں کہ باپ کا جنازہ مرزائی بیٹا پڑھنے سے انکار کر دیتا ہے۔ غور کا مقام ہے مرزا قادیانی کے آنے سے ملت اسلام کو کس قدر خسارہ پہنچا۔ اس نام کے مسیح نے کس قدر مسیحائی کی۔ مرزا قادیانی کا فتویٰ ہے کہ تم پر حرام ہے کہ کسی مکفر کذب یا مردود کے پیچھے نماز پڑھو۔ مرزا قادیانی اپنے نہ ماننے والوں کو زانیہ عورتوں کی اولاد بتلاتے ہیں۔ تمام دنیا کی گالیاں جمع کی جائیں تب بھی اس گالی کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ ہماری نیکو کار اور صالح ماؤں کو ایسی غلیظ گالی دی گئیں۔ ”من یشاقق الرسول الایہ“ میں حق و باطل کا امتیاز بتایا گیا ہے سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

میری امت ۷۲ گروہوں میں منقسم ہو جائے گی وہ تمام دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک گروہ کے اور اس ناجی گروہ کا نشان امتیازی یہ بتایا۔ ”ما انا علیہ واصحابی و علیکم بالجماعۃ اتبعوا لسواد الاعظم“ یعنی وہ گروہ جو رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کے طریقہ پر ہوگا اور سب سے بڑا ہوگا۔ مرزا یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم رسول ﷺ کے مخالف نہیں مگر آیت میں ایسے منکرین کا نشان و منبع غیر سبیل المؤمنین بتلایا گیا ہے۔ مومنوں کا راستہ چھوڑ کر غیر راستہ اختیار کرنے والے گمراہ ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ”خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم“۔ لہذا اس کسوٹی سے بہتر کوئی کسوٹی ہو نہیں سکتی۔ جو بات خیر و القرون میں نہ تھی وہ بری ہے

جمہور المسلمین اور سواد اعظم اسلام خیر القرون کے لوگوں کی اتباع تا قیامت قائم رہے گی۔ اس کے بعد مولانا ممدوح نے مختصر طور پر مرزا قادیانی کی سوانح عمری سیالکوٹ میں محرری مختاری کے امتحانات میں فیل ہونا اور براہین احمدیہ کی اشاعت وغیرہ کے حالات بیان کر کے مرزائیوں کو چیلنج دیا کہ وہ مرزا کو سچا انسان ثابت کر دیں۔ حسب ذیل امور کا حوالہ پیش کیا ”مرزا قادیانی نے کتاب براہین احمدیہ کے اشتہار میں اعلان کیا کہ یہ کتاب تین سو دلیل کا مجموعہ ہوگی۔ پھر اعلان کیا کہ کتاب تالیف ہوگئی ہے اور تین سو جزو تک پہنچ گئی ہے۔ لوگوں سے دس دس روپیہ پیشگی قیمت وصول کی۔ مرزائیوں میں اگر ہمت ہے تو کم از کم موجودہ شکل میں ہی تین سو جزو والی کتاب دکھا دیں ورنہ یہ تسلیم کریں کہ مرزا قادیانی نے جھوٹ بولا اور صرف جھوٹ ہی نہیں بولا بلکہ لوگوں کو نہایت چالاکی اور ٹھگی سے لوٹا۔ براہین احمدیہ اس وقت ۳۵ جزو کی موجود ہے بقایا ۲۶۵ جزو کہاں ہیں؟ جس کے متعلق صفحہ ۲ پر لکھتا ہے ”ہم نے صد ہا طرح کے فتوے دیکھ کر اس کو مرتب کیا اور صفحہ ۲ پر لکھتا ہے کہ ہم نے کتاب براہین احمدیہ کو تالیف کیا ہے کہ تین سو دلائل پر مشتمل ہے۔ اس سے اسلام کا کیسا جاہ جلال چمکے گا“۔ ٹائٹل جلد اول پر لکھا ہے کہ پہلے یہ کتاب ۳۵ یا چالیس جزو قیمت دس روپیس..... مگر تالیف تین سو جزو تک پہنچ گئی ہے۔ اے عقل والو انصاف کرو!

مرزا قادیانی نے تین سو جزو کا چکما دے کر کس قدر مخلوق سے روپیہ بٹور لیا۔ کیا نبی کی یہ ہی شان ہے اس اعتراض کو دل میں رکھ کر مرزائی معلوم کریں کہ کیا مرزا راست باز انسان تھا! خیر القرون میں یہ ہی عقیدہ تھا کہ ہر قسم کی نبوت کا مدعی کافر ہے اور سلسلہ نبوت بند ہے۔ مگر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے ”انا خاتم النبیین لا نبی بعدی“۔ مرزا نے خود ”حماۃ البشری“ صفحہ ۲۰، ۳۰ پر ختم نبوت کا اقرار کیا ہے۔ اجماع امت گواہ ہے۔

مرزا قادیانی نے ازالہ اوہام میں ایک ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار شائع کیا جس میں یہ بتایا کہ توفی کے معنی سوائے موت اور کسی معنی میں استعمال نہیں ہو سکتے مگر میں عرصہ چھ سال سے اعلان کر رہا ہوں کہ مرزائی اس معاملہ میں مجھ سے فیصلہ کرائیں اور ایک ہزار روپیہ کسی معتبر کے پاس جمع کروائیں مگر صدائے برنخواست (ماہنامہ ٹیمس الاسلام بھیرہ۔ فروری مارچ ۱۹۹۹ء)

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکیش

(۱۸۹۹-۱۹۵۹ء)

آپ کا اسم گرامی مرتضیٰ احمد خان تھا اور میکیش تخلص فرمایا کرتے تھے۔ والد گرامی کلانا نام محمد مرید احمد خان تھا۔ افغان قبیلے محمد زئی درانی سے تعلق تھا آپ کے جدا امجد افغانستان سے ہجرت کر کے برصغیر آئے۔ (اکابر تحریک پاکستان جلد اول صفحہ ۲۵۱ از محمد صادق قصوری)

آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے جناب محمد صادق قصوری (تذکرہ نویس) نے آپ کے حالات زندگی رقم فرماتے ہوئے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۸۹۹ء اور علامہ عبدالحکیم شرف قادری نے ۱۹۰۴ء تحریر فرماتی ہے۔

آپ کی ساری زندگی صحافت اور تحریکوں میں بسر ہوئی۔ تحریکی زندگی کا آغاز آپ نے ۱۹۲۵ء میں تحریک ہجرت میں حصہ لے کر فرمایا۔ آپ نے متعدد شہرہ آفاق اخبارات کے ایڈیٹر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے اپنے ذاتی اخبارات بھی نکالے۔ صحافتی فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں آپ نے بیرون ملک دورے بھی فرمائے۔ برصغیر کے مسلمانوں کے لئے علیحدہ مملکت کے قیام کا تصور سب سے پہلے آپ نے ۱۹۲۸ء میں ایک اخبار کے ادارے میں پیش کیا۔ (پاکستان کا مطلب کیا از تہمینہ درانی صفحہ ۶۰ تا ۶۱ اکابر تحریک پاکستان صفحہ ۲۵۲)

آپ کا وصال ۲۷ جولائی ۱۹۵۹ء کو حرکتِ قلب کی بندش کی وجہ سے ہوا۔ اللہ آپ پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے آپ قبرستان گارڈن ٹاؤن لاہور میں آرام فرماہیں۔

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کر چکا ہوں کہ آپ کی ساری زندگی تحریکوں میں گزری تحریک ہجرت، تحریک ترک موالات، تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت نیز ہر طرف آپ ایک قد آور شخصیت نظر آتے ہیں۔ فی الحال ہمارا موضوع تحریک ختم نبوت اور آپ کی خدماتِ جلیلہ ہے۔

یوں تو قیام پاکستان کے ساتھ ہی قادیانیوں نے اس مملکت خداداد کی جڑیں کھوکھلی کرنا شروع

کر دیں تھیں (تفصیلات کے لئے قادیان سے اسرائیل تک از ابو مدثرہ قادیانیت کا سیاسی تجزیہ از صاحبزادہ طارق محمود فیصل آبادی اور تحفظ ختم نبوت از طاہر رازق ایم اے۔ کا مطالعہ سودمند رہے گا) مگر ۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۲ء میں بعض ایسے واقعات رونما ہوئے کہ محبت وطن اور اسلام کا درد رکھنے والے احباب تڑپ کر رہ گئے۔ قادیانی خلیفہ ثانی مرزا محمود احمد نے ڈنکے کی چوٹ کہنا شروع کر دیا کہ ۵۲ء گزرنے سے قبل پاکستان احمدیت کی گود میں پلے ہوئے پھل کی مانند گرے گا اور ہم خونیں ملاؤں سے (ایسے علماء جو عوام کو قادیانیت کے اصل چہرہ کی پہچان کرواتے تھے۔ زاہد) سرعام بدلہ لیں گے۔ قادیانی وزیر خارجہ ظفر اللہ خان نے سرکاری طور پر اندرون خانہ قادیانیت کی تبلیغ کا محاذ کھول رکھا تھا۔ قادیانیوں کی طرف سے توہین انبیاء و صحابہ کرام پر مشتمل واقعات اور خطرناک سیاسی عزائم کے رد عمل کے طور پر ۵۳ء میں ملک بھر میں قادیانیت کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور علماء و مشائخ اپنے تمام پرانے مسلکی اختلافات بھلا کر قائد اہل سنت سید ابوالحسنات محمد احمد قادریؒ کی قیادت میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ مولانا مرتضیٰ احمد خان میکشؒ حضرت ابوالحسناتؒ کے دست راست تھے۔

جولائی ۱۹۵۲ء کو ملتان میں قادیانیوں کے حق میں حکومت کے غیر ذمہ دارانہ رویہ کے خلاف مسلمانوں نے جلوس نکالا۔ تھانہ کپ کے قریب پولیس نے جلوس پر فائرنگ کر دی۔ عوام نے شہر بھر میں تاریخی ہڑتال کر دی۔ حکومت اور ایجنسیاں کئی روز تک بھرپور کوشش کے باوجود ہڑتال کھلوانے میں ناکام رہے تو مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے اکابرین کا ایک وفد اہل ملتان سے اظہار ہمدردی کے لئے لاہور سے ملتان گیا۔ یہ وفد ۲۱ جولائی ۱۹۵۲ء کو لاہور سے روانہ ہوا اسکی قیادت حضرت مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادریؒ فرما رہے تھے آپ بطور خاص جناب مولانا مرتضیٰ احمد خان میکشؒ کو اپنے معاون و مددگار کی حیثیت سے ساتھ لے کر گئے۔ اور یہ وفد اہالیان ملتان کی دلجوئی کر کے ہڑتال کھلوانے اور حکومت کو اہل ملتان کے مطالبات پر غور کرنے پر رضامند کرانے کے بعد کامیاب واپس لوٹا۔

مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے ایک وفد کی وزیراعظم پاکستان خواجہ ناظم الدین سے کراچی میں ملاقات ہوئی اس وفد میں بھی مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش شامل تھے۔ اس وفد نے ۱۳ اگست کو وزیراعظم سے ملاقات میں کئی مطالبات کی یاد دہانی کرائی۔ اور خواجہ ناظم الدین نے وعدہ کیا کہ وہ ۱۴ اگست

۱۹۵۳ء کو قوم سے خطاب کے دوران مسئلہ ختم نبوت اور قادیانیت سے متعلق عوامی امنگوں کے مطابق انصاف پر مبنی فیصلہ کا اعلان فرمادیں گے۔ مگر ۱۱ اگست کے خطاب میں خواجہ صاحب نے مذکورہ مسائل کا ذکر تک نہ کیا لہذا قائدین تحریک کو شکر پسند اور ناپسندیدہ عناصر کے القابات سے نوازا۔ نتیجہً ۱۱ اگست ۵۳ء کو دفتر ”روزنامہ زمیندار“ میں مجلس عمل کا اجلاس ہوا۔ اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ ۲۳ اگست ۱۹۵۳ء بوقت ساڑھے آٹھ بجے شب بیرونِ دہلی دروازہ باغ میں مولنا ابوالحسنات محمد احمد قادریؒ جلسہ عام منعقد کیا جائے۔ چنانچہ جلسہ عام منعقد ہوا۔ اس میں مولنا مرتضیٰ احمد خان میکشؒ نے کراچی میں خواجہ ناظم الدین سے اپنی اور اپنے وفد کی ملاقات کے تناظر میں خطاب فرماتے ہوئے فرمایا۔

”ہم نے وزیر اعظم پر واضح کر دیا ہے کہ مرزائی پاکستان میں کلیدی عہدوں پر قابض ہو کر اس کی لوٹ مار کر رہے ہیں اور مسلمانانِ پاکستان کا حق غصب کر رہے ہیں۔ مرزائیوں نے ربوہ میں متوازی حکومت قائم کر رکھی ہے۔ وہاں قیمتی اراضی کوڑیوں کے بھاؤ قادیانیوں کو الاٹ کر دی گئی ہے۔ نیز مرزائی وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ماتحت عملہ کو مرتد کر رہا ہے۔ بطور مثال ہم نے ان پر واضح کیا کہ فلاں انڈر سیکرٹری جو پہلے مسلمان تھا اب ترقی کے لالچ میں ظفر اللہ خاں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مرزائی بن چکا ہے۔ آپ نے عوام الناس سے اپیل کی کہ وہ ایسے مرزائی افراد کی فہرست سے حکومت اور مجلس عمل کو آگاہ کریں جنہوں نے مختلف چیزیں ناجائز الاٹ کروا کر مہاجرین کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کراچی سے واپسی پر ہم نہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ہم پوری طرح کام یاب ہوئے ہیں اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ناکام واپس لوٹے ہیں۔“ (تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۵۹ از مولنا اللہ وسایا۔)

جب مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی تشکیل ہوئی تو تمام نمائندہ مسلم جماعتوں کی طرف سے دودو نمائندے چنے گئے۔ اخبارات کی جانب سے لئے گئے دو نمائندے مولنا اختر علی خان اور مولنا مرتضیٰ احمد خان میکش تھے۔ (ایضاً ۱۸۴)

آل مسلم پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے اجلاس منعقدہ ۱۸ جولائی ۱۹۵۲ء میں مختلف قرار دادیں برائے منظوری پیش کی گئیں تاکہ منظوری کے بعد یہ مطالبات وزیر اعظم پاکستان اور وزیر اعلیٰ

پنجاب کی خدمت میں میں پیش کی جاسکیں۔ ان قراردادوں میں قرارداد نمبر ۴ ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے۔

قرارداد نمبر ۴..... اراضی ربوہ کی واپسی کا مطالبہ

محرک: مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش

موسید: قاضی مرید احمد ایم ایل اے۔

”آل مسلم پارٹیز کنونشن..... مرزائی پارٹی کی گزشتہ تاریخ کے پیش نظر قادیان میں دن دہاڑے قتل کرانا، مکانات کا جلانا، اخراج از شہر کی سزا، دیوانی و فوجداری مقدمات میں جرمانہ، قسرقی جائیداد سزائے بید زنی دینا اور باوجود ان سب باتوں کے پولیس کا گواہ مہیا کرنے سے عاجز رہنا اور قانون کا شل ہو جانا جس پر انگریزی عدالتوں کے فیصلہ جات گواہ ہیں اس خیال کو تقویت پہنچاتا ہے کہ ربوہ کی آبادی جو اب صرف قادیانیوں کی بنائی جا رہی ہے۔ جس کے ارد گرد کے بارہ مواضع کی متروکہ اراضی جو مہاجرین کو الاٹ ہوئی تھی ان سے چھین کر مرزائیوں کے حوالے کی جا رہی ہے۔ جس میں کسی دیگر فرقہ کی کوئی آبادی نہیں ہوگی۔ گزشتہ حالات و واقعات کے اعادہ کا باعث بنتی جا رہی ہے اس لئے یہ کنونشن حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ تعمیر شدہ عمارتوں کے علاوہ باقی خالی زمین واپس لیکر دیگر فرقوں کو آباد کر کے آنے والے خطرات کا سدباب کرے“ (تحریک ختم نبوۃ ۱۹۵۳ صفحہ ۱۱۹۵ از مولانا اللہ وسایا)

قائدین تحریک ختم نبوۃ نے ہر ممکن کوشش کی ملک میں دنگا فساد نہ ہو اور حکومت اسلامیان پاکستان کے جائز مطالبات تسلیم کر لے۔ مگر حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ۲۸/۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو حکومت نے پوری قیادت کو گرفتار کر لیا۔ اکثر علماء کرام کراچی، لاہور اور دوسرے شہروں میں گرفتار ہو گئے۔ اب حکومت کے خلاف تحریک شروع ہو گئی۔ مولانا خلیل احمد قادری، مولانا عبدالستار نیازی، مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش اور مولانا اختر علی خان نے تحریک کو قائم رکھا۔ جب عوام کا دباؤ بڑھا تو حکومت نے کوتاہ اندیشی سے کام لیتے ہوئے تحریک کو زور بازو سے کچلنے کا پروگرام بنایا۔ نتیجہ ۶۵ مارچ ۱۹۵۳ء کو پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ لاہور میں مارشل لا لگا دیا گیا۔ اپنی فوج کو اپنے نہتے بے گناہ عوام پر

گولیاں برسائے پر مجبور کیا گیا۔ دو تین دن میں ۱۰ ہزار مسلمان صرف لاہور میں شہید کر دیئے گئے۔ زخمی ہونیوالوں کی تعداد تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ بہر حال قیادت کو گرفتار کر کے اور عوام پر تشدد کر کے حکومت وقتی طور پر تحریک کو دبانے میں کامیاب ہو گئی۔ جسٹس محمد منیر اور جسٹس ایم آر کیانی پر مشتمل دور کئی بیچ تشکیل دیا گیا کہ تحریک کے اسباب و واقعات اور نتائج سے حکومت کو آگاہ کرے۔ جسٹس محمد منیر نے نہایت بے غیرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قادیانیوں کے کھونٹے پرناچتے ہوئے تضادات سے بھرپور ایک رپورٹ مرتب کر کے حکومت پنجاب کو پیش کی۔ جسٹس منیر کے سامنے مجلس عمل کی نمائندگی بھی مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش اور مولانا مظہر علی اظہر کے حصہ میں آئی۔ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے قائدین کی جانب سے تیار کردہ بیان مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش اور مولانا مظہر علی اظہر ایڈوکیٹ نے ۱۷ اگست ۱۹۵۳ء کو تحقیقاتی عدالت کے سامنے پیش کیا۔ (تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۵۵۷ از مولانا اللہ وسایا۔) یہ بیان پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ قائدین مجلس عمل نے حوالہ جات اور حقائق و واقعات کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ مرزائی اپنی ہی تحریروں کی روشنی میں کافر ہیں اور تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں تشدد کی لہر مرزائیوں کی سازشوں اور حکومت کی نااہلی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ نیز قادیانی وزیر خارجہ ظفر اللہ خان کی اسلام اور پاکستان کے خلاف سازشوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ تفصیل کے لئے تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء از مولانا اللہ وسایا صاحب کے صفحات ۶۰۴ تا ۵۵۷ کا مطالعہ فرمائیے۔ مذکورہ بیان میں بھی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت نے عدالت عالیہ سے اپنے دلائل کے حق میں گواہی کے لئے مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری اور مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش کے نام پیش کئے ہیں۔

دوران جرح تحقیقاتی عدالت کے سربراہ مسٹر جسٹس منیر نے احراری اور سنی اختلافات کو ہوا دینے کی غرض سے مولانا مرتضیٰ احمد خان سے سوال کیا کہ آپ (سنی ہوتے بھی) مجلس احرار کی وکالت کیوں کر رہے ہیں؟ اس پر آپ نے فرمایا۔

”میں مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی وکالت کر رہا ہوں جس میں نودینی جماعتیں شامل ہیں نیز یہ کہ مجھے سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے سیاسی اختلاف ضرور ہے مگر مرزاہیت کے احتساب کے لئے ان کا پوری قوم پر عظیم احسان سمجھتا ہوں۔ اگر شاہ صاحب میرزاہیت کا احتساب نہ کرتے تو شاید آج پورا ملک

مرزائیت کے دام تزویر میں ہوتا۔ آپ کا دندان شکن اور خلاف توقع جواب سن کر جسٹس منیر کا منہ لٹک گیا۔ (تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء صفحہ ۵۵۴ از مولانا اللہ وسایا صاحب)

جب جسٹس منیر اور جسٹس کیانی کی مرتب شدہ مطبوعہ رپورٹ منظر عام پر آئی تو آپ نے اس پر بڑا جامع و بلیغ تبصرہ تحریر فرمایا۔

رپورٹ کے تضادات پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

”عدالت تحقیقاتِ فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء کی جو رپورٹ ایک ضخیم کتاب کی شکل میں شائع ہوئی ہے اس ہاتھی کی مانند ہے جس کے مختلف اعضاء کو چھ اندھوں نے اپنے ہاتھ سے ٹولا اور اپنی جس لامسہ کی بدولت ہر ایک نے ہاتھی سے متعلق اپنا جدا جدا تصور قائم کر لیا۔ ایک نے کہا ہاتھی عمارت کے ستون کی مانند تھا۔ دوسرے نے کہا بہت بڑا چھانچا تھا۔ تیسرے نے موٹے سے اڑدھے سے تشبیہ دی تو چوتھے نے ہاتھ بھر کی رسی کہہ ڈالا پانچویں نے کہا وہ تو ناہموار سا چبوترہ تھا چھٹا بولا مجھے تو ایک دیوار سے زیادہ کوئی چیز محسوس نہیں ہوئی۔ اس رپورٹ نے بعینہ وہی کیفیت عامۃ الناس میں پیدا کر رکھی ہر شخص اپنی سمجھ اور ضرورت کے مطابق اس کے متعلق اپنا خیال اور تصور قائم کر چکا ہے (تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء صفحہ ۶۴۹ از مولانا اللہ وسایا صاحب)

آپ کے تحریر شدہ تبصرہ کے آخر پر ۲۱ اگست ۱۹۵۴ء کی تاریخ اور آپ کے دستخط موجود ہیں۔ تحفظ عقیدہ ختم نبوت اور ردِ مرزائیت کے سلسلہ میں مولانا مرحوم کی مندرجہ ذیل مستقل تصانیف بھی منصفہ شہود پر آچکی ہیں:

۱۔ ”البرز شکن گرز عرف مرزائی نامہ“

مولانا مرحوم نے ۱۹۳۸ء میں روزنامہ ”احسان“ میں اشتہار دیا کہ مرزائیوں کو دین اسلام کی حقیقت سمجھنے میں اگر کوئی دشواری ہو تو وہ مجھ سے رابطہ کریں میں تسلی بخش جواب دوں گا۔ اس سلسلہ میں مرزائی استفادات موصول ہونا شروع ہو گئے اور آپ روزنامہ احسان اور زمیندار میں ان کے تسلی بخش اور جامع جوابات لکھتے رہے۔ بعد میں ان تمام مضامین کو کتابی شکل میں یکجا کر کے ”البرز شکن گرز عرف

مرزائی نامہ“ کے تاریخی نام سے شائع کر دیا گیا۔ کتاب کے نایاب ہو جانے اور اس کی اہمیت کے پیش نظر عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت ملتان نے حال ہی میں اسے دوبارہ شائع کیا ہے۔ ۲۴۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۹۳۸ میں منظرِ عام پر آئی۔

۲۔ ”پاکستان میں مرزائیت“

اس کتاب میں پاکستان میں میرزائیت کے پھیلنے سے متوقع نقصانات، مرزائیوں کے اقتدار پر قبضہ کرنے کے ناپاک منصوبے، مرزائیوں کی ہوسِ اقتدار پر ذہنی تربیت کا عکس، ایک مکمل ریاست کی طرح مرزائیوں کے محکمے غرضیکہ قادیانیت کو مذہبی لبادہ سے باہر لا کر اس کی سیاسی حقیقت کو عیاں کیا گیا ہے۔ قادیانیت کے سیاسی خدو خال اس وقت تک سامنے آ ہی نہیں سکتے جب تک اس کتاب کا مطالعہ نہ کر لیا جائے۔ ۸۰ صفحات پر مبنی یہ خزانہ علم ۱۹۵۰ء میں چھپ کر عوام کے ہاتھوں میں آیا۔

۳۔ محاسبہ

جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ رسوائے زمانہ منیر رپورٹ پر آپ نے نہایت جامع اور بلغ تبصرہ تحریر فرمایا تھا۔ اسی تبصرہ کو ”محاسبہ“ کے نام سے شائع کر دیا گیا تھا۔ اس کے ۵۶ صفحات ہیں اور ۲۱ اگست ۱۹۵۴ کو یہ ”محاسبہ“ شائع کیا گیا۔

۴۔ قادیانی سیاست

یہ آٹھ صفحاتی پمفلٹ ۵ جنوری ۱۹۵۱ء کو شائع ہوا اس رسالہ میں قادیانی سیاست کی منافقانہ کشتی کو کھنور میں پھنسا ہوا دکھایا گیا ہے۔

مولوی مہر دین انصاری

مولوی مہر دین کے آبا و اجداد کلانور انڈیا کے رہنے والے تھے۔ جو کہ مغل بادشاہوں کا پایہ تخت تھا۔ مولوی مہر دین کا والد لال دین عرف لالہ انصاری کلانور سے نقل مکانی کر کے ضلع گورداسپور کے قصبہ قادیان میں رہائش پذیر ہوئے۔ لالہ انصاری آتشبازی کا کام کرتے تھے۔ پارچہ بانی بھی کرتے رہے۔ ان کی آتشبازی کی فیکٹری میں کافی کام کرتے تھے۔ میٹرک تک تعلیم پائی۔ دینی علوم پر دسترس حاصل تھی۔ بڑے نیک سیرت اور آل انصار میں سے معزز اور بڑے دبدبے والے شخص تھے۔ پابند صوم و صلوة اور قادیان میں مرزا کے ہمسائے تھے۔ انہوں نے ۹۵ سال کی عمر میں ۶ جون ۱۹۳۶ء میں وفات پائی۔

ان کے ہاں کلانور میں مولوی مہر دین نے جنم لیا۔ والد کی پاکیزہ تربیت اور اسلامی تعلیم کا رنگ بیٹے پر چڑھ گیا۔ اور مہر دین انصاری نے رد مرزائیت کے لئے بڑا جہاد کیا۔ ان کی بیوی رمضان بی بی بھی راسخ العقیدہ خاتون تھی۔ دونوں نے اپنی زندگی قادیان میں گزاری اور قادیان میں دفن ہوئے۔ مولوی مہر دین کی پوتی خورشید بی بی جو کہ ان دنوں موہنی روڈ لاہور میں رہائش پذیر ہے۔ انہوں نے راقم الحروف کو بتایا کہ

مولوی مہر دین قادیان کے رہنے والے اور مرزا قادیانی کے ہمسائے تھے۔ اس لئے مرزا قادیانی نے ان کو مرزائیت کی دعوت دی۔ آپ نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ ہمارا نبی آخری نبی ہے۔ قادیان کے اردگرد کے دیہات اور مضافات میں اکثر رد مرزائیت کے بارے میں جلسے منعقد ہوتے تو مولوی مہر دین ان اجلاس میں شعلہ بیانی کرتے۔

مرزائیوں نے دیکھا کہ مہر دین انصاری ہر وقت ان کے ہر منصوبہ کو ناکام کرنے کے درپے رہتا ہے۔ ان کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ایک روز بٹالہ کی جامع مسجد سے آپ جمعہ کی نماز پڑھ کر

آ رہے تھے۔ کہ جمعہ کے اجتماع میں سے مولوی مہر دین انصاری کا ہم شکل ایک لوہار میمیلی کا نوجوان ایک مرزائی پٹھان کو مل گیا۔ تو اس نے اس لوہار کو مولوی مہر دین سمجھ کر خنجر سے ہلاک کر دیا۔ مولوی مہر دین انصاری نے اس لوہار کی شہادت پر احتجاجی جلوس نکالا اور لوہار کی لاش کو بیٹالہ کی گلیوں میں جلوس کی شکل میں گھمایا اور مرزائیوں کے خلاف نعرے لگوائے۔ مرزائیوں کو خدشہ ہوا کہ مولوی مہر دین کے پاس کوئی غیبی طاقت ہے۔ کہ اکیلا اور غریب آدمی قادیان کی مرزائی اکثریت کا ڈٹ کر کیسے مقابلہ کر رہا ہے! تو مرزا قادیانی کے بیٹے اور مرزائیوں کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود نے ایک روز مولوی مہر دین انصاری کے گھر میں بغیر اجازت گھس کر سی آئی ڈی کرنا چاہی، مولوی مہر دین کی بیٹی حمیداں بی بی جو کہ اپنے مکان کی دیوار کی لپائی کر رہی تھی۔ اس نے مرزا بشیر الدین محمود کو اپنے گھر میں بغیر اجازت آنے پر روکا اور گریبان مٹے پکڑ کر دبوچ لیا۔ اور مٹی سے بھرے ہوئے ہاتھ سے تھپڑ رسید کئے۔

مہر دین انصاری کو اللہ پاک نے کرامات اور روحانیت کی دولت سے بھی مالا مال فرمایا تھا۔ ایک روز آپ قادیان سے باہر سیر کرتے کرتے مرزائیوں کے آموں کے باغ سے گزر رہے تھے کہ مرزائیوں نے ان کو پکڑ کر باغ میں ایک کچے مکان کے اندر قید کر دیا۔ رات کے وقت مولوی مہر دین نے دیکھا کہ ایک دم کمرے کا دروازہ کھل گیا ہے۔ اور آپ اپنے گھر تشریف لے آئے۔ اگلے روز مرزائیوں نے مولوی مہر دین کو پولیس کے ذریعہ گرفتار کرنا چاہا۔ تو مولوی مہر دین کے ایک دوست مست بابا نے (جو کہ اکثر چپ کا روزہ رکھتے تھے۔) بتایا کہ آج آپ کو پولیس گرفتار کر لے گی۔ تو واقعی اگلے روز پولیس نے مولوی مہر دین کو گرفتار کر لیا۔ سپاہی جب ہتھکڑی لگانے لگے تو ہتھکڑی نہ لگتی تھی۔ لہذا ان کو بغیر ہتھکڑی کے قادیان کے تھانہ میں لے گئے۔ اور جیل میں بند کر دیا۔ آدھی رات کے وقت جیل کا دروازہ خود بخود کھل گیا۔ تھانہ والوں نے بھی یہ کیفیت دیکھی تو آپ کو انسپکٹر نے باعزت گھر پہنچانے کا بندوبست کر دیا۔

مولوی مہر دین آخری ایام میں رحلت سے ۶ ماہ قبل سخت بیمار ہو گئے۔ ایک شام آپ بے ہوش پڑے تھے۔ اور ان کے عزیز واقارب دلداری کے لئے ارد گرد جمع تھے۔ اور باری باری آپ کو بلا رہے تھے کہ میاں مہر دین نے ان کو بولنے سے اشارتا منع کیا۔ کچھ توقف کے بعد مولوی مہر دین نے بتایا

کہ میں اس وقت بارگاہ رسالت میں حاضر تھا۔ اور آنحضرت کی زیارت سے بہرہ ور ہو رہا تھا۔ آنحضرت نے مجھے فرمایا کہ تم بیماری سے گھبراؤ نہیں۔ ابھی تمہاری زندگی چھ ماہ باقی ہے۔ وفات جمعرات کے روز ہوگی۔ اور مغرب کی اذان ہو رہی ہوگی۔ پھر یہی ہوا۔ پورے چھ ماہ بعد جمعرات کے دن مغرب کی اذان کے وقت ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملی۔ آپ نے ۵۰ سال تک مرزائیوں کی یلغار کو روکنے کے لئے جدوجہد کی تھی۔ قادیان کے ہسپتال میں آپ نے مرتے وقت وصیت کی تھی۔ کہ ان کو قادیان کے قبرستان میں بڑے راستے کے کنارے کے قریب دفن کیا جائے۔ تاکہ جب اس راستے سے مرزائی گزریں۔ تو ان کی قبر سے بھی ڈرتے ڈرتے گزریں۔

مولوی مہر دین کی وفات پر مرزائیوں نے بڑی خوشی منائی۔ باجے بجوائے اور آتش بازی چھوڑی۔ آپ کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں نے بھی ردِ مرزاہیت کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ جس سے مرزائی ان کو اپنا حریف سمجھتے تھے۔ اور کئی بار آنا سامنا بھی ہوا۔ ایک مرتبہ مولوی مہر دین کے بیٹے محمد اسحاق کو مرزائیوں نے اپنے قبرستان (بہشتی مقبرہ) میں پکڑ کر زد و کوب بھی کیا۔ آخری نبی کا عاشق اس وقت قادیان کی زمین پر محو خواب ہے۔ اور تقسیم پاکستان کے بعد ان کی اولاد ہجرت کر کے پاکستان کے شہر لاہور میں سکونت پذیر ہے۔ اور یہاں بھی مرزائیوں کو بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَبِیْدِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَبِیْدِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَبِیْدِ

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی

(۱۸۵۹-۱۹۳۷ء)

لَمْ يَأْتِي نَظِيرَكَ فِي نَظَرٍ!

مِثْلُ تُو نَشُدُ بِيَدَا جَانَان!

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا

گستاخ اکھیں کتھے جاڑیاں!!

حضرت پیر مہر علی شاہ کیم رمضان المبارک ۱۲۷۵ھ بمطابق ۱۲ اپریل ۱۸۵۹ء بروز سوموار گولڑہ شریف ضلع روالپنڈی میں تولد ہوئے۔ (مہر منیر از مولانا فیض احمد فیض، ص ۶۱۔) جب یہ آفتاب ولایت طلوع ہوا تو برصغیر کے مسلمان زوال کی اتھاہ گہرائیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ آپ کے اجداد بارہویں صدی ہجری میں ساڈھورا نزد انبالہ سے ناسازگار حالات کے باعث نقل مکانی کر کے گولڑہ شریف تشریف لے آئے تھے۔ آپ کے والد محترم حضرت پیر سید نذر دین المعروف بہ اجی صاحب صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ عین عالم شباب میں ایک سازش کے تحت ان کو آگ میں جلانے کی کوشش کی گئی مگر محض فضل ربانی کی وجہ سے آپ محفوظ و مامون رہے۔ سینکڑوں لوگوں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا۔ (ایضاً ص ۵۵-۱۲۰)۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی "نجیب الطرفین گیلانی سید تھے۔ آپ نے اپنے زمانہ کے مشہور ہندوستانی علماء کرام سے رسمی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ کرام میں مولانا احمد علی محدث کانپوری، مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی اور مولانا سلطان محمود انگوی کے نام نمایاں ہیں۔ زمانہ طالب علمی میں ہی آپ کے علمی خزانے کا ظہور شروع ہو گیا تھا۔ آپ کے سوانح نگار مولانا فیض احمد فیض نے "مہر منیر" کے دوسرے باب میں آپ کے چند ایسے فتاویٰ اور مناظروں کا ذکر فرمایا ہے جو آپ کے زمانہ طالب علمی کی یادگار ہیں۔

۱۸۷۸ء میں تقریباً بیس برس کی عمر میں آپ علوم رسمیہ سے فارغ ہو کر واپس گولڑہ شریف تشریف لے آئے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد حسن ابدال کے مشہور بزرگ سید چراغ علی شاہ کی دختر نیک اختر سے آپ کی شادی خانہ آبادی انجام پاگئی۔ آپ نے علوم ظاہریہ سے فارغ التحصیل ہونے کے فوراً بعد گولڑہ شریف کی پرانی مسجد میں سلسلہ درس و تدریس شروع فرمایا۔ آپ کی روحانی بیعت سلسلہ عالیہ قادریہ میں اپنے بزرگ حضرت سید پیر فضل دین شاہ گیلانی المعروف بہ بڑے پیر صاحب (جو کہ حضرت قبلہ عالم کے والد صاحب کے سگے ماموں تھے) سے تھی جبکہ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں آپ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف تھے۔ اور دونوں سلاسل سے آپ کو خلافت و اجازت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۱۳۰۰ھ میں آپ کے شیخ طریقت حضرت قبلہ شمس الدین سیالوی اس دنیا سے رخصت ہو گئے مگر آپ کا کاسہ تحقیق حق ابھی معمور نہ ہوا تھا چنانچہ آپ نے علوم رسمیہ کی درس و تدریس کو خیر باد کہہ کر اپنے جد امجد حضرت غوث اعظم کی سنت مطہرہ کی پیروی کرتے ہوئے جہاں گردی اور صحرا نوردی اختیار فرمائی۔ اسی جہاں گردی کے دوران آپ نے لاہور، ملتان، پاکپتن، مالیر، کوٹلہ، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان، جمیر شریف اور سب سے آخر میں حسن ابدال کا سفر اختیار فرمایا۔ یہ زمانہ کم و بیش سات برس پر محیط ہے۔

۱۸۹۰ء/۱۳۰۷ھ میں لاہور کے ایک شاعر ہدایت اللہ نے آنحضرت ﷺ کی شان میں کچھ شوقیہ و فراقیہ اشعار تحریر فرمائے۔ یہ اشعار جب آپ نے پڑھے تو آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ فوراً اٹھ کر ریلوے سٹیشن کی طرف چل دیئے اور اپنے خادم خاص مولانا محبوب عالم کو کہلوا بھیجا کہ میرے اور دو وظائف اور لوازمات سفر لے کر فوراً ریلوے سٹیشن پہنچو۔ مولانا محبوب عالم نے فوراً تعمیل ارشاد فرمائی اور آپ لاہور کا ٹکٹ لے کر ریل میں سوار ہو گئے اور تلقین فرمادی کہ لمبے سفر پر جا رہا ہوں شام تک کسی کو اطلاع نہ کرنا، لاہور پہنچ کر آپ نے خط لکھ کر گھر اطلاع فرمادی کہ مدینہ طیبہ کی حاضری کے ارادہ سے جا رہا ہوں۔ مکتہ المکرمہ میں مدرسہ صولتیہ کے صدر حاجی رحمت اللہ مہاجرکی اور استاذ العلماء مولانا محمد غازی نائب مدرس سے ملاقات ہوئی اور دونوں حضرات آپ کے علم و عمل سے ایسے متاثر ہوئے کہ مولانا رحمت اللہ مہاجرکی نے حصول بیعت کی خواہش کا اظہار کیا مگر آپ نے ان کی عمر اور علم و فضل کا

پاس کرتے ہوئے معذرت چاہی۔ جبکہ مولانا محمد غازی صاحب تو ایسے گرویدہ ہوئے کہ سب کچھ چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہی گولڑہ شریف تشریف لے آئے۔ قیام مکہ کے دوران ہی آپ کی ملاقات حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی سے بھی ہوئی اور وہ بھی آپ کے علم و فضل کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اپنا سلسلہ چشتیہ صابریہ عنایت فرما دیا۔

ردِ قادیانیت :-

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولسہبی

خیر و شر نیکی و بدی کی قوتیں ازل سے برسرِ پیکار چلی آرہی ہیں۔ آدم و ابلیس، ابراہیم و نمرود، موسیٰ و فرعون اور چراغِ مصطفوی سے شرِ اشرِ بولسہبی نبرد آزار رہا ہے۔ مگر ابرہہ رحمت و نصرت ہمیشہ اہل حق کے سروں پر سایہ فلکین رہا۔

اعلیٰ حضرت مجدد گولڑوی کی تخلیق ایک خاص مشن کے لئے ہوئی تھی، حق گوئی و بے باکی سرشت میں تھی۔ اعلاء کلمۃ الحق کا جذبہ رگ و پے میں جاری و ساری تھا۔ ظاہری و باطنی محاسن کا مجموعہ تھے۔ دین اسلام کی حفاظت اور مدافعت کے لئے مستعد رہتے، خلق خدا کو راہِ راست پر لانے کے لئے اپنی سعی و کوشش جاری رکھتے۔ اپنی کتاب سیفِ چشتیائی میں لکھتے ہیں۔ ”اس نیاز مند علماء و فقراء نے بلوغت سے قبل جب کہ احادیث میں دجال کا نام تک بھی نہ سنا تھا۔ دجال کو مشرقی جانب سے خواب میں آتے دیکھا۔ دائیں آنکھ اس کی پھوٹی ہوئی میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ کہو خدا ایک نہیں۔ میں سخت غضبناک ہو کر کہتا ہوں کہ مردود! خدا تو ایک ہی ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر قدم میری طرف بڑھا کر اس نے مجھ پر تلوار کا وار کیا مگر اس کا وار خطا ہو کر اس کی تلوار میرے سر سے گزرتی ہوئی زمین پر جا پڑی۔ پھر وہ پیچھے کو مینڈھے کی طرح ان ہی قدموں پر پہلی جگہ پر جا کھڑا ہوا اور پھر وہی کلمہ اس نے کہا۔ پھر اس کے جواب میں میں نے بھی وہی کلمہ کہا جو پہلے کہا تھا۔ پھر اس نے میرے گلے پر تلوار کا وار کیا مگر وہ بھی خطا ہو کر تلوار زمین پر جا پڑی۔ تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا۔ بلکہ اس دفعہ تو قبضہ اس کے ہاتھ

میں رہا اور تلوار قبضے سے نکل کر زمین پر جا پڑی۔ تینوں دفعہ بغیر اس کے میں نے سر خم کیا ہو تلوار میرے سر کے اوپر سے گزرتی رہی۔“ (مہر علی شاہ مجدد گولڑوی۔ سیفِ چشتیائی، ص ۲۵۴)

آپ مزید فرماتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ سات یا آٹھ سال کی عمر میں میں نے شیطان کے ساتھ عالم خواب میں کشتی کی جب میں اس پر غالب آ کر ارادہ کرتا کہ اس کو زمین پر دے ماروں اور اپنے دل میں خوش ہوتا کہ اب میں نے اس کو پچھاڑ لیا ہے۔ ناگاہ وہ غالب آ جاتا اور میں مغلوب ہو کر زمین پر گرنے لگتا۔ فوراً لاجول ولاقوۃ الا باللہ کہتا اور یہ کہنے کے ساتھ ہی میں پھر غالب آ جاتا اور وہ مغلوب..... اس وقت میرا دل شہادت دیتا کہ یہ شیطان ہے اور نیز کلمہ لاجول ولاقوۃ الا باللہ کا القاء بدون الہام حق سبحانہ کے ناممکن ہے (گل فقیر احمد پشوری۔ مولانا ملفوظات مہر یہ حصہ اول ص ۲۴۔)

یہ دجال اور شیطان مرزا قادیانی ہے۔ جس کے مقابلہ کے لئے آپ کو ایک عرصہ پہلے تیار کیا جا رہا تھا۔ آپ فرماتے کہ عرب شریف میں قیام کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مجھے اس جگہ رہائش اختیار کرنے کا خیال پیدا ہو گیا مگر حاجی امداد اللہ مہاجر کی نے ارشاد فرمایا کہ

”پنجاب میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا۔ جس کا سدِ باب صرف آپ کی ذات سے متعلق ہے۔ اگر اس وقت آپ محض اپنے گھر میں خاموش ہی بیٹھے رہے تو بھی علماء عصر کے عقائد محفوظ رہیں گے اور وہ فتنہ زور نہ پکڑ سکے گا“ (عبدالحق سسرالوی۔ مولانا ملفوظات، مہر یہ۔ حصہ دوم۔ ص ۶۵)

حضرت مجدد گولڑوی فرماتے تھے کہ اس فتنہ سے مرزا قادیانی کا فتنہ مراد ہے۔

اسی طرح آپ ایک قلمی تحریر میں جو اب مہر منیر میں شامل ہو چکی ہے لکھتے ہیں جن دنوں مرزا قادیانی نے بظاہر تحقیق کی غرض سے اشتہارات کے ذریعہ دعوت دی تھی اور میں اسے منظور کرنے کا ارادہ کر رہا تھا مجھے اس نعمتِ عظمیٰ کا شرف حاصل ہوا۔ میں اپنے حجرہ میں بحالتِ بیداری آنکھیں بند کئے تنہا بیٹھا تھا کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ قعدہ کی حالت میں جلوس فرما ہیں۔ اور یہ عاصی بھی چار بالشت کے فاصلہ پر اسی حالت میں بادبِ تمام شیخ کی خدمت میں مرید کی حاضری کی طرح بالقابل بیٹھا ہے۔ اور مرزا قادیانی اس جگہ سے دور مسرق کی طرف منہ کئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کر کے

بیٹھا ہے۔ اس رویت کے بعد میں احباب کے ساتھ لاہور پہنچا لیکن مرزا اپنے تاکید و وعدہ سے پھر گیا اور لاہور نہ آیا (مہر منیر صفحہ ۲۰۴ مولانا فیض احمد فیض)

اور ملفوظات مہریہ میں حضرت مجدد گولڑوی کا قول درج ہے کہ

عالم رویا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے مرزا قادیانی کی تردید کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص میری احادیث کو تاویل کی مقراض سے کتر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو (عبدالحق مولانا۔ ملفوظات مہریہ۔ حصہ دوم ص ۶۵)

ان حوالہ جات سے کھل کر یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ حضرت مجدد گولڑوی کو قدرت نے دین کی حفاظت و نگہبانی کے لئے پیدا کیا۔ مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت سے پہلے ہی اس طاغوتی قوت سے مقابلہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد گولڑوی کو منتخب فرمایا۔ گویا کہ اس معاملہ میں آپ مامور من اللہ مامور من رسول اور مامور من الشیخ تھے۔

مرزا قادیانی نے ۱۳۰۹ھ میں جوں ہی مسیح موعود ہونے کا دعوے کیا تو آپ نے اس کے خلاف کام کا آغاز کر دیا۔ اپنے روزانہ کے درس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاتم النبیین ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے جسم اطہر سمیت آسمان پر تشریف لے جانا اور قرب قیامت آپ کا نزول فرمانا، اور ان کی حیات کے دوسرے گوشوں کی علمی و عقلی تشریح و توضیح شروع کر دی تھی۔ آپ کے اس درس کی بڑی شہرت ہوئی۔ آپ نے اپنے ارادتمند علمائے کرام کی ان مسائل میں خصوصی تربیت کی جس میں مولانا محمد غازی، مفتی عبدالرحمن جوہپوری، قاضی قدرت اللہ سرحدی، مفتی سلیم اللہ لاہوری، مولانا غلام احمد حافظ آبادی، مولانا محمد حسین فیضی، مفتی غلام مرتضیٰ میانوی، مولانا قائم علی چشتی فاضل لاہوری اور مولانا غلام محمد گھوٹوی، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اور بعض غیر مقلد علماء نے سفارشی خطوط کے ذریعہ آپ کے درس میں رسائی حاصل کی۔ گویا قادیانیت کی تردید اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی خاطر سب سے پہلا مرکز آپ نے گولڑہ میں قائم کیا اور علماء کی ایک جماعت کو دلائل و براہین سے مسلح کیا۔ حکیم نور الدین بھیروی سے خط و کتابت کر کے مرزا قادیانی کے حالات معلوم کئے اور پھر اپنے ایک مخلص شاگرد مولانا ولی احمد ہزاروی کو قادیان بھیج کر صحیح صورت حال سے آگاہی حاصل کی۔ اور ایک عرصہ تدریس و

تقریر کے بعد تحریر کی طرف آئے۔

۱۸۹۸ء میں مرزا قادیانی نے منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں ایک جم غفیر کی موجودگی میں مینار پاکستان والی جگہ پر سٹیج لگائی ہوئی تھی اور بار بار اعلان کر رہا تھا کہ اگر وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے تو اس سٹیج سے اس کا رد کیا جائے۔ مگر جو بھی یہ کوشش کرتا نا کام رہتا۔ آپ اتفاقاً جامعہ نظامیہ بازار حکیمان لاہور میں مقیم تھے۔ قبلہ عالم کی خدمت میں یہ صورت حال پیش کی گئی تو آپ نے مرزا قادیانی کے مقابل آنے کی ٹھانی۔ بقول صاحبزادہ سید نصیر الدین گیلانی مدظلہ العالی خواجگان تونسہ شریف تک نے یوں بر ملا آپ کو اس کے مقابل آنے سے روکنا چاہا۔ اور فرمایا کہ وہ یقیناً کچھ عملیات کا عامل ہے۔ اور علماء کی زبان بندی پر مہارت رکھتا ہے آپ اپنے روحانی تصرفات سے اسکی بیخ کنی فرمائیں۔ مگر مامور من اللہ ہونیکے بشارت کی وجہ سے آپ نے سر عام اس کی سرکوبی کرنے کی ٹھانی اور منٹو پارک روانہ ہو گئے۔ جب آپ شاہی مسجد کی طرف سے جلسہ گاہ میں پہنچے تو مرزا اس وقت بھی اپنے دعویٰ باطل کو سٹیج سے دوہرا رہا تھا۔ پنڈال کے قریب پہنچ کر آپ نے وہاں پر موجود مسلمانوں سے مرزا قادیانی کے دعویٰ کا جواب دینے کی اجازت لی۔ اور فرمایا کہ یہ شخص مسیح موعود (نبی) ہونیکا دعویٰ دار ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے جناب رسول مقبول ﷺ کے اس غلام ابن غلام ابن غلام..... کو اپنی ولایت سے سرفراز فرمایا ہے۔ نبی کا درجہ ہر حال میں ولی سے بالاتر ہوتا ہے۔ میں اس شخص پر چار سوال کرتا ہوں یا یہ ان سوالات کو پورا کر دکھائے اور اپنی صداقت کا ثبوت دے۔ ورنہ پھر میں اس کی تردید کرنیکی غرض سے بفضل ایزد تعالیٰ ان سوالات کا جواب دوں گا۔

۱۔ مرزا قادیانی حکم دے کہ دریائے راوی اپنا موجودہ رخ تبدیل کر کے فی الفور اس پنڈال کے ساتھ ساتھ بہنا شروع کر دے۔ یا میں ایسا کر دکھاتا ہوں۔

۲۔ ایک نہایت پاکباز ناکتھالڑکی کو پنڈال کے نزدیک چو طرفہ پردہ میں رکھ کر دعا کی جائے کہ بغیر مرد کے احلاط کے اللہ کریم اس کے ہاں یہیں ایک لڑکا دے جو اس کی نبوت یا میری ولایت کی تصدیق کرے۔

۳۔ اپنے لعاب دہن سے باہر کڑوے پانی کے کنویں کو میٹھا کر دے یا پھر میں کر دیتا ہوں۔

۴۔ وہ مجھے شیر بن کر کھا جائے یا میں اسے کھا جاتا ہوں۔

آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل رہے تھے کہ گردن سے شیر کے بال نمودار ہونے لگے لیکن آپؐ کے ساتھ کھڑے ایک مولانا صاحب نے فوراً آپؐ کی گردن مبارک پر ہاتھ رکھ کر کہا سرکار شریعت! شریعت!! اس پر آپؐ اپنی اصل حالت پر آگئے مگر اس دوران مرزا قادیانی سٹیج چھوڑ کر بھاگ چکا تھا

ماغلاماں از جلاش بے خبر
از جمالی لازوالش بے خبر

(پس چہ باید کر ۴۶)

بعد میں آپؐ اس واقعہ کے یاد آنے پر فرمایا کرتے تھے۔ اگر مولوی صاحب نے مجھے روکا نہ ہوتا تو میں اسے تحت الشریٰ میں بھی ڈھونڈ کر ختم کر دیتا مگر خدا کی مرضی یہ نہ تھی۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ دراصل اسکے پاس تین جن تھے جو اسکے مقابل بولنے والے کی زبان پکڑ لیتے تھے مگر اللہ کے فضل سے وہ مجھ پر حاوی نہ ہو سکے۔ (جنہیں ختم نبوت سے عشق تھا۔ صفحہ ۱۰۵-۱۰۶۔ از طاہر رزاق)

شمس الہدیت کا طلوع

شعبان ۱۳۱۷ھ بمطابق ۱۸۹۹-۱۹۰۰ء میں جب قادیانی تحریک کے کل پرزے نکلنے شروع ہوئے تو علماء وقت کی پرزور درخواست پر حضرت قبلہ پیر صاحبؒ نے اپنے اور ادو وظائف اور دیگر مشاغل سے کچھ وقت نکال کر شمس الہدیت نامی کتاب تحریر فرما کر علماء مشائخ میں مفت تقسیم کرا دی اور بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک ایک نسخہ مرزا قادیانی کو بھی بھیج دیا۔ اس کتاب میں آپؐ نے امت مسلمہ کے اس چودہ سو سالہ پرانے عقیدہ کا دفاع کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور قرب قیامت آپؐ کا نزول دمشق میں ہوگا نیز مرزا قادیانی کی لایعنی تاویلوں جیسا کہ آپؐ وفات پا چکے ہیں اور دوبارہ دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے، کا ایسا مسکت جواب دیا کہ قادیانیت کے ایوانوں میں ایک زلزلہ برپا ہو گیا۔ خود مرزا قادیانی کے حواریوں نے لکھا ہے کہ اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ملک کے طول

و عرض میں ایک شور برپا گیا۔

مرزا قادیانی نے ”ایام الصلح“ نامی کتاب میں بڑھانکی تھی کہ اس وقت اس نیلے آسمان تلے میرے مقابلے کا کوئی بھی بزرگ نہیں ہے خواہ بزعم خویش وہ اپنے آپ کو چشتی، قادری، نقشبندی وغیرہ جو بھی کہلواتا ہو۔ (ایام الصلح، از مرزا قادیانی، ص ۱۳۲۔) مرزا قادیانی کی اس بڑکے جواب میں حضرت قبلہ عالم نے فرمایا مجھے عالم فاضل ہونے کا دعویٰ نہیں لیکن مرزا قادیانی صرف کلمہ طیبہ جو کہ ایمان و عرفان کی بنیاد ہے کے معنی بتادیتے۔ (شمس الہدایت از پیر مہر علی شاہ گولڑوی، ص ۳۔) قادیانی نبی اور امت کو سانپ سونگھ گیا۔ مرزا قادیانی نے اپنے ایک مرید محمد احسن امروہی سے اس کا جواب لکھنے کی استدعا کی۔ امروہی نے حضرت پیر مہر علی شاہ کی ایک ماقبل تصنیف تحقیق الحق (جس میں حضرت صاحب نے کلمہ طیبہ کے متعلق نہایت عالمانہ گفتگو فرمائی تھی) کے اقتباسات اس طرح نوٹ کئے کہ نہ سر نہ پاؤں اور ”شمس بازغہ“ نامی بے سرو پا کتاب لکھ کر بزعم خویش دعویٰ کر بیٹھا کہ یہ شمس الہدایت کا جواب لکھا گیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت پیر مہر علی شاہ نے ”سیف چشتیائی“ تحریر فرمائی جس کا جواب تا حال قادیانی امت کے ذمے ہے۔ (قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کی سرگزشت، مولانا اللہ وسایا، ص ۹۹)

شمس الہدایت کی اشاعت کے بعد قادیان شہر سے حکیم نور الدین نے آپ کی خدمت میں لایعنی قسم کے ۱۲ سوال لکھ کر بھیجے حضرت نے ان کے مسکت جوابات تحریر فرمانے کے بعد ایک سوال لکھ بھیجا ”کہ معجزہ کی تشریح کر دیں۔“ مگر حکیم نور الدین ایسا خاموش ہوا گویا کہ سانپ ہی سونگھ گیا ہو۔

غیر مقلد مولوی عبدالجبار غزنوی نے لکھا کہ ملاحظہ دہریہ اور زنادقہ عصر خذلہم اللہ کی تردید میں کتاب شمس الہدایت احقر کی نظر سے گزری۔ اس کے مطالعہ سے میں نے حظ وافر اور خیر ظاہر حاصل کی ہے۔ حضرت مجدد گولڑوی خود مولانا محمد چراغ چکوڑوی کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت سے علماء اسلام بہت ہی خوش ہیں۔ اور دعائیں دیتے ہیں۔ اور یہ چیز کسی ایک گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں مقلدین، غیر مقلدین اور صوفیہ کرام تمام ہی خوش ہیں (عبدالحی چشتی۔ مفتی۔ مکتوبات طیبات۔ ص ۶۳)

شمس الہدایت کی اشاعت کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ مرزا قادیانی توبہ کر کے مسلمان ہو جاتا یا اس کا جواب دیتا مگر اس نے کتاب کے مندرجات سے ”پوشیدہ چشم“ ہو کر آپ کو لاہور میں ایک بڑے مناظرہ کی دعوت دے دی اور آپ سے مناظرہ کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”پیر مہر علی شاہ صاحب کے ہزار ہا مرید یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ علم میں حقائق معارف دین میں اور علوم ادبیہ میں ملک کے تمام مولویوں سے بڑھ کر ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے اس امتحان کے لئے پیر صاحب موصوف کو اختیار کیا ہے۔ تاکہ ان کے مقابلہ سے خدا تعالیٰ کا وہ نشان ظاہر ہو جائے جو اس کے مرسلین اور مامورین کی ایک خاص علامت ہے۔“

مرزا قادیانی اپنے اشتہار دعوت مناظرہ میں مزید لکھتا ہے

”اس مقابلہ کے لئے پیر مہر علی شاہ صاحب کی بہر حال شمولیت ضروری ہوگی کیونکہ خیال کیا گیا ہے کہ وہ علم عربی اور قرآن دانی میں ان تمام مولویوں سے بزرگ اور افضل ہیں۔ اور یہ بھی لکھا کہ اگر پیر صاحب مناظرہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوں تو میں علماء کی ایک ایسی جماعت سے مناظرہ کرنے کو تیار ہوں جو چالیس سے کسی طرح کم نہ ہو“ (مرزا قادیانی۔ مجموعہ اشتہارات ص ۳۳۳۔)

گویا مرزا قادیانی اپنے آپ کو چالیس علماء کے برابر سمجھتا تھا۔

حضرت مجدد گولڑویؒ نے مرزا قادیانی کی تمام شرائط منظور کرتے ہوئے جوابی اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ۔

”مرزا قادیانی کا اشتہار مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء اس نیاز مند علمائے کرام و مشائخ عظام کی

نظر سے گزرا۔ مجھ کو دعوت حاضری جلسہ منعقد لاہور مع شرائط مجوزہ مرزا قادیانی بسر و چشم منظور ہے۔ میں

امید کرتا ہوں کہ مرزا قادیانی بھی میری ایک ہی گزارش کو بہ سلک شرائط مجوزہ منسلک فرمائیں گے۔ وہ یہ

ہے کہ مدعی مسیحیت و مہدویت و رسالت لسانی تقریر سے بہ مشافہ حضار جلسہ اپنے دعویٰ کو بہ پایہ ثبوت

پہنچادیں۔ بجواب اس کے نیاز مند کی معروضات عدیدہ کو حضرات حاضرین خیال فرما کر اپنی رائے ظاہر

فرمائیں گے۔ مجھ کو شہادت و رائے تینوں علماء کرام مجوزہ مرزا قادیانی یعنی مولوی محمد حسین بٹالوی، مولوی

عبدالجبار غزنوی و مولوی عبداللہ ٹونکی کے قبول کرنے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ بعد ظہور اس کے مرزا صاحب

اپنے دعویٰ کو بہ پایہ ثبوت نہیں پہنچا سکے۔ مرزا صاحب کو بیعت توبہ کرنی ہوگی“ (مہر علی شاہ اعلیٰ حضرت
: اشتہار قبولیت دعوت مناظرہ۔)

حضرت مجدد گولڑوی نے مرزا قادیانی کی تمام شرائط منظور کر لیں۔ اپنی طرف سے صرف زبانی گفتگو کی قید
لگائی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ۔

”آپ کو عین وقت بحث میں الہام سکوتی ہو جائے گا۔ آپ فرمائیں اس کا کیا علاج
ہوگا“ (ایضاً)

اور پھر چند روز بعد ایک اشتہار بھی چھپوایا کہ اگر مرزا قادیانی کو کوئی ترمیم کرانا ہو تو بروقت
اطلاع دیں تاکہ اس پر معاملہ باہم طے کر لیا جائے۔ مگر مباحثہ سے صرف چار روز پہلے مرزا قادیانی کے
امتی مولوی محمد احسن امر وہی نے ”نور الابصار“ کے نام سے ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ پیر مہر علی
شاہ نے مرزا قادیانی کے ساتھ مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا اور ہمیں زبانی مناظرہ کی شرط منظور نہیں۔
اگر تفسیر نویسی میں مقابلہ کرنا ہو تو آجائیں۔ اس پر حضرت مجدد گولڑوی کے ارادت مند حکیم سلطان محمود
ساکن راولپنڈی نے ۲۱ اگست ۱۹۰۰ء کو جوابی اشتہار شائع کیا جس کے دو پیرا گراف پیش خدمت ہیں۔
(۱) آج میاں محمد احسن امر وہی کا اشتہار ”نور الابصار“ ہمارے مطالعہ میں آیا جس میں
اس بات کو مشتہر کیا ہے کہ حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب ایدہ اللہ نے مرزائی مقابلہ سے انکار کیا
ہے۔ ”سبحان اللہ چہ دلا اور است دزدے کے بکف چراغ دارد“ ادھر پیر صاحب موصوف قبول دعوت کا
اشتہار دے کر مرزا کی الہامی طاقت کا امتحان کرنے کے لئے تاریخ مقررہ پر لاہور تشریف لے جانے کی
تیاری کر رہے ہیں اور اس طرف مرزا اور اس کی بزدل جماعت ایسے بے دلائل اور لا طائل حیلے تراش کر کے
سرخرو ہونا چاہتی ہے

(۲) اگر تمہاری علمی و عملی کمزوریاں تمہیں اپنی گھڑی ہوئی شرطوں کے احاطہ سے باہر نہیں نکلنے دیتیں۔ اور
تمہیں ضد ہے کہ ہو ہو ہماری ہی سب شرطیں منظور کرو تو ہم بحث کریں گے۔ تو ضرور یہی سہی۔ ہم اتمام
حجت کے لئے تمہیں اور بھی ڈھیل دیتے ہیں کہ پیر صاحب تمہاری سب شرطیں بعینہ جو تم نے پیش کی ہیں
منظور کر کے تمہیں چیلنج کرتے ہیں کہ تم مقررہ تاریخ یعنی ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کو بلا عذر و حیلہ لاہور میں آ جاؤ۔

وہ بھی تشریف لے جائیں گے۔ اگر اب بھی تم ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کو میدان میں نہ آئے اور گریز و فرار اختیار کیا اور ضرور بالضرور تم ایسا ہی کرو گے۔ تو اس پر ہم بھی سمجھ لیں گے (سلطان محمود۔ حکیم۔ اشتہار مرزا کی فرار۔)

علماء کا خیال تھا کہ زبانی مناظرہ کی شرط واپس نہیں لینا چاہیے لیکن حضرت قبلہ عالم نے ارشاد فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح ایک دفعہ مرزا قادیانی علماء و مشائخ کی اس پاکیزہ محفل میں شریک ہو جائے کیا عجیب کہ حدیث شریف (ہم قوم لایستھی جلیسہم) یہ وہ لوگ ہیں جن میں بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا کی برکات سے بہرہ ور ہو کر وہ راہِ راست پر آجائے اور یہی بات ان علماء و مشائخ کے حق میں اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی رضا کا باعث بن جائے۔

چنانچہ آپ لکل فرعون موسیٰ کے مطابق علماء کرام کی ایک جماعت کی معیت میں حسب وعدہ ۲۳ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور تشریف فرما ہو گئے۔ آپ قادیانی کی دعوت و تحریک کو ”راوی برد“ کرنے کا عزم صمیم کئے ہوئے تھے۔ آپ نے لاہور سے مرزا قادیانی کو برقی پیغامات ارسال کر کے حسب وعدہ لاہور آنے کی دعوت دی۔ مگر مرزا قادیانی پر خدائی رعب ایسا چھایا ہوا تھا کہ وہ دیوار قادیان سے باہر نہ نکل پایا۔ آپ کے قیام کا انتظام معہ آپ کے رفقاء کے برکت علی محمدن ہال اور اس کی ملحقہ عمارات میں کیا گیا تھا۔ آپ کے قیام کی وجہ سے سر شام ہی مقامی و بیرونی علماء و زعماء کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور متعلقہ مسائل پر گفتگورات گئے تک جاری رہی۔ آپ نے قادیانیت کے موافق و مخالف ایسے دلائل و اسناد بیان فرمائے جو اس سے قبل کسی کے ذہن میں نہ آئے تھے یہاں تک کہ جب آپ نے قادیانیت کے حق میں دلائل دیئے تو مولوی غلام محمد بگویی خطیب و امام شاہی مسجد بے اختیار بول اٹھے کہ اس سے تو ہمیں بھی شبہات پیدا ہونے لگ گئے ہیں مگر جب آپ نے تردید رخ اختیار فرمایا تو مولوی عبدالجبار غزنوی نے مجمع علماء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حضرت پیر صاحب نے جو طرز استدلال اختیار کیا ہے اس سے بڑھ کر قادیانیت کی تردید نہیں کی جاسکتی۔

حضرت مجدد گولڑوی نے چھ دن قیام کیا۔ اور مرزا قادیانی کا انتظار کیا، مگر وہ نہ آیا۔ اور نہ ہی اس کو آنا تھا۔ اسے مناظرہ سے پہلے ہی الہام سکوتی ہو گیا تھا۔ آخر مرزا قادیانی کی آمد سے ناامید ہو کر

۲۷ اگست ۱۹۰۰ء کو بادشاہی مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا۔ جس میں حضرت پیر جماعت علی شاہ علی پوری، مولانا عبداللہ ٹونکی، مولانا احمد الدین جہلمی، مولانا محمد علی، مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا محمد حسن فیضی، خلیفہ تاج الدین احمد، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور خواجہ عبدالخالق جہاں خیلاں شریف نے خطاب کیا۔ آخر میں آپ نے دعائے خیر فرمائی۔ اس جلسہ کی مکمل تفصیل روداد جلتہ اسلامیہ کے نام سے شائع ہوئی تھی۔

مرزا قادیانی نے غالباً یہ خیال کیا کہ حضرت پیر صاحب ایک درویش منش آدمی ہیں وہ اپنے معمولات و مشاغل چھوڑ کر میدان مناظرہ میں نہیں آئیں گے اور ہمیں مفت میں شہرت مل جائے گی۔ وہ آپ کی علمیت و قابلیت سے واقف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو زور بیان اور حسن گوئی عطا فرمائی تھی۔ مرزا اور مرزائی اس سے آگاہ تھے۔ اسی لئے وہ آپ سے زبانی گفتگو پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ مگر جب اس کی تمام شرائط من وعن قبول کرنے کا اعلان کیا گیا تو پھر تو اسے میدان میں آنا چاہئے تھا۔ لیکن ایک کج وکلاء درویش کا سامنا کرنے سے کچھ ایسا خوف زدہ اور حواس باختہ ہوا کہ اپنی کامیابی کے بارے میں اپنی ہی پیش گوئیوں کو بھول گیا۔ سچ ہے

ہیت مردے صاحب دلق نیست

ہیت حق است این از خلق نیست

اس واقعہ کے سلسلہ میں قادیانیوں نے عجیب عجیب افسانے تراشے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی نے اپنی کتاب ”مجدد اعظم“ میں جب اس موضوع پر لکھا تو عجیب عجیب عنوان لگائے مثلاً پیر گوڑوی صاحب کا فرار، گوڑویوں کی اشتعال انگیزی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ کے لاہور جانے سے قادیانی نبوت کا گریبان چاک اور دامن تارتا رہا گیا۔ جس سے کئی گم کشندگان راہ از سر نو مسلمان ہوئے۔ اور کئی مذہب دین راہ راست پر مستقیم ہو گئے۔ (☆) مرزا اور مرزائی اس سے آگاہ تھے۔ اسی لئے وہ آپ سے زبانی گفتگو پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ مگر جب اس کی تمام شرائط من وعن قبول کرنے کا اعلان کیا گیا تو پھر تو اسے میدان میں آنا چاہئے تھا۔ لیکن ایک کج وکلاء درویش کا سامنا کرنے سے کچھ ایسا خون زدہ اور حواس باختہ ہوا کہ اپنی کامیابی کے بارے میں اپنی ہی پیش گوئیوں کو بھول گیا۔ سچ ہے

مرد میدان زندہ از اللہ ہوست زیر پائے او جہان چار سوست

چوں زردوئے خویش برگیرد حجاب او حساب است او ثواب است او عذاب!!

(پس چہ باید کر ۹۶)

مرد خراز لاله روشن ضمیر می نگرود بندہ سلطان و میر!

بادشاہاں در قباہائے حریر زرد و از سہم آں عریان فقیر!!

(پس چہ باید کر ۳۲)

مرد حق از آسماں افتد چو برق ہیزم او شہر و دشت و غرب و شرق

ہیبت حق است اس از خلق نیست ہیبت مردے صاحب دلق نیست

(جاوید نامہ ۲۰۷)

اس واقعہ کے سلسلہ میں قادیانیوں نے عجیب عجیب افسانے تراشے ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی نے اپنی کتاب ”مجدد اعظم“ میں جب اس موضوع پر لکھا تو عجیب عجیب عنوان لگائے مثلاً پیر گولڑوی صاحب کافر از گولڑویوں کی اشتعال انگیزی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ کے لاہور جانے سے قادیانی نبوت کا گریبان چاک اور دامن تارتا رہو گیا۔ جس سے کئی گم گشتگان راہ از سر نو مسلمان ہوئے۔ اور کئی مذہب زین راہ راست پر مستقیم ہو گئے۔

پیر صاحب کے قیام لاہور کے وقت کی دو باتیں انتہائی اہم اور زبان زدِ خاص و عام بھی

ہیں۔

پہلی بات یہ کہ مرزا قادیانی کے پیروکاروں نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ آپ مرزا قادیانی سے مباحلہ ہی کیوں نہیں کر لیتے۔ ایک اپاہج کی بحالی کے لئے مرزا قادیانی دعا کرتے ہیں اور ایک اپاہج (لنگڑے لوے) کی بحالی کے لئے آپ دعا فرمائیں جس کے نتیجہ پر حق و باطل واضح ہو جائے۔ آپ کا گیلانی خون جوش میں آگیا اور آپ نے فرمایا مرزا قادیانی سے کہہ دو اگر مردے بھی زندہ کرنے ہوں تو یہ غلام خاتم النبیین ﷺ حاضر ہے۔ قریب ہی مولانا ثناء اللہ امرتسری تشریف فرما تھے آپ نے فرمایا میری طرف سے عرض کیجئے گا کہ مولوی عبدالکریم خطیب مسجد مرزا

قادیانی (جو کہ لنگڑا تھا) کو ضرور ہمراہ لائیں کیونکہ وہ بوجہ حق الخدمت اس معجزہ کے حقدار بھی ہیں (مہر منیر صفحہ ۲۳۳ از مولانا فیض احمد فیض)

دوسری بات جو حضرت قبلہ عالم نے اس موقع پر ارشاد فرمائی تھی اور اس کا بہت چرچا ہوا وہ یہ تھی کہ آپ نے مرزا قادیانی کی طرف سے تحریری مناظرہ کی دعوت اور فصیح عربی نویسی کی تعلی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ علماء کرام کا اصل مقصد تحقیق حق اور اعلائے کلمۃ اللہ ہوا کرتا ہے نہ کہ فخر و تعلی ورنہ نبی اکرم ﷺ کی امت میں اس وقت بھی ایسے غلام موجود ہیں کہ اگر قلم پر توجہ ڈالیں تو وہ خود بخود کاغذ پر تفسیر قرآن لکھ جائے۔ ظاہر ہے یہ اشارہ حضرت قبلہ عالم کا اپنی طرف ہی تھا۔

۲۵ اور ۲۶ اگست ۱۹۰۰ء کو مرزا قادیانی کا انتظار کرنے کے بعد ۱۲ اگست کو پیر صاحب کی زیر صدارت بادشاہی مسجد لاہور میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں جید علماء و فضلاء نے قادیانیت کی حقیقت سے عوام الناس کو آگاہ فرمایا اور آخر کار حضرت قبلہ عالم نے اسلام کی سربلندی کے لئے دعائے خیر فرمائی اور علماء کرام و سامعین گرامی قدر کی متفقہ رائے سے طے پایا کہ:-

”یہ شخص (مرزا قادیانی) مخاطب ہونے کی حیثیت نہیں رکھتا اور شرمناک دروغ گوئی سے اپنی دکانداری چلانا چاہتا ہے اور اس نے ہمیشہ بے اصول بحث اور متناقض دعاوی سے چالبازی اور حیلہ جوئی کو اپنا شعار بنایا ہے۔ شرفا کی پگڑیاں اچھالنے اور بازاری و عامیانہ حرکات سے اپنی روزی کمانے کا پاکھنڈ بنا رکھا ہے۔ مذہبی مباحث کی جو آزادی ہماری گورنمنٹ نے دے رکھی ہے اس کا غلط اور بے جا استعمال کر کے ہندوستان کے مختلف فرقوں میں فساد اور عناد بڑھانا چاہتا ہے۔ آئندہ اہل اسلام مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کی کسی تحریر کی پروانہ کریں۔ اس سے مخاطب ہوں اور نہ ہی انہیں کچھ جواب دیں۔ کیونکہ اس کے عقائد وغیرہ بالکل خلاف اسلام ہیں۔“

جلسہ کا فیصلہ تحریر کرنے کے بعد نیچے کم و بیش ساٹھ علماء کرام کے دستخط کروا کر اسے شائع کر دیا

گیا۔ ثقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مرزا قادیانی نے لاہور آنے سے بالکل ہی انکار کر دیا تو حضرت قبلہ عالم مشائخ کی ایک مختصر جماعت کے ہمراہ قادیان جانے کو بھی تیار ہو گئے (تاکہ برے کو اس کے گھر تک چھوڑ آئیں) مگر مسلمانوں کی اکثریت نے اس اقدام سے منع فرمایا تو حضرت قبلہ عالم اسے باطنی ارشاد سمجھتے ہوئے رک گئے۔

مرزا قادیانی تمام عمر اس شکست کو بھول نہ سکا۔ متحدہ ہندوستان میں اس کا جو ردِ عمل ہوا اس نے مرزا قادیانی کی نیند حرام کر دی تھی۔ گویا اُسے مہر علی شاہ فوبیا (phobia) نامی بخار رہنے لگا۔ چشتی نیزہ مسلسل اسے کچوکے لگا تار ہتا۔ وہ پہروں اس پر سوچتا کہ یہ کیا ہو گیا۔ چنانچہ جب کبھی کسی موضوع پر بھی اس نے کتاب لکھی تو اسے پیر مہر علی شاہ یاد آ گئے اور اس نے قوم کے سامنے رونا شروع کر دیا۔ اپنی ناکامی پہ غلاف چڑھانے لگتا۔ مثلاً مرزا اپنی عربی تالیف ”اعجاز المسیح“ کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ”کان احد منهم یقال له مہر علی۔ وکان یزعم اصحابہ انه الشیخ الکامل والولی الجلی“ (کہ ان میں سے ایک کو مہر علی کہا جاتا ہے اور اس کے متوسلین کا خیال ہے کہ وہ شیخ کامل اور ولی جلی ہے) اپنے تفسیری چیلنج کا ذکر حضرت مجدد گولڑوی کا درود لاہور کے بیان کے بعد میدان مناظرہ میں لاہور نہ جانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”کہ میری جماعت کے لوگوں نے مجھے منع کیا اور میں نے بھی ان کی رائے کو پسند کیا اور لاہور نہ گیا تو مخالفین نے کہنا شروع کر دیا کہ پیر مہر علی شاہ نے میدان فتح کر لیا۔ لوگ اسے عرفان کے پروں پر اڑانے لگے۔ وہ جھوٹ کہتے اور حیا نہیں کرتے، وہ لاف زنی کرتے اور ڈرتے نہیں، وہ افتراء کرتے اور رکتے نہیں۔ اس کی تعریف میں وہ دریا بہائے جا رہے ہیں جن کا وہ مستحق نہیں۔ وہ بے وقوفوں کی طرح مجھے گالی دیتے اور نہایت برے طریقے اور استہزا سے یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

ان هذا الرجل هاب شیخنا وخاف و اكله الرعب فما حضر المصاف وما تخلف الا لخطب خشی و خوف غشی و لوبار ز لكلمه الشیخ بابلغ الکلمات و شبح راسه بكلامه هو كا الصفات فی الصفات (مرزا قادیانی۔ اعجاز المسیح ص ۲۸)

”یہ آدمی (مرزا قادیانی) ہمارے شیخ سے ڈر گیا اور ہمارے شیخ کی ہیبت اسے کھا گئی۔ اس کا

میدان میں نہ آنا خوف کی حالت سے دوچار ہونے اور اور خوف کے غلبہ کی وجہ سے تھا۔ اگر وہ مقابلہ پر باہر آتا تو ہمارے شیخ اسے فصیح و بلیغ کلمات سے زخمی کر دیتے اور سفید و روشن کلمات سے اس کا دماغ مفلوج کر دیتے۔“

اور اپنی کتاب تحفہ گوڑویہ میں لکھتا ہے:

”ہزار افسوس کہ پیر مہر علی شاہ نے میری اس دعوت کو جس سے مسنون طور پر حق کھلتا تھا اور خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے فیصلہ ہو جانا تھا ایسے صریح ظلم سے ٹال دیا۔ جس کو بجز ہٹ دھرمی کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور ایک اشتہار شائع کیا کہ ہم اول نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی رو سے بحث کرنے کے لئے حاضر ہیں۔ اس میں اگر تم مغلوب ہو تو ہماری بیعت کر لو اور پھر بعد اس کے ہمیں وہ اعجازی مقابلہ بھی منظور ہے“ (مرزا قادیانی تحفہ گوڑویہ۔ ص ۲)

اور اپنی کتاب نزول المسیح میں لکھتا ہے۔

”پیر مہر علی شاہ صاحب نے اپنے اشتہار میں لکھا کہ میں بالمقابل تفسیر عربی فصیح میں لکھنے کے لئے لاہور پہنچ گیا ہوں۔ مگر میری طرف سے یہ شرط ہے کہ اول اختلافی عقائد میں زبانی گفتگو ہو اور مولوی محمد حسین بٹالوی منصف ہو۔ پھر اگر منصف مذکور یہ بات کہہ دے کہ عقائد پیر مہر علی شاہ کے درست اور صحیح ہیں اور انہوں نے اپنے عقائد کا خوب ثبوت دے دیا ہے تو فریق مخالف یعنی مجھ پر لازم ہوگا کہ بلا توقف پیر مہر علی شاہ سے بیعت کر لوں۔ پھر بعد اس کے تفسیر نویسی کا مقابلہ بھی ہو جائے گا۔ (نزول المسیح ص ۱۴۴۴ از مرزا قادیانی)

مرزا قادیانی اس شکست سے کتنے کرب میں مبتلا تھا۔ اسکا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”افسوس کہ علمی نشان کے مقابلہ میں نادان لوگوں نے پیر مہر علی شاہ گوڑوی کی نسبت ناحق جھوٹی فتح کا نقارہ بجا دیا اور مجھے گندی گالیاں دیں۔ اور مجھے اس کے مقابلہ میں جاہل اور نادان قرار دیا۔ گویا میں اس نابغہ وقت اور سبحانِ زماں کے رعب کے نیچے آگر ڈر گیا۔ ورنہ وہ حضرت تو سچے دل سے بالمقابل عربی تفسیر لکھنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ اور اس نیت سے لاہور تشریف لائے تھے۔ پر میں آپ کی جلالتِ شان اور علمی شوکت کو دیکھ کر بھاگ گیا۔“ (مرزا قادیانی مجموعہ اشتہارات۔ جلد سوم۔

زرد رواز سہم آں عریاں فقیر!
بادشاہاں در قباہائے حریر
مزید سنئے اور دیکھئے مرزا قادیانی کا دل اس شکست سے کس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔

لکھتا ہے۔

”مہر علی شاہ گولڑوی کو سچا ماننا اور یہ سمجھ لینا کہ وہ فتح پا کر لاہور سے چلا گیا ہے کیا اس بات پر قوی دلیل نہیں ہے کہ ان لوگوں کے دل مسخ ہو گئے ہیں۔ نہ خدا کا ڈر ہے نہ روز حساب کا کچھ خوف ہے ان لوگوں کے دل جرأت، شوخی اور گستاخی سے بھر گئے ہیں۔ گویا مرنا نہیں ہے۔ اگر ایمان اور حیا سے کام لیتے تو اس کاروائی پر نفرین کرتے جو مہر علی شاہ گولڑوی نے میرے مقابل پر کی ہے۔ کیا میں نے اس کو اس لئے بلایا تھا۔ کہ میں اس سے ایک منقولی بحث کر کے بیعت کر لوں (مجموعہ اشتہارات از قادیانی

صفحہ ۳۷۶)

یاد رہے کہ مرزا قادیانی نے اپنے اشتہار دعوت مناظرہ میں موضوع، ثالثوں، مقام مناظرہ اور پھر بیعت کا تعین خود کیا تھا۔ حضرت مجدد گولڑوی نے صرف زبانی بحث کی ایک شرط کا اضافہ کیا تھا۔ جس پر مرزا قادیانی نے آسمان سر پر اٹھالیا کہ ہائے پیر صاحب نے ظلم کر دیا۔ ہائے پیر صاحب نے ظلم کر دیا۔ اور مسلسل روتے چلا جا رہا ہے۔ بیعت کے متعلق مرزا قادیانی کی اپنی عبارت ملاحظہ کیجئے۔ ”اور اگر میرے خدا نے اس مباحثہ میں مجھے غالب کر دیا اور مہر علی شاہ کی زبان بند ہو گئی۔ نہ وہ فصیح عربی پر قادر ہو سکے اور نہ وہ حقائق و معارف قرآنی میں لکھ سکے۔ یا یہ کہ اس مباحثہ سے انہوں نے انکار کر دیا۔ تو ان تمام صورتوں میں ان پر واجب ہوگا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں۔“ (مرزا قادیانی۔ مجموعہ اشتہارات جلد سوم۔ ص ۳۳۰)

اس کے جواب میں حضرت مجدد گولڑوی نے صرف یہ لکھا کہ۔

”بعد اس کے مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو بہ پایہ ثبوت نہیں پہنچا سکے۔ مرزا قادیانی کھو

بیعت توبہ کرنی ہوگی“ (مہر علی شاہ مجدد گولڑوی۔ حضرت پیر۔ اشتہار قبولیت دعوت مناظرہ۔)

اگر مرزا قادیانی غالب ہونے کی صورت میں فریق ثانی کے بارے میں یہ کہیں کہ ”وہ مجھ

سے بیعت کریں“ تو حضرت مجدد گولڑوی کو بھی اس مطالبہ کا حق تھا۔ مگر آپ نے صرف یہ کہا کہ ”وہ بیعت توبہ کریں“۔ ”مجھ سے“ کی قید انہوں نے نہیں لگائی۔ اس کے باوجود انہیں اس طرح مطعون کیا جا رہا ہے کہ شاید انہوں نے یہ بات کہہ کر اپنی زندگی کا سب سے بڑا جرم کر لیا۔

قارئین کرام! مرزا قادیانی نے مناظرہ لاہور میں عدم شرکت کی جو جوہات بیان کیں ان میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ انہیں اپنی جان کا خوف تھا۔ اور یہ عجیب و غریب وجہ ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

”میں بہر حال لاہور پہنچ جاتا مگر میں نے سنا ہے کہ اکثر پشاور کے جاہل سرحدی پیر صاحب کے ساتھ ہیں اور ایسے ہی لاہور کے اکثر سفلہ اور کمینہ طبع لوگ گلی کوچوں میں مستوں کی طرح گالیاں دیتے پھرتے ہیں اور نیز مخاطب مولوی بڑے جوشوں سے وعظ کر رہے ہیں۔ کہ یہ شخص واجب القتل ہے تو اس صورت میں لاہور میں جانا بغیر کسی احسن انتظام کے کس طرح مناسب ہے۔ ان لوگوں کا جوش اس قدر بڑھ گیا ہے کہ بعض کارڈ گندی گالیوں کے ان لوگوں کی طرف سے مجھے پہنچتے ہیں۔ جو چوہڑوں اور چماروں سے بھی فحش گوئی میں زیادہ ہیں جو میرے پاس محفوظ ہیں۔ بعض تحریروں میں قتل کی دھمکی دی ہے“ (محمد صادق قادیانی۔ مفتی: واقعات صحیحہ۔ ص ۵۵)

اس ساری بحث کے بعد گزارش ہے کہ مرزا قادیانی نے بذات خود اس زبانی بحث کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء سے لے کر ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء تک مرزا قادیانی بالکل نہ بولا۔ اور حیلہ سازی کرتے ہوئے اپنے امتی مولوی احسن امر وہی سے اشتہار شائع کرایا کہ ہو سکتا ہے یہ مصیبت ٹل جائے۔ مگر حضرت مجدد گولڑوی نے لاہور پہنچ کر اس کی خواہشوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اب نہ ننگتے بنے اور نہ اگلنے والی صورت حال ہو گئی۔ اس لئے لاہور کے جو قادیانی حضرت مجدد گولڑوی سے معاملہ طے کرنا چاہتے تھے ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد گولڑوی نے انہیں اہمیت نہ دی۔ کیونکہ مرزا قادیانی نے اپنے دستخطوں سے زبانی بحث سے بالکل انکار نہیں کیا۔ اس شرط کو کالعدم قرار دینے میں کوئی تحریری مطالبہ نہیں کیا۔

خیر مرزا قادیانی کے ان تمام اقوال و اعمال کے بارے میں یہ عمومی تبصرہ تھا۔ لیکن آئیے حضرت مجدد گولڑوی کی اپنی تحریریں پڑھیں کہ وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ ایک ایک جملہ قابل غور

ایک سوال کا جواب اور واقعات صحیحہ کا بیان ہے۔

خائف وہی ہوتے ہیں جن کو میدان میں موت نظر آتی ہے۔ حالانکہ تحریک مقابلہ بھی پہلے خود ہی کی ہو۔ مامور من اللہ کو میدان میں موجود ہونا نہایت ہی ضروری تھا۔ تاکہ خلق اللہ مامور کی غیر حاضری کے باعث اس کو مفتری علی اللہ سمجھ کر صراط مستقیم کو نہ چھوڑ دیں۔ مخالفین کو لاکار کر بلانا اور پھر گھر سے باہر نہ نکلنا گویا اپنے ہی ہاتھوں سے دین کی بیخ کنی کرنا ہے۔ مگر ایسے مامور اور ایسے دین کا علمدار ایسا ہی ہونا چاہیے۔ آپ کا دین اگر وہی محمدی دین ہوتا تو بجائے اس قول پاک آنحضرت ﷺ کے انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب آپ انا الرسول الا مرا انا ابن مرتضیٰ کہتے ہوئے میدان میں موجود ہوتے۔ واقعی امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بحسب وعده انا نعخن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون کے قرآن کریم کو تحریف سے بچانا منظور تھا۔ اور امت مرحومہ کو یہ سمجھانا کہ مرزا قادیانی کتاب و سنت اور اجماع کا محرف ہے۔ اس لئے پہلے اس کے ہاتھ سے اشتہار دعوت باں کرو فر کہ ”ضرور میرا مقابل میرے مقابلہ میں ذلیل ہو گا یہ ہو گا وہ ہو گا“ روئے زمیں پر دلویا جس میں خود ہی اس نے ان تین علماء کو جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر لاہوری، جناب مولوی عبدالجبار امرتسری اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو حکم قرار دیا۔ اور انتظام پولیس وغیرہ بھی لکھ دیا اور پہلے اس کے آپ کو الہام بھی ہو چکا تھا کہ واللہ بعصمک من الناس اور نیز انی مہین من اهانک تیری اور تیرے گروہ کی میں حفاظت کروں گا اور تیرا ہی گروہ قیامت تک غالب رہے گا (دیکھو کتاب لبر یہ) اور پھر اسی اشتہار میں اخیر پر یہ لکھوا دیا کہ لعنة الله على من تخلف و ابی۔ مسلمانو غور سے سوچو یہ ایک مکر الہی تھا بمقابلہ مکر قادیانی کے اس نے سوچا تھا کہ کسی کو کیا ضرورت ہے جو اجابت دعوت کرے ہم کو گھر میں بیٹھے بٹھائے فتح ہو جائے گی۔ عقل اور دین کے غنڈے اور میاں مٹھو بغلیں بجاتے ہوئے دام میں پھنسیں گے۔ تصویر فروشی، اشتہار فروشی، تصنیف فروشی، منارہ فروشی اور کشش دراہم بنام تجارت وغیرہ وغیرہ پولیٹیکلوں کی اسامی نکل آئیں گے۔ مگر چونکہ بحکم واللہ خیر الما کرین کے الہی مکر ہی غالب رہتا ہے۔ لہذا اس کروفر کے بعد ایام جلسہ لاہور میں قادیانی صاحب کی قلمی اور قلبی طاقتیں سلب کر دی گئیں یعنی عدم حاضری کا عذر تک قلم اور منہ سے نہ نکلا۔ باوجود اس کے کہ معتقدین و مخالفین دونوں کی جانب

سے سخت اصرار اور کشمکش بھی ہوئی تھی مینا پانچ چھ دن کے بعد جب ہمارے واپس ہونے کی خبر جناب کو پہنچی تو زرد کاغذ پر پید لرزاں کی طرح قلم ہلنے لگا۔ اور اعذار بارودہ اوہن من بیت العکبوت شروع ہوئے کہ ہم کو سرحدی لوگوں کا خوف تھا اس لئے نہیں آئے۔ اس عذر پر لوگوں نے کہا کہ آپ ان الہامات کو بھول گئے جن میں آپ کو ملہم کی جانب سے پوری تسلی اور غالب رہنے کی بشارت دی گئی تھی یا آپ کے ملہم سے بھی ایفاء وعدہ کی قدرت سلب کی گئی۔ ہماری جانب سے تقریری شرط کی ترمیم اس لئے تھی کہ تقریر بھی معیار صداقت ہونے سے تحریر میں کم نہیں۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ غالب کرنا چاہتا ہے اور اس کو منظور ہوتا ہے کہ اس کے غالب رہنے کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت کرے تو اس کے غلب کو معیار صداقت ٹھہرانے کے بعد ضروری ہی اس کو غالب کرتا ہے۔ اور اس سے مامور کو فرض منصبی کے رو سے حریف مقابل کے ڈوبدو ہونا نہایت ضروری تھا۔ بلکہ قادیانی صاحب چونکہ بروز فنا محمدی و عیسوی کے مدعی ہیں تو تقریری مقابلہ کی تسلیم ان پر ضروری تھی۔ کیونکہ ان کے بارز میں یعنی آنحضرت ﷺ نے بھی تبلیغ حق تقریری طور پر کی تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ صرف تحریر میں احقاق حق اچھی طرح نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر قادیانی صاحب جلسہ لاہور میں تفسیر لکھتے بھی تو کیا ان کی بھولی بھالی جماعت بے تمیزی کی وجہ سے اپنی ضلالت پر زیادہ پکی نہ ہو جاتی۔ ان کی ذاتی لیاقت اس قدر کہاں تھی کہ اس تفسیر کے مضامین واہیہ اور محرفہ پر اطلاع پاویں یا مرزا جی کے سرقہ کو پکڑ سکیں۔ وہ تو صرف عربی عبارت مسروقہ کو دیکھ کر اور زیادہ گمراہ ہو جاتے۔ اس لئے نہایت ضروری تھا کہ پہلے علماء کرام کے سامنے قرآن و حدیث کو نکال کر بلحاظ سیاق و سباق اثبات مدعی کیا جاتا اور علماء اسلام انصاف فرماتے کہ کس کا مضمون یا استنباط اصول شرعیہ کے مطابق ہے۔ تاکہ اس کو قبول کر لیا جاوے۔ اور کس کا مخالف اور جاہلانہ ہے۔ تاکہ اس سے حاضرین کو تقریر اور تحریر سمجھا دیا جاوے کہ اس مسلک سے بچنا مسلمانوں کو نہایت ضروری ہے۔ مرزائیوں کی اس کم تو جہی پر نہایت ہی افسوس آتا ہے کہ انہوں نے نبوت اور قرآن دانی کا معیار انشاء پر دازی کو سمجھ رکھا ہے اور پھر انشاء پر دازی بھی وہ جس کی لفظی اور معنوی کمال کی قلعی کھل رہی ہے۔ بھلا مثلاً اگر کوئی عربی زبان میں مضمون لکھ دے کہ نماز عبادت ہے صرف توجہ الی اللہ سے اور اوضاع معمولہ اہل اسلام کی کوئی حقیقت نہیں اور اپنے دعویٰ کی دلیل اس امر کو ٹھہراوے کہ میری طرح چونکہ کوئی شخص عربی نویسی نہیں

اور فی الواقع ایسا ہو بھی تو کیا کوئی عاقل ایسی واہی دلیل سے اس کے دعویٰ کو مان سکتا ہے۔ ہرگز نہیں (مہر علی شاہ مجدد گولڑوی۔ حضرت پیر: سیف چشتیائی۔ ص ۷۹)

حضرت مجدد گولڑوی مزید لکھتے ہیں۔

ان کی عداوت اس وقت نہیں سوچی تھی جس وقت اشتہار دعوت میں آپ ہی نے ان لوگوں کو یعنی مولوی عبداللہ صاحب و مولوی عبدالجبار صاحب و مولوی محمد حسین صاحب کو حکم لکھا تھا کیا اس وقت آپ نے اجابت دعوت کو غیر ممکن سمجھا ہوا تھا۔ اس لئے تینوں صاحبان کا نام لکھ مارا۔ اور جب سر پر آگئی تو اس وقت یہ حیلہ سوچ میں آیا کہ یہ علماء میرے دشمن ہیں۔ ہم شاید یہ بھی تسلیم کر لیتے اگر انہی ایام میں آپ عدم تشریف آوری کی وجہ بھی لکھ دیتے تاکہ ہم ان حضرات کے سوا تین اور اہل علم مقہور کر لیتے۔ کیا آپ کو رجسٹری شدہ چٹھی حافظ محمد دین صاحب تاجر کتب لاہوری کی ۲۵ اگست سے پیشتر ۲۰ یا ۲۱ کو نہیں پہنچی تھی۔ جس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر آپ کو کسی شرط کی ترمیم کرانی ہو تو کرا لیجئے۔ ورنہ آپ کا کوئی عذر و حیلہ قابل اعتبار نہ ہوگا۔ اگر آپ کو اشتراط تقریر یا علماء ثلاثہ کا محکم ہونا گوارا نہ تھا تو قطع حجت کے لئے فوراً اشتہار اور چٹھی کے پہنچنے ہی خود اپنے دستخط جواب یا اپنے نام کے اشتہار سے اس خاکسار کو واضح کر دیتے کہ اس قید کو اٹھا دو تب ہم آسکتے ہیں ورنہ نہیں۔ اگر آپ یہ خیال فرمادیں کہ آپ کے مرید امر وہی نے ہمیں یہ بات پہنچادی تھی تو ہماری طرف سے ہمارے مخلص حکیم سلطان محمود نے جواب ترکی بہ ترکی شائع کر دیا تھا کہ اگر آپ تقریر کسی صورت میں تسلیم نہیں کر سکتے بعینہ پیش کردہ شرطیں آپ کی بلا کم و کاست محرر سطور منظور کر کے لاہور آتے ہیں۔ آپ بھی تاریخ مقررہ پر لاہور آویں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کے مرید کی بات تو ہم پر حجت ہو اور ہمارے مخلص کی بات قابل التفات نہ ہو۔ بھلا میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر معاملہ بالعکس ہوتا یعنی ہماری طرف سے اشتہار دعوت کا میں جواب نہ دیتا بلکہ آپ کی طرح بالکل خاموش ہو جاتا تو میں آپ کو قسم دیتا ہوں۔ انصاف سے کہو کہ اندریں صورت آپ مع اپنے چیلوں چائنوں کے خوشی کے شادیا نے نہ بجاتے اور اشتہاروں پر اشتہار نہ دیتے کہ دیکھوں آسمانی نشان ظاہر ہو گیا پس چونکہ یہی نشان علماء اسلام کے حق میں ظاہر ہو چکا تو پھر آپ کیوں نہیں ضد کو چھوڑتے (مہر علی شاہ مجدد گولڑوی۔ حضرت پیر: سیف چشتیائی۔ ص ۷۹)

مرزا قادیانی نے ”اعجاز مسیح“ کے نام سے ۲۰ فروری ۱۹۰۱ء کو تفسیر سورہ فاتحہ شائع کی تو اس کے تمام بلند و بانگ دعاوی عوام الناس پر اظہر من الشمس ہو گئے۔ اس تفسیر کی زبان محاورہ سے محروم اور لغوی و نحوی اغلاط سے بھری پڑی تھی۔ یہاں تک کہ تفسیر کے ابتدائی صفحہ پر ہی فی سبعین یوما من شہر صیام (رمضان المبارک کے سترویں دن) پر تو طلبا نے بھی آوازے کسے کہ قادیان کا رمضان ستر (۷۰) دن کا ہوتا ہے۔

چنانچہ اہل اسلام کے پر زور اصرار پر حضرت قبلہ عالم نے مرزا قادیانی کے دعاوی کا پوسٹ مارٹم کرنے کے لئے ایک دفعہ پھر اپنے قلم کو حرکت دی تو ”سیف چشتیائی“ کی تخلیق ہوئی جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہو کر علماء و مشائخ دینی مدارس اور مذہبی اداروں میں مفت تقسیم کی گئی۔ سیف چشتیائی میں حضرت قبلہ عالم نے مولوی محمد احسن امر وہی قادیانی کی شمس بازغہ اور مرزا قادیانی کی اعجازی تفسیر سوہ فاتحہ پر انتہائی مضبوط گرفت کی ہے۔ حضرت قبلہ عالم نے اس اعجازی تفسیر پر صرف ’نحو لغت‘ بلاغت‘ معانی‘ منطق اور محاورہ کی غلطیاں نیز سرقہ و تحریف اور اقتباس کے قریباً ایک صد اعتراضات فرمائے ہیں۔ آپ نے مرزا قادیانی کے بزعم خویش اس معجزانہ کلام میں صرف مقامات حریری ہی سے بیس مسروقہ عبارات کی نشاندہی کی ہے جہاں مرزا قادیانی نے حریری کا کوئی حوالہ نہیں دیا اور شمس بازغہ کے صفحہ بہ صفحہ اندراجات کر کے علی الترتیب ایسے مسکت جوابات دیئے کہ علمائے وقت میں امر وہی قادیانی کے علمی افلاس کا ڈھنڈھورا پٹ گیا۔

سیف چشتیائی کے ایڈیشن ۱۹۸۱ء کے پیش لفظ میں جناب محمد حیات خان فرماتے ہیں سیف چشتیائی اپنے نادر استدلال اور بلند پایہ علمی مضامین اور مسئلہ زیر بحث پر سوال و جواب کے پیرایہ میں واضح و دلنشین انداز اور تجزیہ کے باعث نہایت مقبول ہوئی۔ خصوصاً طبقہ علماء میں اس کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں سورہ النساء کی آیت نمبر ۱۵ کے ذیل میں لکھا ہے کہ حیات و موت عیسوی کی بحث میں کتاب سیف چشتیائی قابل مطالعہ ہے۔ شیخ الحدیث دیوبند علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام کے دیباچہ میں سیف چشتیائی کو مسئلہ حیات مسیح کے موضوع پر ایک کافی و شافی تحریر قرار دیا ہے۔ ہندوستان

کے مشہور مفتی اور مدرسہ عالیہ رامپور کے پرنسپل مولانا فضل حق رامپوری نے اجمیر شریف کے عرس کے موقع پر حضرت بابو جی سے حضرت قبلہ عالم کی تصنیفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا ”یوں تو حضرت کے کمالات بہت بیان ہوئے ہیں لیکن میں تو اس دماغ کا شیدائی ہوں جس سے سیف چشتیائی ظہور میں آئی۔“

”مہر منیر“ کے مصنف مولانا فیض احمد فیض نے صفحہ ۲۵۰ پر کسی صاحب کا نہایت عالمانہ قول تحریر کیا ہے۔ فرماتے ہیں قادیانیت کی تمام کائنات سیف چشتیائی کے ان دو فقروں سے واضح ہو جاتی ہے۔ اول یہ کہ مرزا قادیانی نے حضرت قبلہ عالم کے متعلق لکھا (معاذ اللہ) وہ خبیث ہے اور خبیث ہے وہ جو اس کے منہ سے نکلتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت پیر صاحب فرماتے ہیں مرزا قادیانی مجھے تو بے شک منہ بھر کے گالیاں دے لے مگر اللہ کے فضل سے ہمارے منہ سے اکثر کلام ربانی اور تسبیح و تہلیل کے کلمات نکلتے رہتے ہیں اس لئے انہیں گالی دے کر مستوجب سزا نہ ہوں۔

دوم مرزا قادیانی نے لکھا تھا کہ معراج نبوی ﷺ ایک اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اور میں خود اس قسم کے کشف کا صاحب تجربہ ہوں۔ اس کے جواب میں حضرت قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے معراج شریف کے نتیجے میں پانچ وقت کی نماز ثابت ہوئی مگر تیرا کشف یا خواب و خیال محمدی بیگم کے نکاح آسمانی کو ایک لمحہ تک کے لئے وجود میں نہ لاسکا۔ یہ مانجھو لیا نہ خیالات معراج نبوی ﷺ سے کیا نسبت رکھتے ہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

نیز سیف چشتیائی میں ہی حضرت قبلہ عالم نے ابن عساکر کی حدیث نزول ابن مریم روایت کردہ حضرت ابو ہریرہ درج فرما کر لکھا تھا اس حدیث کی رو سے حضرت عیسیٰ حج و عمرہ کے لئے مدینہ منورہ تشریف لائیں گے اور حضرت نبی مکرم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کریں گے مگر میں دعویٰ کرتا ہوں کہ مرزا قادیانی کو مدینہ منورہ حاضر ہونے اور سلام عرض کرنے و جواب سلام حاصل کرنے کا شرف کبھی حاصل نہ ہوگا۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے بعد بھی مرزا قادیانی کئی سال زندہ رہا مگر اسے مدینہ منورہ حاضری کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

آپ کی اس مایہ ناز تصنیف کی اہمیت مولوی حبیب اللہ صاحب امرتسری مصنف ”صاعقہ رحمانی برنخل قادیانی“ کے اس مکتوب سے واضح ہوتی ہے جو انہوں نے آپ کی خدمت میں ارسال کیا آپ فرماتے ہیں ”مرزائیوں کی کتاب عسلِ مصفیٰ“ پڑھ کر میرے دل میں قسم قسم کے شکوک پیدا ہو گئے تھے مگر الحمد للہ کہ جناب کی تصانیف ”سیفِ چشتیائی“ اور ”شمس الہدایت“ نے میرے مذہبِ دل میں تسلی بخش امرت ٹپکایا۔ نیز چند مرزائیوں نے اسے پڑھا۔ چنانچہ حکیم الہی بخش صاحب مع اپنے لڑکے کے آخر مرزائیت سے توبہ کر گئے اور اسلام پر فوت ہوئے“ (کاروان تحریک ختم نبوت کے چند نقوش صفحہ ۷۷۔ از طاہر رزاق)

اس کے علاوہ جب ۱۹۰۲-۳ء میں قادیانیوں نے اپنے خلاف مولوی کرم الدین دبیر آف بھیس ضلع جہلم کی طرف سے دائر کردہ مقدمات میں حضرت قبلہ عالم گوڑو بطور گواہ طلب کرنے کے لئے ہزار جتن کئے تاکہ حضرت قبلہ عالم گوڑو داسپور اور جہلم کے اضلاع کے سفر کی تکالیف اٹھانا پڑیں مگر اللہ تعالیٰ نے آپ سرکار کو ان تکالیف سے محفوظ و مامون رکھا۔ ادھر مولوی کرم الدین دبیر صاحب جب مقدمہ جیت گئے تو انہوں نے واضح طور پر اقرار کیا کہ اتنی بڑی منظم جماعت کے مقابلہ میں میرا کامیاب ہونا محض فضل ربانی اور حضرت قبلہ عالم گوڑو کی نظر التفات کا نتیجہ ہے۔ یاد رہے کہ مولوی کرم الدین دبیر حضرت قبلہ عالم کے مرید بھی نہ تھے۔

مرزا قادیانی کو جب اپنی شکست یاد آتی تو وہ حضرت مجدد گوڑوی پر سب و شتم کرنے لگتا اور ”لاتنابرو ابالا لقاب“ کے حکم خداوندی کو بھول جاتا۔ ہم مرزا قادیانی کی زبان کی شائستگی کی مثالیں اختصار کی وجہ سے پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن صرف ”اعجاز احمدی“ میں حضرت مجدد گوڑوی کے متعلق ۴۷ اشعار میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کی بعض چیزیں پیش کرتے ہیں اور باقی کتابوں کو اسی پر قیاس کر لیجئے۔ مثلاً خبیث، ملعون، کمینہ، لنیم، بد بخت، سیاہ دل، دیو، متکبر، جھوٹا، موذی، مفسد، میرا دشمن، شیخ الصلوات، تو تیری انگلیاں اور تیرا قلم تباہ ہو جائے گوڑا کی زمین تو ملعون کے سبب ملعون ہو گئی۔

ظاہر ہے ایسی پاکیزہ زبان کسی مسیلمہ اور اسود غنسی کے جانشین کی ہی ہو سکتی ہے۔ صاحب خلق عظیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی قبیح اور اطاعت گزار کی نہیں ہو سکتا۔

اسی کتاب میں مرزا قادیانی نے بڑی عجیب و غریب بات کی ہے۔ حضرت مجدد گولڑوی کا ذکر کرتے ہی اسے اپنی شکست یاد آگئی۔ آپ کو یقین دلانے لگا کہ میں بڑا سچا آدمی ہوں اور میں حقیقتاً آپ سے کہہ رہا ہوں کہ میں اللہ کا فرستادہ ہوں۔ میری کلام وحی ہے۔ آپ میری تکذیب چھوڑ دیں۔ اور جب بالکل عاجز آ گیا تو آپ سے کہنے لگا

فان كنت كذا باكم انت تزعم
مصلیٰ وانی فی الانام احقر

پس اگر میں جھوٹا ہوں جیسا کہ تو گمان کرتا ہے پس تو اونچا کیا جائے گا اور میں لوگوں میں حقیر کیا جاؤں گا۔

اگر مرزا قادیانی کے اسی شعر کو حق و صداقت کا میزان تسلیم کر لیا جائے تو وہ اپنے قول کے مطابق ہی ایک جھوٹا نبی اور کاذب زماں ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت آج کسی سے پوشیدہ نہیں کہ مرزا قادیانی کی تعلیمات کو عالم اسلام میں غیر اسلامی قرار دے دیا گیا ہے۔ اس کے پیروکار مرکز اسلام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قانوناً داخل نہیں ہو سکتے۔ انہیں پاکستان میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے۔ ان پر اذان دینے اور اپنی عبادت گاہ کو مسجد کا نام دینے اور دوسرے اسلامی شعار کو اپنانے پر پابندی ہے۔ یہودیوں کی طرح ذلت و رسوائی ان کا مقدر ہو چکی ہے۔ اور اب وہ سازشوں کے ذریعہ خود کو باقی رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس حضرت مجدد گولڑویؒ کے نام اور کام کی روز بروز شہرت ہو رہی ہے۔ بر عظیم پاکٹ و ہند میں جو عزت و شہرت آپ کو حاصل ہے وہ تو مہر نیمروز کی بلرچ واضح ہے لیکن یورپ، فرانس، اور افریقی ممالک میں بھی آپ کا چرچا ہے۔ آپ کے نام پر انجمنیں اور جماعتیں قائم ہو چکی ہیں۔ اور دین اسلام کی اشاعت کا کام ہو رہا ہے۔ اس سے مرزا قادیانی کے قول کے مطابق فیصلہ ہو گیا ہے۔ عالم اسلام میں ذلیل و رسوا کون ہے اور مسلمانوں میں صاحب عزت و عظمت کون ہے۔ کس کا نام حقیر ہے اور کس کا نام بلند ہے۔ اس لئے قادیانیوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ مرزا قادیانی کے فیصلہ کے مطابق حق و صداقت کی علمبردار شخصیت حضرت مجدد گولڑویؒ کے معتقدات و نظریات کو قبول کر کے از سر نو اسلام کے حلقہ بگوش ہوں۔

اعلیٰ حضرت مجدد گولڑویؒ نے تحفظ ختم نبوت کی جو تحریک شروع کی تھی۔ اور اپنے ارادت مند

علماء کرام کی ایک جماعت تیار کی تھی اسے ملک کے طول و عرض میں پھیلا دیا تھا۔ حضرت مولانا محمد غازی اور مفتی عبدالرحمن جو پوری تو خانقاہ میں مقیم رہے، مولانا قائم علی چشتی فاضل لاہوری کو کشمیر بھیجا تا کہ حکیم نور الدین قادیانی کی کوشش سے کشمیر کے مسلمانوں میں جو تذبذب اور کشمکش پائی جاتی تھی اس کو دور کیا جاسکے۔ چنانچہ فاضل لاہوری نے سری نگر کو مستقر بنا کر قادیانیت کے اثرات کو زائل کیا۔ پنجاب کے صدر مقام لاہور میں مفتی سلیم اللہ لاہوری اور مولانا غلام احمد حافظ آبادی کی موجودگی کے باوجود ایک جو شیلے نوجوان عالم مولانا محمد حسن فیضی کو راولپنڈی سے لاہور بھیجا۔ ان حضرات نے لاہور میں قادیانیت کا ناطقہ بند کر دیا۔ مولانا قاضی قدرۃ اللہ سرحدی علاقوں میں قادیانی نظریات کے آگے سد سکندری بنے رہے۔ ان کی باطل شکن تقریروں، وعظوں اور کوششوں سے سرحدی علاقہ قادیانیت سے قبل از وقت آگاہ ہو گیا تھا۔ امیر عبدالرحمن والی افغانستان آپ کی معرفت حضرت مجدد گولڑوی سے متعارف ہوئے اور خط و کتابت کی۔ اس طرح امیر حبیب اللہ والی افغانستان آپ کی خدمت میں گولڑہ شریف حاضر ہوئے اور کئی دن قیام کر کے آپ سے استفادہ کیا۔ افغانستان کے یہ دونوں امیر حضرت مجدد گولڑوی سے تعلق و نسبت کی وجہ سے عقیدہ ختم نبوت میں بڑے مستحکم تھے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کے دو خلیفے میاں عبدالرحمن اور میاں عبداللطیف جب افغانستان میں داخل ہوئے تو انہیں یکے بعد دیگرے امیر عبدالرحمن نے ۱۳۱۹ھ میں اور امیر حبیب اللہ نے ۱۳۲۱ھ میں قتل کرا کے افغانستان کو ہمیشہ کے لئے قادیانیت سے پاک کر دیا۔ مفتی غلام مرتضیٰ ساکن میانہ ضلع سرگودھا قادیانیت کی تردید میں ہمیشہ پیش پیش تھے۔ قیام لاہور کے زمانہ میں حکیم نور الدین قادیانی کو علماء کے ایک مجمع میں ساکت و صامت کر دیا۔ اور پھر ۱۸-۱۹ اکتوبر میں موضع ہریاضلع گجرات میں ایک قادیانی مولوی جلال الدین شمس سے ایک تحریری مناظرہ کیا۔ جس میں قادیانی مولوی کو نہایت ذلت آمیز شکست ہوئی۔ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی نے ۱۹۲۶ء میں ریاست بہاولپور کی عدالت میں پیش ہو کر یہ ثابت کیا کہ مسلمان عورت کا نکاح قادیانی مرد سے نہیں ہو سکتا کیونکہ قادیانی مرتد ہے۔ پھر یہی مقدمہ جب ریاست بہاولپور کی عدالت عالیہ میں پیش ہوا۔ اور سات برس تک یہ مقدمہ چلتا رہا۔ چنانچہ مولانا گھوٹوی نے انجمن موبید الاسلام قائم کی جس کے زیر اہتمام اس مقدمہ کا نظام چلتا رہا۔ آخر کار فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا۔ مولانا گھوٹوی نے اس موقع پر

دوسرے گروہ کے علماء کو جمع کیا اور حضرت مجدد گولڑوی کی جاری کردہ ”تحریک ختم نبوت“ میں تازہ ولولہ پیدا کر دیا۔ اس تمام کارروائی کے پس پشت حضرت مجدد گولڑوی کی ہدایات تھیں۔

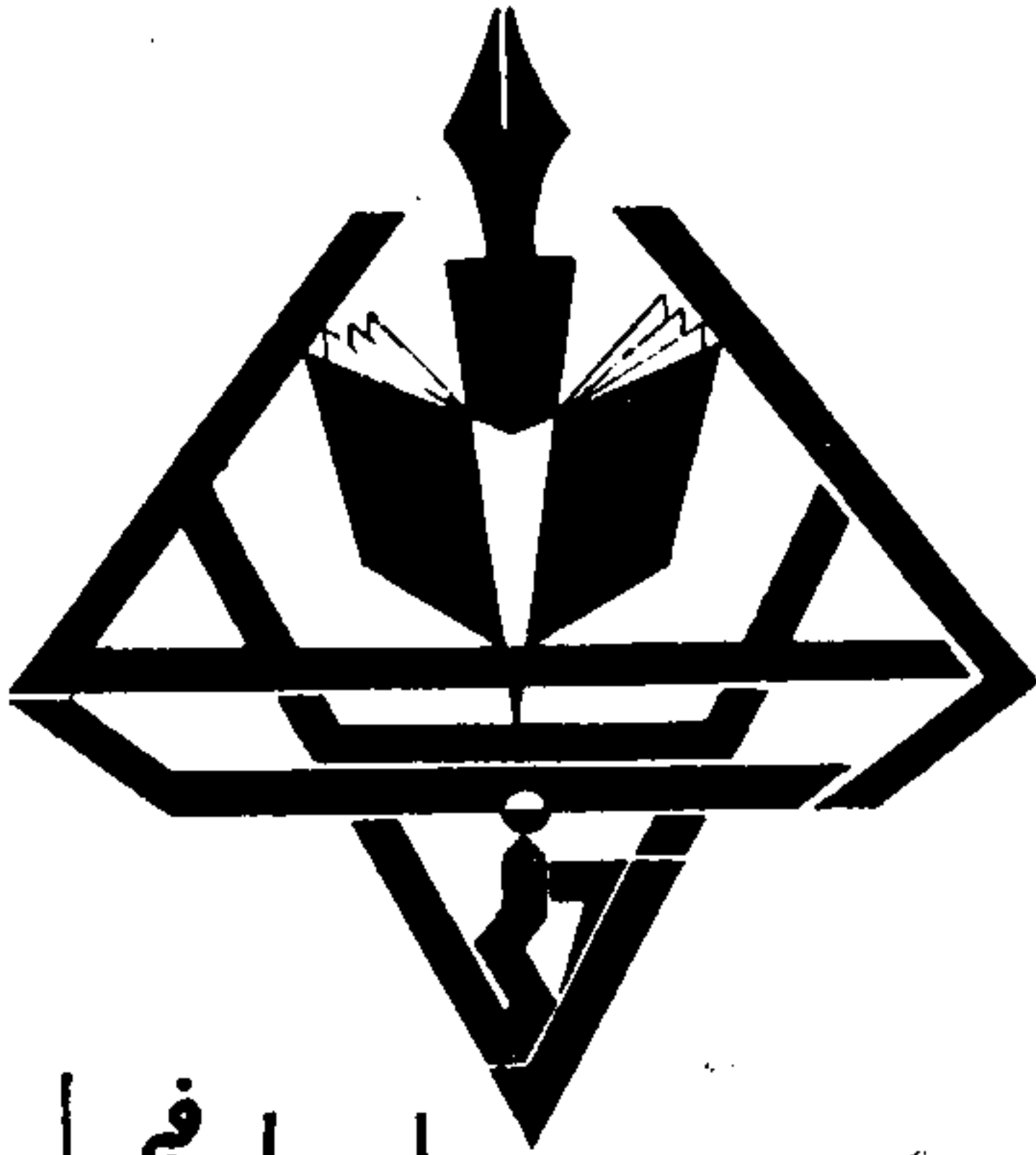
الجیٹھ بالجیٹھ ۱۹۰۷ء میں مرزا قادیانی نے ایک بار پھر پیر صاحب کے ساتھ چھیڑ خانی شروع کی اور ایک پیش گوئی داغی کہ جیٹھ (دیسی مہینوں میں تیسرا مہینہ) تک قبلہ عالم اس دار فانی سے کوچ کر جائیں گے۔ یہ سوا کر ضلع سرگودھا کے میاں محمد قریشی جو قبلہ عالم کے پیر بھائی اور محبت صادق تھے گولڑہ شریف پہنچے اور مرزا قادیانی کی پیش گوئی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت قبلہ عالم سے اپنی حفاظت کا مناسب انتظام رکھنے کی استدعا کی مبادا کوئی قادیانی حملہ کر دے۔ حضرت پیر صاحب نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا میاں محمد موت تو برحق ہے ہر کسی کو مرنا ہے مگر تسلی رکھو اس جیٹھ میں ہم نہیں مرتے خدا کی شان جب جیٹھ کا مہینہ آیا تو مرزا قادیانی خود لاہور میں ٹٹی خانہ میں گر کر عبرتناک موت مر گیا۔ فاعتر وایا اولی الابصار اسی سال جب سیال شریف کے عرس مبارک پر حضرت قبلہ عالم اور میاں محمد قریشی کی ملاقات ہوئی تو حضرت قبلہ عالم نے میاں صاحب سے فرمایا الجیٹھ بالجیٹھ یعنی جیٹھ جیٹھ سے بدل گیا۔

حضور قبلہ عالم کی رد قادیانیت کے سلسلہ میں خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک اکثر مورخ و محقق اپنی کتب اور تحریروں میں تسلیم کرتے چلے آ رہے ہیں کہ حضرت پیر صاحب کی علمی اور روحانی قیادت اس تحریک کی شکست میں ایک کارگر حربہ ثابت ہوئی۔

مستقل تصنیفات کے علاوہ تردید قادیانیت کے سلسلہ میں حضرت قبلہ عالم کے کئی ایک فتاویٰ بھی مختلف کتب میں موجود ہیں جن میں اعلیٰ حضرت نے سائلوں کو بڑے کافی و شافی انداز میں مطمئن کیا ہے۔ ان میں سے مولانا حبیب اللہ امرتسری کے وہ آٹھ سوالات اور قبلہ عالم کی طرف سے ان کے جوابات قابل ذکر ہیں جن کا ذکر مولانا موصوف نے اپنی کتاب ”صاعقہ رحمانی بر نخل قادیانی“ میں کیا ہے۔ صاعقہ رحمانی بر نخل قادیانی حکیم خدا بخش قادیانی کی ایک ضخیم کتاب عسل مصفی کے جواب میں لکھنا شروع کی گئی تھی۔

قادیانیت کے لئے شمشیر برہنہ حضرت قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ بروز منگل ۲۹ صفر المظفر ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کو اس دار فانی سے دار بقا کی طرف سدھار گئے۔ اللہ تعالیٰ آپؒ کی روح پر فتوح پر کرڑوں رحمتیں اور سعادتیں نازل فرمائے۔ آمین

اعلیٰ حضرت مجدد گولڑوی نے ۱۳۰۹ھ میں جس تحریک کا آغاز کیا تھا ۱۳۹۴ھ میں وہ اپنی انتہا کو پہنچی۔ آخر حکومت پاکستان نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ختم نبوت کے مشن کی تکمیل کر دی۔ اور پھر پورے عالم اسلام میں اسی فیصلہ کی تشہیر کی گئی اور روئے زمین کے مسلمان قادیانیت کی فریب کاری سے آگاہ ہو گئے۔



اے میر رب! میرے علیؑ میں ایضا فرما۔

مولانا نواب الدین ستکوہی

مولانا نواب الدین ستکوہی کے بیٹے حافظ مظہر الدین کا ایک مضمون ماہنامہ ضیائے حرم لاہور کے ختم نبوت نمبر میں شائع ہوا تھا۔ ماہنامہ ضیائے حرم کے شکر یہ کے ساتھ وہی مضمون میں اپنی کتاب کی زینت بنا رہا ہوں۔ حافظ مظہر الدین صاحب فرماتے ہیں۔ ”میرے والد ماجد مولانا نواب الدین صاحب قصبہ رمداس ضلع امرتسر کے رہنے والے تھے۔ والد صاحب چونکہ (مراد حضرت خواجہ سراج الحق کرنا لوی ہیں) حضرت کے خلیفہ اعظم تھے اور غیر معمولی اوصاف و کمالات کے حامل تھے۔ اس لئے انہیں قادیان کے خطرناک محاذ ستکوہا پر متعین کیا گیا جو قادیان سے تین کوس کے فاصلے پر تھلا بمسالہ سے اگلے شیش چھینا سے اتر کر قادیان جانے والوں کو رہنڈ میں اہم مقام کی حیثیت رکھتا تھا۔

تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد جب والد صاحب قادیان پر حملہ آور ہوتے تو تیزی سے دیہات میں یہ خبر پھیل جاتی کہ مولوی صاحب مرزا سے مناظرہ کرنے جا رہے ہیں۔ دیہاتی عوام اپنے ہل چھوڑ کر ساتھ ہو جاتے۔ یہ واقعہ میری پیدائش سے چند سال پہلے کا ہے کہ مرزا قادیانی اور حکیم نور الدین سے گفتگو کا سلسلہ صرف علمی مباحث تک ہی محدود نہ رہتا بلکہ والد صاحب اسے شدید مطعون بھی کرتے۔ یہ خبریں تو مجھ تک یعنی شاہدوں کے ذریعے بکثرت پہنچی ہیں کہ مرزا قادیانی دق ہو کر عجز و انکسار کی راہ اختیار کر لیتا اور اپنے دعووں کی تاویلیں کرنے لگتا۔ مرزا کی موت کے بعد مناظروں کا دور شروع ہوا تو والد صاحب پنجاب کے عظیم مناظر ہونے کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کرنے لگے۔

ان کے مناظروں میں زبانی کلامی ہی باتیں نہ ہوتی تھیں بلکہ جہاد فی سبیل اللہ کا آغاز بھی ہو جاتا تھا۔ بہت کم مناظرے ایسے ہوئے ہوں گے جن میں والد صاحب نے اپنے چھ سات فٹ کے لٹھ کا استعمال نہ کیا ہو۔

غالباً ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے کہ پاکستان شریف کی درگاہ میں والد صاحب سے جو مناظرہ ہوا تھا۔ اس میں والد صاحب نے لٹھ سے کام نہ لیا تھا۔ شاید یہ اس لئے کہ یہ ان کے پیر و مرشد کی درگاہ تھی۔ اس

وقت پاکستان شریف کی جامع مسجد کے خطیب ایک تبحر عالم دین مولانا عبدالحق صاحب تھے جو یہیں کے ایک زمیندار بھی تھے۔ مرزائیوں سے شرائط مناظرہ طے کرنے کے لئے مولانا تشریف لے جانے لگے تو میں بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ مرزائی بڑے کروفر کے ساتھ آئے تھے۔ میں ان کی کتابوں کے انبار اور ان کا کردار دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ دل میں یہ خیال گزرنے لگا کہ میرے والد صاحب کے پاس تو کوئی کتاب نہیں وہ کیسے مناظرہ کریں گے! چنانچہ جب میں نے اپنے اس تاثر کا والد صاحب سے اظہار کیا تو وہ ہنس پڑے اور مولانا عبدالحق صاحب سے فرمانے لگے کہ دیکھو! مظہر کیا کہہ رہا ہے۔ پھر مولانا سے فرمایا۔ اس لڑکے کو سمجھاؤ کہ مناظرہ کتابوں سے نہیں تائید ربانی سے ہوتا ہے اور الحمد للہ یہ ہمیشہ میرے شامل حال رہی ہے۔ میں نے زندگی میں ارباب باطل سے تمام مناظرے کتاب کے بغیر کیے ہیں۔

یہاں یہ ذکر بھی خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ مرزائیوں نے عام دستور کے خلاف پاک پتن شریف کے مناظرے میں والد ماجد کے مقابلے کے لئے کہنہ مشق اور گرگان باراں دیدہ کی بجائے نوجوان مناظروں کو بھیجا جو والد ماجد کے تبحر علمی، زور خطابت، شخصیت، ذہانت و نظافت اور شجاعت و بہادری سے قطعی طور پر نا آشنا تھے۔ ان نوجوانوں کے سرخیل تین مناظروں کا نام تو مجھے اب تک یاد ہے۔ جلال الدین شمس، عبدالرحمن اور سلیم۔ الحمد للہ اسی مناظرے میں ۳۰ آدمیوں نے مرزائیت سے توبہ کی اور والد صاحب کے حلقہء ارادت میں شامل ہو گئے۔“

آپ مزید لکھتے ہیں کہ محمدی بیگم کے قصبہ ”پٹی“ میں جب والد صاحب کا مناظرہ ہوا تو فریق مخالف آنکھ ملا کر بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ والد ماجد نے متعدد بار کڑک کر کہا کہ ادھر دیکھو! لیکن وہ آنکھ چرا رہا تھا۔ سٹیج پر بیٹھے ہوئے بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت! ان لوگوں کا خیال ہے کہ آپ جادوگر ہیں اور آپ کی آنکھوں میں سحر ہے۔ یہ سن کر والد صاحب ہنس پڑے اور اپنے مخصوص انداز میں فرمایا۔

تم نے جادو گر اسے کیوں کہہ دیا

دہلوی ہے داغ بنگالی نہیں

ضمناً یہ بات بھی سن لیجئے جو میں نے والد ماجد کی زبان سے سنی ہے۔ فرمایا کہ ایک روز

قادیان سے گزر ہوا تو میں نے احباب سے کہا کہ مرزا قادیانی سے ملے بغیر یہ سفرنا تمام رہے گا۔ آؤ مرزا

سے ملتے چلیں۔ جب میں گیا تو مرزا اور حکیم نور الدین چند لوگوں کے سامنے مثنوی مولانا روم کے اشعار پڑھ رہے تھے مرزا کی زبان سے مولانا کی تعریف و توصیف سن کر میں نے کہا کہ مولانا روم تو حیاتِ مسیح کے قائل ہیں فرماتے ہیں۔

عیسے و ادریس چوں این راز یافت
بر فراز گنبد چارم شتافت

عیسے و ادریس برگردوں شدند
زاں کہ از جنس ملائک آمدند

مرزا نے جواب دیا کہ یہ ان کی انفرادی رائے ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کی رائے انفرادی نہیں؟ یہ اجتماعی ہے؟ مرزا نے جھٹ حکیم نور الدین سے کہا کہ بھئی! مولانا کے لئے چائے لاؤ۔ ایک صاحب نے جھٹ پوچھا کہ حضرت! آپ نے چائے پی؟ فرمایا: استغفر اللہ! یہ کیسے ممکن تھا۔ یہاں مجھے بے اختیار ایک واقعہ یاد آ گیا اور وہ یہ کہ والد صاحب نے اپنی موت سے ہفتہ عشرہ پہلے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بیٹے مظہر! اللہ کریم مجھے بخش دے گا تھوڑے سے وقفے کے بعد فرمانے لگے کہ اعمال کے باعث نہیں، اعمال کا محاسبہ ہو تو مجھے جہنم کا کوئی مناسب گوشہ بھی نہیں ملے گا۔ میں نے زندگی میں مرزائیوں کو بہت مارا ہے اسی لئے امید ہے کہ اللہ کریم مجھے بخش دے گا۔ جب مرزا ایک مقدمے میں ماخوذ ہو کر گورداس پور کی کچہری میں آیا تو والد صاحب بھاگم بھاگ کچہری پہنچ گئے اور مرزا کے گرد لوگوں کا حلقہ توڑ کر مرزا کا بازو پکڑ لیا۔ بازو کو ایک شدید جھٹکا دے کر فرمانے لگے کہ مردود! نبوت اگر جاری ہوتی اور اللہ تعالیٰ اس علاقے میں کوئی نبی بھیجتا تو بتا! کہ مجھ جیسے وجیہہ انسان کو بھیجتا یا تجھ جیسے بچو کو؟ یہ سن کر حاضرین کے انبوه سے ایک قہقہہ بلند ہوا اور مرزا پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ والد صاحب کی روانگی کے وقت ہی خواجہ سراج الحق صاحب کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مولوی صاحب مرزا سے باتیں کرنے کے لئے گئے ہیں۔ چنانچہ بہت جلد حضرت بھی پہنچ گئے اور والد صاحب کو اپنے ساتھ لے آئے۔

میری عمر بہت چھوٹی تھی کہ ہمارے خاندان میں سے ایک خاتون کا رشتہ ایک مرزائی سے ہو گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص مرزائی ہے تو والد صاحب کو بہت صدمہ ہوا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ کافر سے مسلمان خاتون کا رشتہ جائز نہیں لیکن میرے ماموں ابراہیم تحصیل دار جو مشہور ناول نگار نسیم جازی کے والد تھے اگرچہ مرزا کے بہت خلاف تھے اور مرزا کے رد میں بالعموم یہی دلیل دیا کرتے تھے کہ میں نے اور مرزا قادیانی نے سیالکوٹ میں پٹواری کا امتحان دیا وہ فیل ہو گیا اور میں پاس ہو گیا۔ جو شخص پٹواری نہ بن سکے وہ فرستادہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر وہ کہہ رہے تھے کہ کوئی ایسی صورت ہونی چاہیے کہ ہمارے خاندان کی لڑکی عدالت میں نہ جائے۔ چنانچہ والد صاحب نے یہ کہہ کر موصوفہ سے نکاح کر لیا کہ عدالت کا معاملہ میں خود نیٹ لوں گا۔

مرزائیوں کو جب اس نکاح کی اطلاع ملی تو انہوں نے گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ یہ مقدمہ سات سال تک جاری رہا۔ انجام کار والد صاحب کو فتح ہوئی اور میری دوسری والدہ مرزا بشیر الدین اور چوہدری ظفر اللہ خاں کی انتہائی سعی و کوشش کے باوجود ایک بار بھی عدالت میں پیش نہ ہو سکیں۔

جب مرزا بشیر الدین بطور گواہ عدالت میں آیا۔ تو ظفر اللہ خاں نے یہ مسئلہ کھڑا کر دیا کہ بشیر الدین کو عدالت میں کرسی ملنی چاہیے۔ ادھر سے یہ تقاضا تھا کہ کرسی ملے تو دونوں کو در نہ دونوں کھڑے رہیں۔ والد صاحب بیٹھنے پر کھڑا رہنے کو ترجیح دے رہے تھے۔ کافی بحث کے بعد یہی فیصلہ ہوا کہ دونوں کھڑے رہیں۔ بشیر الدین اور ظفر اللہ پر والد صاحب کی جرح دیدنی تھی جس کا تھوڑا سا تصور اب بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ والد صاحب کہہ رہے تھے کہ برخوردار! تیرے والد کو حیض آتا تھا؟ اور ظفر اللہ شپٹا رہا تھا۔ مختصر یہ کہ تنسیخ نکاح کا یہ پہلا مقدمہ تھا جو والد صاحب نے جیتا۔ مقدمہ بہاولپور۔ بہت بعد کی بات ہے۔

سطحاً تحریک ختم نبوت کے دوران تنسیخ نکاح کے سلسلے میں جتنی تحریریں میرے سامنے آئی ہیں ان میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں کہ تنسیخ نکاح کا پہلا مقدمہ مولانا نواب الدین ستکوہی نے جیتا تھا۔ حالانکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

یہاں میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ جب مرزا قادیانی نے محمدی بیگم سے اپنے آسمان پر نکاح ہونے کا دعویٰ کیا تو والد صاحب محمدی بیگم کے قصبہ ”پٹی“ پہنچ گئے یہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی سحر بیانی اور روحانی قوت سے ”پٹی“ کے مغلوں کو اپنے حلقہء ارادت میں شامل کر لیا۔ محمدی بیگم کا خاندان والد صاحب کا مرید ہو گیا۔ یوں مرزا قادیانی کا آسمانی نکاح زمین پر نہ ہو سکا۔ یہ والد صاحب کا مرزا پر سیاسی حملہ تھا۔ پٹی میں والد صاحب کے ورود مسعود کی داستان ان کے ایک مرید مشہور صحافی اور شاعر حاجی لعل مرحوم کے قلم سے چند سال پیشتر ہفت روزہ چٹان میں چھپ چکی ہے۔

آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر کے اسلامی اجتماعات کے اشتہارات کو اگر دیکھا جائے تو ان میں والد صاحب کے نام کے ساتھ فاتح قادیان کے الفاظ ملیں گے۔ یہ خطاب علمائے اسلام نے والد صاحب کو اسی لئے دیا تھا کہ انہوں نے تہنیک نکاح کا پہلا مقدمہ جیتا تھا۔ ورنہ مناظر تو اس عہد میں اور بھی تھے۔

غالباً ۱۹۲۵ء کا واقعہ ہے کہ مرزائیوں نے ریاست جموں کشمیر کو اپنی تخریبی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنا لیا چنانچہ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب نے اس فتنے کے سدباب کے لئے جموں میں ایک تبلیغی کانفرنس منعقد کی اور مشاہیر علمائے اسلام کو دعوت نامے بھیجے۔ ان میں والد صاحب کا نام بھی تھا۔ یہ وہ عہد تھا کہ والد صاحب اپنے آبائی وطن رمداس ضلع امرتسر میں تشریف لے چکے تھے۔ اس وقت ہمارا عظیم الشان مکان زیر تعمیر تھا اور والد صاحب کی ساری توجہ مکان کی تعمیر پر مرکوز تھی۔ اسی دوران میں حضرت امیر ملت کا دعوت نامہ آ گیا اور والد صاحب تمام کام چھوڑ کر جموں روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تم بھی چلو گے! لیکن اس عہد طفولیت میں میری تمام تر توجہ اپنے کبوتروں پر مرکوز تھی۔ میں نے جواب دینے میں ذرا تاثر کیا تو مسکرا کر فرمانے لگے کہ تیرے کبوتروں کی حفاظت کے لئے میں خاص آدمی مقرر کر دیتا ہوں۔ جموں میں میں مرزائیوں کو چوہٹھنیاں دوں گا۔ وہ تیرے کبوتروں کی قلابازیوں سے بہتر ہوں گی۔ مزہ نہ آیا تو کسی کے ساتھ بھیج دوں گا۔ یہ سکر میں ہنس پڑا اور ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

اس منظر کو دیکھنے والے لوگ ابھی تک بقید حیات ہیں۔ کانفرنس میں زیادہ تر والد ماجد ہی کی

تقریریں ہوتی تھیں۔ اس معرکے سے خوش ہو کر حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ والد صاحب کو اپنے ساتھ علی پور شریف لے گئے اور والد صاحب کا قیام طویل سے طویل تر ہوتا گیا۔ ہر روز رات کو والد صاحب کی تقریر ہوتی تھی اور دن علمی و عرفانی باتوں میں گزرتا تھا۔ ایک بچے کے لئے ایسے ماحول میں زیادہ دیر ٹھہرنا مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ میں گاؤں میں گھومنے پھرنے لگا بلکہ حضرت امیر ملت خود فرماتے کہ مظہر! جاؤ مسجد مدرسہ اور تہہ خانے دیکھ آؤ! ایک روز میں واپس آیا تو حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ مسجد اور مدرسہ پسند آیا۔ میں نے اثبات میں جواب دیا تو فرمانے لگے کہ بس تعلیم کے لئے یہیں آ جاؤ۔ مختصر یہ کہ یہیں سے صاحبزادگان سے تعلقات کی ابتدا ہوئی۔

کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ مرزائیوں نے حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ مولانا دیدار علی شاہ صاحبؒ اور والد ماجد کا جموں کشمیر میں داخلہ قانوناً بند کر دیا۔ اس سے عوام نے اور بھی خوشگوار اثر لیا۔ وہ سمجھنے لگے کہ مرزائی مسلمان علماء کی تاب نہیں لاسکتے۔

میرے عنقوان شباب میں والد صاحب کے مرزائیوں سے جو مناظرے ہوئے انہی کا یہ نتیجہ تھا کہ مجھے تمام سوالات و جوابات یاد ہو گئے جنہیں میں نے قلم بند کر کے خاتم المرسلین کے نام سے شائع کر دیا۔ یہ میری پہلی تصنیف تھی جس پر استاد محترم ابوالبرکات سید احمد صاحبؒ والد ماجد اور مولانا مرتضیٰ احمد خان میکیشؒ نے تقریظیں لکھیں۔ میرے سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد والد صاحب کے جو مناظرے ہوئے ان کی علمی باتیں اب تک میرے حافظے میں محفوظ ہیں۔ خدا نے چاہا تو سب باتیں کبھی ضیائے حرم میں لکھوں گا۔

جن نفوس قدسیہ نے تبلیغ حق کے اس سلسلہ میں حضر خواجہ سراج الحق صاحب اور والد ماجد کا ساتھ دیا جی تو یہی چاہتا ہے کہ ان کا تذکرہ بھی کروں لیکن ان کی فہرست بڑی طویل ہے۔ مختصر طور پر یہی کہہ سکتا ہوں کہ حکمران خواجہ کے ساتھ درویشوں کی ایک جماعت ہوتی تھی جنہیں دیکھ کر یہ گمان گزرنے لگتا تھا کہ سلف صالحین کی کوئی جماعت قبروں سے نکل آئی ہے۔ دراز قامت، چہرے درخشندہ، طویل ڈاڑھی، موڈراز۔ ہاتھ میں لمبے عصا اور تسبیح۔ اور رنگین لباس میں ملبوس، قد سیوں کی اس جماعت کے ساتھ حضرت خواجہ کسی گاؤں میں پہنچتے تو لوگ جمع ہو جاتے۔ غایت درجہ عقیدت و محبت کا اظہار کرنے لگتے اور

دعاؤں اور تعویذات کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ نماز تہجد کے بعد حضرت خواجہ ذکر خیر فرماتے تو سامعین پر وجد و کیف کا عالم طاری ہو جاتا۔ مرزائیوں میں ذوق و شوق کی یہ متاع کہاں تھی! وہ عوام کا تاثر زائل کرنے کے لئے کمال بے حیائی سے یہی کہتے کہ یہ جذب و شوق نہیں نئی گندم کھانے کا اثر ہے لیکن ایسی خرافات سے عوام کے تاثر کا زائل ہونا ممکن نہ تھا۔

والد ماجد کے ساتھ زیادہ تر تعداد علماء فضلا ادباء شعرا کی ہوتی تھی جن میں حفیظ جالندھری، مرتضیٰ احمد خان میکش، حاجی لق لق، عبدالمجید قریشی (سیرت کمیٹی والے) اور محمدی بیگم کے ایک قریبی عزیز مرزا نواز شعلی بیک بھی شامل تھے۔ مولانا عبدالمجید سالک بھی کبھی کبھار آ جاتے۔ خیر یہ تو معروف شخصیتوں کا ذکر ہے غیر معروف شخصیتوں میں بھی بڑے باکمال لوگ موجود تھے۔ زندگی میں کبھی فرصت ملی تو اس داستان کو پوری تفصیل سے لکھوں گا اور ان اصحاب کا بھی ذکر کروں گا۔ جنہوں نے مرزائیوں کے ساتھ مقدمہ میں سات سال تک اپنا سرمایہ صرف کیا ان لوگوں کو بڑی شدت سے یہ احساس تھا کہ اگر ہمارے پیرومرشد مقدمہ ہار گئے تو مرزائیوں کو بڑی تقویت ملے گی۔

آخر میں میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ تمام خواجگانِ چشت کے عرسوں کی تاریخیں ہجری سن کے اعتبار سے مقرر چلی آرہی ہیں۔ بخلاف اس کے خواجہ سراج الحق راحت نے جب گورداسپور میں عرس کا افتتاح کیا تو عرس کی تاریخ عیسوی سن کے اعتبار سے مقرر کی۔ میرے عہد طفولیت میں ایک دفعہ ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت! اپنے بزرگوں کے خلاف عرس کی تاریخ عیسوی کیوں مقرر کی گئی ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ انہی تاریخوں میں نادیاں کا جلسہ ہوتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ لوگ ادھر نہ جائیں بلکہ ادھر آئیں۔ بظاہر یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عوام کو مرزا ایت سے باز رکھنے کی حضرت کو کس قدر فکر تھی۔ عین ممکن ہے کہ یہ تدبیر بھی حضرت نے اپنے پیرومرشد صوفی محمد حسین صاحب مراد آبادی کے ایما اور مشورہ سے اختیار کی ہو۔

پروفیسر سید شبیر حسین شاہ زاہد

(پ۔ ۱۹۵۸)

عقیدہ ختم نبوت اور حضرت مجدد الف ثانیؑ کے مصنف ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں متعدد مرتبہ تحریری مقابلوں میں گولڈ میڈل حاصل کرنے والے بلند پایہ مصنف، شہرہ آفاق خطیب پروفیسر سید شبیر حسین شاہ زاہد مولوی محمد شاہ انبالوی کے گھر ۵ مارچ ۱۹۵۸ کو نکانہ صاحب میں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم نکانہ صاحب میں حاصل کی بعد ازاں جامعہ پنجاب سے ایم اے تاریخ، ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ان دنوں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کیلئے کوشاں ہیں۔ کافی عرصہ تک نیول ہیڈ کوارٹر اسلام آباد میں ملازمت کے بعد ان دنوں اپنے آبائی شہر نکانہ صاحب کے گورنمنٹ کالج میں بطور لیکچرار اسلامیات خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

آپ ایک منجھے ہوئے قلم کار اور شعلہ نوا خطیب ہیں۔ نکانہ صاحب کی معروف ترین جامع مسجد پرانے ہسپتال والی میں جمعہ کا خطاب ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ کے اکثر خطبات عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کی بیخ کنی پر مشتمل ہوتے ہیں۔

آپ نے اپنی علمی تسکین کی خاطر ایک وسیع لائبریری ”گوشہء محققین“ کے نام سے قائم کر رکھی ہے۔ جس میں تقریباً تمام موضوعات پر کثیر تعداد میں کتب موجود ہیں اور اہل علم و قلم افراد کے لئے ہر وقت کھلی رہتی ہے۔ آپ نے اپنے وسیع تر مطالعہ کی بدولت مختلف موضوعات پر علمی تحریریں رقم فرمائی ہیں عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ اور ردِ قادیانیت آپ کے پسندیدہ موضوع تحریر ہیں۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے انعامی تحریری مقابلوں میں حصہ لے کر متعدد مرتبہ گولڈ میڈل حاصل کر چکے ہیں۔

ختم نبوت اور ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں آپ کے جو علمی مقالہ جات مختلف مجلوں میں صفحہ قرطاس کی زینت بن چکے ہیں ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) آیہ ختم نبوت اور اردو مفسرین (۲) آیہ ختم نبوت اور انگریزی مترجمین و مفسرین (۳) آیہ تکمیل دین۔ (۴) علامہ اقبال اور عقیدہ ختم نبوت (۵) امام احمد رضا اور عقیدہ ختم نبوت (۶) عقیدہ ختم نبوت اور اعلیٰ حضرت کا نعتیہ کلام (۷) اعلیٰ حضرت اور مرزا قادیانی، (۸) قادیانیت اور مسئلہ کشمیر (۹) مرزا

قادیانی اور اس کے کفریہ عقائد (۱۰) فتنہ قادیانیت کا خاتمہ کیوں اور کیسے ممکن ہے۔ (۱۱) عقیدہ ختم نبوت اور مرزا قادیانی۔

ان مقالہ جات کے علاوہ آپ نے مندرجہ ذیل کتب بھی تصنیف فرمائی ہیں۔
(۱) عقیدہ ختم نبوت اور حضرت مجدد الف ثانی:

آپ کا گر انقدر مقالہ ”عقیدہ ختم نبوت“ ۱۹۸۸ میں ماہنامہ حکمت قرآن میں شائع ہوا تو قادیانیوں کی طرف سے اس پر اعتراضات آنے شروع ہو گئے جن میں بزرگان امت کی تحریروں کو سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی اکثر بزرگان امت اجرائے نبوت کے قائل ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت مجدد الف ثانی اور عقیدہ ختم نبوت کے عنوان سے ایک مستقل کتاب لکھی جس میں عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نہ صرف عقیدہ ختم نبوت کے قائل تھے بلکہ اجرائے ختم نبوت کے قائل کو کافر اور خارج از اسلام سمجھتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی کے حوالے سے اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے اسی وجہ سے علمی حلقوں میں اسے بے پناہ پذیرائی مل رہی ہے۔
(۲) عقیدہ ختم نبوت اور ہمارا نعتیہ ادب:

ہمارے نعتیہ ادب میں موجود ایسی نعتوں اور اشعار کا انتخاب جن سے عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے اور قادیانیت کی تردید ہوتی ہے۔ عربی، فارسی، اردو، پنجابی، سندھی اور پشتو نعتوں اور اشعار کا حسین امتزاج ہے۔

(۳) مرزائیت ایک دہشت گرد تنظیم:

آپ نے ایسے دستاویزی ثبوت فراہم کئے ہیں جن سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ قادیانیت کوئی مذہبی گروہ نہیں ہے بلکہ یہ اسلام دشمن دہشت گرد تنظیم ہے۔ آپ کی یہ عظیم تصنیف بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں آپ کی مفید کتب سے بہرہ اندوز ہونے کے

لئے آپ کو لمبی عمر عطا فرمائے۔

ماخذ و مراجع



کلام اللہ	قرآن مجید
امام محمد اسماعیل بخاری	صحیح بخاری شریف
امام ولی الدین محمد بن خطیب العمری	مشکوٰۃ شریف
امام احمد رضا خان بریلوی	السوء والعقاب علی السیح الکذاب
امام احمد رضا خان بریلوی	جز اللہ عدوہ بابائے ختم نبوت
=	حسام الحرمین علی منخر الکفر والین
=	المبین ختم النبیین
=	الجزز الدیانی علی مرتد قادیانی
=	فتاویٰ رضویہ جلد ششم
=	احکام شریعت
=	ملفوظات احمد رضا خان
جشن محمد اکبر	فیصلہ مقدمہ مرزا سیہ بہاولپور
پروفیسر محمد الیاس برنی	قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ
مولانا محمد انوار اللہ خان	افادۃ الافہام
پروفیسر شبیر حسین شاہ	عقیدہ ختم نبوت اور حضرت مجدد الف ثانی
مفتی شجاعت علی قادری	ماہنامہ ترجمان اہلسنت (ختم نبوت نمبر)
مولانا محمد صادق بہاولپوری	رؤسید مقدمہ بہاولپور
صادق علی زاہد	عقیدہ ختم نبوت اور رفته قادیانیت
ظہور احمد بگونی مولانا	برق آسمانی بر خرمن قادیانی

عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت (سوالاً جواباً)

از صادق علی زاہد

- ☆ تاریخ تحفظ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت کے بارے میں معلومات کا انمول خزانہ
- ☆ مجاہدین ختم نبوت کے سلسلہ میں ایک معروضی تحریر
- ☆ کوئٹہ پروگراموں میں شرکت کرنے والوں کے لئے فتنہ قادیانیت کی مستند تاریخ
- ☆ ایک دستاویز جو عاشقانِ مصطفیٰ کے ایمان کے لئے مہمیز بھی ہے اور قادیانیوں کے لئے درس عبرت اور دعوتِ ایمان بھی
- ☆ صادق علی زاہد کے قلم کا شہکار جو بجلی کی طرح چمکتا اور تلوار کی طرح چلتا ہوا قادیانیت کے جگر پر چر کے لگاتا چلا جاتا ہے۔
- ☆ ایک ایسی کتاب جو آپ کو بے شمار کتابوں سے بے نیاز کر دے گی۔

اربعین ختم نبوت از صادق علی زاہد

(زیر طبع)

عقیدہ ختم نبوت کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں چالیس احادیث مبارکہ۔
عربی متن مع مستند شارحین حدیث کی تشریحات جلیلہ۔

اطلاق رضا بر اولیاءِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
رضاء الہی کے مستحقین

صحابہ کرام کے علاوہ بزرگان دین کے لئے ”رضی اللہ عنہ“ کے کلمات استعمال کرنے کو تحقیقی ثبوت۔ کون لوگ رضاء الہی کے اصل مستحق ہیں اور کون لوگ اللہ کے غضب کے حقدار ہیں۔
قیمت صرف: ۲۵ روپے۔

عقیدہ ختم نبوت اور بزرگان امت (زیر طبع)

از صادق علی زاہد

قادیانی ٹولہ دھوکہ باز مرزا قادیانی کی جعلی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے بزرگان امت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ ملا علی قاریؒ محی الدین ابن عربیؒ مولانا رومؒ امام احمد رضا خان بریلویؒ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ و دیگر مشاہیر اسلام کی کتب سے بعض اقتباسات سیاق و سباق کاٹ کر نقل کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اکثر بزرگان امت اجرائے نبوت کے قائل تھے، قادیانیوں کے اس گمراہ کن پروپیگنڈہ کا مسکت جواب پہلی بار صادق علی زاہد کے قلم سے جس میں بزرگان امت کی عبارات میں سیاق و سباق پیش کر کے حقیقت واضح کر دی گئی ہے۔

عقیدہ ختم نبوت اور حضرت مجدد الف ثانیؒ

از سید شبیر حسین شاہ زاہد

حضرت مجدد الف ثانیؒ کو اجرائے نبوت کا قائل ثابت کرنے کی قادیانی خرافات کا مکمل جواب محقق قادیانیت شبیر حسین شاہ زاہد کے قلم سے پہلی بار منظر عام پر آ چکی ہے۔
قیمت صرف ۹۰ روپے

ملنے کا پتہ:

ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ لاہور

مکتبہ الاحباب دارالعلوم محمدیہ غوثیہ داتا گنگرہا دامی باغ لاہور

وسعت علم کیلئے مطالعہ، مطالعہ کیلئے کتب



فہم قرآن مجید، حدیث، کتب اربعہ، تفسیر، احکام، فقہ، تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ، منطق، ریاضی، طبیعیات، کیمیا، طب، ہنر، فنون، اور دیگر کتب

گنبد خضرا
اور اس کے مکین
تذکرہ اصحاب

قصیدہ
بردہ شریف
امام ابو نعین

معارف
درود و سلام
عربیہ اللہ تعالیٰ

اسلام میں
وسیلے کا تصور
تذکرہ اصحاب

عقیدہ ختم نبوت
اور مجدد الف ثانی
پیشوا شیخ محمد امین شاہ

رضائے الہی
کے مستحقین
عساق علی زلم

شہیرہ زبیر
عربیہ اللہ تعالیٰ

مسجد نبوی
تذکرہ اصحاب

پیری مریدی
سائبر خان، قائد

کعبۃ اللہ
اور اس کا
تذکرہ اصحاب

خطبات رضوانہ اکرم ہی کرم
امام احمد رضا خان
عبدالحق صاحب

گنبد خضرا کی پوری کتب